امام ترمذی کی جامع السنن کے (ابواب البر والصلۃ)
کے درسی افادات

اسلامی معاشرہ
کے
لازمی خدوخال

عبد القیوم حقانی

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

امامِ ترمذیؒ کی جامع السنن کے ابواب البرّ و الصلة

کے درسی افادات

اسلامی معاشرہ

کے

لازمی خدوخال

افادات : شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم

جس میں والدین کے حقوق' رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی' پڑوسیوں کے حقوق ہمسائیگی' بڑوں کا ادب و احترام' چھوٹوں پر رحمت و شفقت' بہنوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت' بیوی اور بچوں کی پرورش اور سرپرستی' یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری' ضعیفوں اور بے کسوں کے ساتھ ہمدردی' غلاموں اور خادموں سے لطف اور نرمی' مریضوں کی عیادت' مصیبت زدہ کی مدد اور ان سے تعاون' عام لوگوں کے ساتھ رحمدلی' آپس میں محبت اور اخوت' نیز سلام کو عام کرنا' مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا' عفو و درگزر سے کام لینا' عہد کی پابندی کرنا' سخاوت اور مہمان نوازی اپنانا' اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا' سچ بولنے کی عادت بنانا، الغرض ہر قسم کی خوش اخلاقی اور حسنِ معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے اور ان اوصافِ حسنہ کی فضائل اور ان پر مرتب ہونے والے اجر و ثواب کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

پیش لفظ : مولانا عبدالقیوم حقانی

جمع و ترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ کے پی کے پاکستان

نام کتاب	:	اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال
درسی افادات	:	شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم
پیش لفظ	:	مولانا عبدالقیوم حقانی
جمع وترتیب	:	مولانا عبدالمنعم حقانی
کمپوزنگ	:	بابر حنیف ...... جان محمد جان
ضخامت	:	۴۰۰ صفحات
تعداد	:	۱۱۰۰
تاریخ طباعت اوّل	:	رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ...... اگست ۲۰۱۲ء
ناشر	:	القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے پی کے

0346-4010613 --------- 0333-6544950

یہ کتاب درج ذیل اداروں سے مل سکتی ہے

مؤتمر المصنفین ...... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

مکتبہ رشیدیہ، سردار پلازہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ کتب خانہ اشرفیہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی

مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور

مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ فریدیہ، ای سیون، اسلام آباد ☆ مکتبہ عثمانیہ کمیٹی چوک راولپنڈی

مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابوہریرہ چنوں موم ضلع سیالکوٹ

مکتبہ فاروقِ اعظم اوقاف پلازہ باچا خان چوک چارسدہ

فہرست

۵۷ : باب مَا جَاءَ فِي الْمِرَاءِ ۲۹۷

جدال اور بحث کا بیان ۲۹۷

۵۸ : باب مَا جَاءَ فِي الْمُدَارَاةِ ۳۰۲

نرمی برتنے کا بیان ۳۰۲

اللہ تعالیٰ نے اپنا شکریہ ادا کرنے کے بعد والدین کی شکرگزاری کا حکم فرمایا:

اَنِ اشْکُرْلِیْ

وَ لِوَالِدَیْکَ. (الایة)

کہ میرا شکریہ ادا کرو

اور اپنے والدین کے شکرگزار بنو۔

پیش لفظ

مولانا عبدالقیوم حقانی

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ۔

میرے شیخ واستاذِ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم کے جامع السنن للترمذی سے متعلق ''ابواب البر والصلۃ'' کے درسی امالی مرتب ہوکر پریس بھیجنے کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ طباعت واشاعت کی سعادت ''القاسم اکیڈمی'' کو بخشی جارہی ہے۔ ''ابواب البر والصلۃ'' اجتماعی خاندانی اور معاشرتی حوالے سے انقلاب آفرین ابواب ہیں علم وعمل اور صالحیت کے محرک ہیں۔

'البــــر مصدر ہے اس کا عام مطلب، معنی اور مفہوم نیکی، اچھائی، حسنِ معاملہ اور عربی لغت میں کسی کے حق کو پورا کرنا ہے۔ بِرّ بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اردو لغت میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جو اس کی وسعتوں کو اپنے اندر سمو سکے۔ اس کی معنوی وسعت کی وجہ سے وہ ساری نیکیاں اس کے تحت جمع ہوجاتی ہیں جو عدل یا احسان کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ ان ابواب میں ''بر'' سے مراد والدین سے حسنِ سلوک ہے۔ والدین کا ادب واحترام ان کے ساتھ حسن وخوبی کا برتاؤ ربِّ ذوالجلال کا حکم، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور اخلاقیات کا اہم تقاضا ہے۔ صلہ کا مطلب ہے حسن سلوک، اخلاق میں، معاملات میں اور معاشرت میں اخلاقِ حسنہ کا پہلو حاوی رہے۔ یہی حسن سلوک ہے، یہی صلہ ہے، یہی نیکی ہے، یہی اچھائی ہے اور یہی مطلوب ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کے معاشرے میں حسنِ معاشرت کی اصلاح اور درستی کا اہتمام نہیں ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک امتیازی شان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ میرے

ربّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے میں انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے بھی اس کو معاف کردوں جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اُس سے صلہ رحمی کروں جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں، غصہ اور خوشی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو اپنا شیوہ بناؤں۔

تاریخ کے دریچوں سے جھانک کر دیکھیے تو یہ منظر نظر آتا ہے جو لوگ حضور ﷺ کو مختلف ایذائیں پہنچاتے تھے، ہجو کرتے تھے، پتھر برساتے تھے، کانٹے بچھاتے تھے، جانوروں کی اوجھڑیاں پھینکتے تھے، آپؐ کے صحابہ کو تپتی ریت پر لٹاتے تھے، تیروں کی بارش سے ان کے بدن چھلنی کردیتے تھے تو فتح مکہ کے دن سب کے لئے معافی کا پروانہ جاری کردیا، عفو و درگزر اور احسان کے حوالے سے یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں لاجواب ہے۔ اسلام یہی منظر چاہتا ہے اور آپؐ نے ایسی پرامن زندگی کی ساری عمر تبلیغ فرمائی ہے۔

ابواب البر والصلہ میں بھی یہی پیغام ہے، یہی دعوت ہے، یہی مشن ہے، یہی ہدف ہے۔ اسلام سراپا رحمت ہے، وہ یہی چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اور تمام انسان آپس میں محبت، الفت، والہیت اور گرویدگی کا معاملہ رکھیں، ایک دوسرے کا احترام کریں، ایک دوسرے کی خدمت کریں، بغض و حسد اور عداوت و نفرت سے دور رہیں، اگر کوئی قطع تعلق کرے تو اس سے صلہ رحمی کریں، جوڑ پیدا کریں، اس سے بھلائی کریں۔

حضور انور ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ احترام، محبت، شفقت، عفو و درگزر وغیرہ پاکیزہ اخلاق کی تبلیغ میں صرف ہوئی۔ آج رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک اور آپ کی زبان فیض ترجمان بشکل احادیثِ مبارک ہم سے ان اخلاقِ کریمانہ کا صدور چاہتی ہے۔

سیدی و استاذی الکریم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم نے اپنے درسِ جامع السنن للترمذی میں ''ابواب البر والصلة'' میں بروصلہ پر خوب تفصیل سے عالمانہ، فاضلانہ اور محدثانہ بحث کی ہے۔ علمی نقاط، حلِ نسخ، سند حدیث کی توضیح، متن کی تشریح، استنباطِ فقہ و مسائل کے علاوہ نبوی مزاج کے عین مطابق تعلیم و تربیت، اصلاحِ انقلابِ اُمت، دعوت و ارشاد اور رُشد و ہدایت اور تہذیب و معاشرت میں اسلامی تعلیمات کو اپنا ہدف بنایا ہے۔

برادرم مکرم حضرت مولانا مفتی عبدالمنعم مدظلہٗ نے میرے استاذ کی درسی تقاریر کو ٹائپ ریکارڈر سے نقل کرکے ترتیب و تالیف کے صعب ترین مراحل سے گذار کر اسے کتابی شکل دے دی ہے۔ الحمدللہ کہ

اس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔ جامعہ دار العلوم حقانیہ کے قدیم فاضل ''المصنفات فی الحدیث'' کے مؤلف استاذی واستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب حقانی کا بھی بے حد ممنون اور شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر آخری مراحل میں تصحیح اور بعض عربی عبارات کے ترجمہ میں بھرپور تعاون فرمایا۔ برادر محترم مولانا عرفان الحق حقانی نے مقدور بھر تصحیح میں مخلصانہ کوشش کی اللہ کریم سب کو اجرِ عظیم سے نوازیں۔

مولانا راشد الحق سمیع حقانی کے غالب شوقِ اشاعتِ حدیث، فروغِ علم اور خوبصورت طباعت کے ولولوں نے ہم خدام کو بھی کام لگائے اور اس کی پیش رفت میں ہماری ہمت آفرینیوں کو بڑھائے رکھا۔

القاسم اکیڈمی اسے اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتی ہے کہ استاذِ مکرم نے اعتماد فرما کر اشاعت و تقسیم کی سعادت سے ہمیں بہرہ ور فرمایا۔ **واجرهم علی الله.**

میرے استاذ کا اندازِ تدریس اور درسی خصوصیات

میرے شیخ، میرے محسن اور میرے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم کی پوری زندگی، سیاسی مساعی، جامعہ دار العلوم حقانیہ کا اہتمام وانصرام اور درس وتدریس الغرض زندگی کے ہمہ جہتی لمحات، عشقِ رسول ﷺ و اطاعت اور یادِ یار سے معمور رہتے ہیں، درس وتدریس اور اشتغال بالحدیث کے دوران یہ پیمانہ عشق مزید لبریز ہو جاتا ہے اپنے مشتاق اور بے تاب دل، اپنی قوتِ تخیّل، علمی، درسی اور ادبی زورِ کلام کے ساتھ وہ دار الحدیث کی وجد انگیز فضاؤں میں بار بار مدینۃ الرسولؐ کی پرواز کرتے رہتے ہیں اور ان کا طائرِ فکر ہمیشہ ہمیشہ اُسی آشیانہ اور آستانہ پر منڈلاتا رہتا ہے۔

وہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہِ رسالت میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے اخلاص، اور اپنی وفاؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ احادیث کے درس اور تشریح وتوضیح کے دوران ان کے علمی، روحانی، عملی اور محبت ووالہیت کے جوہر خوب کھلتے ہیں، علوم ومعارف اور معانی کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں وہ تمام حقائق ومعارف جو انہیں اپنے اساتذہ واکابر سے حاصل ہیں۔ بے حجاب اور بے نقاب ہو کر سامنے آتے اور خوب

رنگ دکھاتے ہیں۔

میرے استاذ کی شرح شمائل ''زین المحافل'' کی طرح پیش نظر جامع ترمذی کے اَمالی'' ابواب البر والصلة '' کی تشریح وتوضیح، ان کے علمی ودرسی افادات میں سب سے زیادہ جاندار، طاقتور، مؤثر، ان کے عشق ومحبت کے کیفیات اور والہانہ جذبات کے صحیح ترجمان، تجربات کا نچوڑ، رفعتِ علمی کی تصویر اور ان کے نازک ترین والہانہ احساسات کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنے درسِ حدیث میں علمی مباحث، لغوی تحقیق، فقہ ومسائل کے ساتھ ساتھ امتِ اسلامیہ اور عالم اسلام کے حالات، اس کے مسائل اور مشکلات، اس کی آزمائشیں اور مشکلات، نیز مغربی تہذیب، مادی فلسفوں، خالص بے دین تحریکوں پر خصوصی توجہ، نقد وجرح، اور اصلاح وانقلابِ اُمت پر خصوصی نظرِ عنایت رکھتے ہیں۔ میرے استاذ کا یہ علمی، جہادی، تحریکی، تدریسی اور روحانی سفر اس زمانہ میں ہو رہا ہے جب ان کی عمر پچھتر (۷۵) سال سے متجاوز ہے ان کے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ اس سن میں جب لوگ آرام کو ترجیح دیتے ہیں اور گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں وہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اہتمام کے ساتھ دفاع پاکستان اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کے حوالے سے ملک کے کونے کونے میں پہنچ رہے ہیں مگر بایں ہمہ درسِ حدیث میں ناغہ بھی انہیں برداشت نہیں اس کو فرمانِ محبت کی تعمیل اور مقصدِ زندگی کی تکمیل کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

میرے حضرت کو سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ اُمت اپنے سرمایۂ آرزو اور ذوقِ جستجو سے محروم ہو کر رنگ وبو میں گرفتار ہو گئی ہے اس کے کان نرم ونازک نغموں کے خوگر ہو گئے ہیں۔ علم، قلم، کتاب، مطالعہ، درس وتدریس اور جہاد کے نغمے اس کے لئے نامانوس ہو چکے ہیں اب نہ افرادِ امت کی آنکھ میں یقین کا نور اور عشق کا سرور ہے، نہ اس کے دل عشقِ رسول ﷺ میں مخمور اور نہ اس کا سینہ محبوبِ دوعالم ﷺ کی یاد سے معمور ہے۔ وہ بارگاہِ رسالت میں قلبی حضوری سے بہت دور اور اصل منزلِ مقصود سے ناآشنا اور مہجور ہے۔

میرے استاذِ مکرم لادینیت، عریانی اور مغربیت کے اس طوفانِ بلاخیز کو دیکھ رہے ہیں جو عالمِ اسلام پر بڑی تیزی سے یلغار کر رہا ہے۔ لادینیت کے اس سیلاب کا سب سے بڑا راستہ خالص مادہ پرستانہ

نظر، روحانی خلااور قلب کی برودت ہے۔میڈیا، عریانی اور مسرفانہ زندگی سے اس میں اور مددمل رہی ہے اس تمام تر شیطانی طوفان کا مقابلہ اگر کسی چیز سے ہوسکتا ہے تو وہ علمِ دین، حدیثِ رسول اور علومِ نبوت کے فروغ واشاعت سے ہوسکتا ہے اس پر اگر کوئی چیز غالب آسکتی ہے وہ سنتِ رسول ﷺ اور اہلِ اسلام کی زاہدانہ اور عاشقانہ زندگی ہے۔

میرے استاذِ مکرم بھی اپنے دروس، علمی مباحث اور طلبہ سے احادیث کی تشریح وتوضیح کے دوران مسلمانوں کے لئے اس مثالی زندگی کی آرزو کرتے ہیں جو زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہو۔اسی ہدف کے پیشِ نظر جامع السنن للامام الترمذی کے "ابواب البر والصلة"میں اسلامی زندگی کے لازمی خدوخال کو اجاگر کیا گیا ہے جس میں والدین، اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا درس ہے اسلام کے عائلی اور خانگی روایات کا استحکام ہے اگر ایسی زندگی وجود میں آجائے تو ساری دنیا اس کے سامنے سر جھکانے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور ہوگی اس کے مطالعہ واستفادہ سے "شعلۂ زندگی" کی افسردگی بجھ جائے گی اور پھر وہی علمِ دین کی شمعِ نور روشن ہوگی جو مسلمانوں کے دلوں میں فروزاں تھی۔

مجھے اپنے استاد کے اندازِ تدریس، درسی خصوصیات اور تدریسی امتیازات سے خصوصی تعلقِ خاطر، ذاتی دلچسپی اور بہت قریبی تجربہ کا موقع ملا ہے۔

ذیل میں اپنے مشاہدہ کی حد تک جہاں تک میرے ذہن اور مشاہدہ کام کرتا رہا لکھتا رہا۔ذیل میں وہی خصوصیات نذرِ قارئین ہیں۔

☆　اللہ تعالیٰ نے استاذِ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو بڑا وسیع اور عمیق علم عطا فرمایا ہے۔بالخصوص علم حدیث سے ان کا لگاؤ فطری ہے ان کا ذوق خالص محدثانہ ومحققانہ اور علمِ حدیث کے حوالے سے والہانہ ہے۔اپنے زمانے کے حالات اور مزاج سے بھی بھرپور واقفیت رکھتے ہیں۔فہم وفراست کی دولت سے مالا مال ہیں۔مزاج میں اعتدال ہے اپنے درس حدیث میں جادۂ اعتدال سے کہیں ذرہ برابر بھی ہٹتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

☆　حدیث کا متن بیان کرنے کے بعد اس کا ایسا ترجمہ کرتے ہیں جس میں حدیث کے مفہوم ومدعا

کی ترجمانی بھی جھلکتی ہے۔عصرِ حاضر کے مسائل، ملکی اور عالمی حالات اور الجھے ہوئے مسائل احادیث کے رہنما اصولوں کی روشنی میں حل پیش کرتے ہیں۔

☆ حدیث کی تشریح کے عنوان سے حدیث کے مفہوم کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں جس میں نفسِ حدیث کی وضاحت کے ساتھ حدیث پر واقع ہونے والے کسی بھی اشکال یا کسی دوسری حدیث سے اس کے بظاہر تعارض اور تضاد کا جواب بھی مل جاتا ہے۔

☆ حدیث پڑھاتے ہوئے بالکل عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں اندازِ بیان اتنا سادہ ہوتا ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ بھی نہایت سہل ہو جاتا ہے۔تبحرِ علمی اور دقتِ نظر کی دل کھول کر داد دینی پڑتی ہے ان کی تدریس کا سہل ترین اور دلنشین انداز ان کی علمی دیانت و وسعتِ قلبی، فکری صحت اور علمی وقعت کا شاہدِ عدل ہے۔

☆ حدیث پڑھاتے ہوئے کبھی کبھار ایسی نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ حدیث کی شروحات میں ان نکات کا ذکر نہیں ملتا۔علم ایسا راسخ، مرتب اور منقح ہے جس مسئلہ میں ایک بار جو رائے قائم فرما لیتے ہیں وہ ایسی صائب اور درست ہوتی ہے کہ ہزار تحقیق و تدقیق کے بعد بھی بات وہی رہتی ہے جسے آپ نے درست قرار دیا ہے۔

☆ اگر طالب علم کوئی اشکال پیش کرے تو حضرت بغیر کسی توقف یا مراجعتِ کتب کے فی البدیہ نہایت تشفی بخش جوابات عطا فرماتے ہیں۔حضرت الاستاذ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ نہایت وسیع المطالعہ ہیں مختلف علوم وفنون کی امہاتِ کتب کے علاوہ دنیا بھر کے ہمہ جہتی موضوعات پر نوادر مطبوعات سے بھی ان کو بے پناہ واقفیت ہے اس لئے کسی سوال کا جواب ان کے لئے مشکل نہیں رہتا۔

☆ ائمہ اربعہ کے دلائل کو بڑی وسیع النظرفی سے بیان کرتے ہیں اور پھر احناف کے دلائل پر اس انداز میں روشنی ڈالتے ہیں کہ کوئی بات تشنہ تکمیل نہیں رہتی۔

☆ حضرت الاستاذ بحرِ سیاست کے شناور ہیں لیکن درسِ حدیث کے دوران سیاسی ابحاث سے صرفِ نظر کیے رکھتے ہیں۔

☆ حضرت الاستاذ حدیث پڑھاتے وقت صاف آواز اور بھرپور واضح لہجے سے گفتگو فرماتے ہیں تا کہ ذہین طلباء بھی مستفید ہوں اور متوسط درجہ کے طلباء بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ بعض اوقات انداز خطیبانہ، لہجہ جلال آمیز ہو جاتا ہے مگر طلبہ کے لئے ان کی گفتگو اور لب ولہجہ کے ہر زیر و بم سے جمال ہی جمال ٹپکتا ہے۔

☆ حضرت الاستاذ کے ہمہ جہت مشاغل، سیاسی مصروفیات، ہجوم افکار، کثرتِ کار اور مسلسل اسفار کے باوصف صبح وشام قال اللہ وقال الرسول میں گذرتے ہیں۔ درس وتدریس ہی ان کی زندگی کا عنوان ہے۔ آپ علم کے لئے وقف اور علم میں فنا ہیں اس لئے طالبانِ علومِ نبوت کو بھی دورانِ درس یہی سبق دیتے ہیں کہ علم کے پڑھنے پڑھانے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو اور حصولِ علم کے لئے مشکلات اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔

☆ حضرت الاستاذ کے سر کا سودا نازشِ دوران محمد عربی ﷺ کی ذات ہے۔ عشقِ رسول ﷺ ان کی متاعِ حیات ہے اسی محبت اور وارفتگی نے ان کو سرورِ کائنات کی بات (حدیث) پر فریفتہ کر دیا ہے۔ آپ میں حب نبوی ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ دارالحدیث میں بیٹھ کر جب قال الرسول ﷺ پڑھاتے ہیں تو اپنے عظیم والد کی طرح یوں لگتا ہے گویا نبی کریم ﷺ کی اداؤں پر نچھاور ہو رہے ہیں۔

ہمارے زمانۂ طالب علمی میں حضرت الاستاذ جیسے ہی دارالحدیث میں تشریف لاتے میں ان کے ذوق، عشقِ رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے گنگنانے لگ جاتا۔

کب تک آخر یورشِ افکار کی باتیں کریں

آؤ اب کچھ دیر بزمِ یار کی باتیں کریں

☆ درس وتدریس کے پہلو بہ پہلو باطل اور گمراہ فرقوں کے باطل نظریات، ہفوات اور شکوک وشبہات کے ردّ و ازالے کی طرف بھرپور توجہ رہتی ہے اور یہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے یہ دور نبح کل کلب من کل زاویة وزرأ کل اسد من کل اجمة و ضبح کل ثعلب من کل تلعة

(ہرگلی سے کتا بھونکتا ہے ہر جھاڑی سے شیر دھاڑتا ہےاور ہر ٹیلے سے لومڑی آواز لگاتی ہے) کا ہے کہیں منکرین قرآن ہیں، کہیں منکرینِ حدیث ہیں، کہیں منکرین صحابہؓ ہیں اور کہیں منکرینِ فقہ وفقہاء ہیں ،کہیں منکرینِ ختم نبوت ہیں اور کہیں منکرین نظامِ شریعت ہیں۔ استاذِ مکرم تحریر وتقریر کی طرح ہر درس میں بھی ان تمام فتنوں کا تعاقب کرتے ہیں مگر بایں ہمہ مخاطب خواہ کوئی ہو اور موضوع جس انداز کا بھی ہو، آپ کا کوئی درس، علمی متانت سے عاری نہیں ہوتا آپ کی ہر تحقیق اور ہر درس پختگی ورزانت میں مستحکم ہوتا ہے۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

۱۹ر رجب المرجب ۱۴۳۳ھ / ۱۰ر جون ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔

اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے ہر قسم کی ستائش اور تمام خوبیاں، اس لئے کہ وہی تمام عالموں کا تربیت کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ کسی بھی مخلوق (خواہ ذی عقل ہو یا غیر ذی عقل) میں اگر کوئی ظاہری یا معنوی کمال اور حسن وخوبی نظر آئے، وہ بھی اس ہستی پاک اور اسی ذات بابرکات کی عطا کردہ اور اسی کی مرہون منت ہے۔ پس تمام خوبیاں اسی کیلئے ہیں ....

حمد را با تو نسبتے است درست   بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تُست

اسی رب العلمین نے تمام عالم کی روحانی اور معنوی تربیت کیلئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کی تعلیم وتنفیذ کیلئے انبیاء ورسل کا سلسلہ جاری رکھا اور آخر میں اپنے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنی آخری کتاب ''تنزیل رب العلمین'' کو عالمگیر قانون اور ابدی ضابطۂ حیات کی حیثیت سے نازل فرمائی اور اپنی اس مقدس کتاب میں جناب سید الرسل علیہ وعلیہم افضل الصلوات والتسلیمات کو رحمۃ للعلمین اور خاتم النبیین کے امتیازی القاب سے نوازا۔

''رحمۃ للعلمین'' عالمگیریت؛ کی سند اور ''خاتم النبیین'' ابدیت کی ضمانت ہے۔ پس جناب رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کیلئے عالمگیر پیغام کے علمبردار تھے اور آپؐ کی تعلیمات کا مقصد تمام انسانیت کو بھلائی کے راستے پر ڈالنا، انہیں ایک امت بنانا اور ایک عالمی اخوت کے رشتے میں انہیں منسلک کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے عقیدۂ توحید باری تعالیٰ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پس اسی عقیدہ کو مرکز ومحور قرار دے کر تمام انسانوں کو ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دی اور یہ نعرہ لگایا:

یأیھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا اے لوگو! **لا الٰہ الا اللّٰہ** کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔

شرک اور بت پرستی کی سختی کے ساتھ تردید کی، پتھر کے سارے بت توڑ دئے اور ساتھ ہی قومیت، وطنیت، ذات پات، زبان اور رنگ ونسل کے سارے امتیازات اور معیارات کو باطل قرار دیا کیونکہ ان معیارات کی بنیاد پر کبھی بھی عالمگیر معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کی بنیاد پر وحدت قائم ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ چیزیں انسانیت کومختلف گروہوں اور مختلف طبقات میں تقسیم کرتی ہیں اور انسانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کی دیوار کھڑی کرتی ہے۔اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ان غلط معیارات کی جڑ کاٹ کر ساری دنیا کو یہ پیغام سنایا کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ قبیلے اور خاندان فخر ومباہات کیلئے نہیں بلکہ تعارف اور پہچان کیلئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔

جس طرح کہ عالمگیر معاشرہ کے قیام کیلئے اس قسم کے مستحکم اور پختہ اصول لازمی ہیں اس طرح اسکی بقاء اور اس کی خوشحالی کیلئے زرین تعلیمات ناگزیر ہیں اور معاشرہ کی خوشحالی اور اسکے امن وامان کیلئے اصل چیز اخلاق کی درستگی ہے۔پس جناب رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کی درستگی پر زور دیا اور فرمایا: ”انی بعثت لأتمم مكارم الأخلاق“ بے شک میں بہترین اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔اور یہ صرف ایک دعوی نہیں تھا بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اور اپنی تعلیمات سے اس کی بہترین مثال قائم فرمائی اور تھوڑی سی مدت میں دنیا کا نقشہ بدل دیا۔بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا شعلہ بھڑکا، للّٰہیت کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہے اور درو دیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے اس طرح بعثت محمدی ﷺ کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوگئی۔یہ انقلاب عظیم رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعٰلمینی کا کرشمہ ہے۔حفیظ تائب نے کیا خوب کہا ہے ....

خوشبو ہے دو عالم تیری اے گلِ چیدہ — کس منہ سے بیاں ہوں تیرے اوصاف حمیدہ
سیرت ہے تیری جوہر آئینہ تہذیب — روشن تیرے جلووں سے جہانِ دل و دیدہ

تو روح زمن رنگ چمن ابر بہاران — تو حسن سخن شان ادب جانِ قصیدہ
تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئیگا جہاں میں — دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
مضمر تیری تقلید میں عالم کی بھلائی — میرا یہی ایمان ہے یہی میرا عقیدہ
اے ھادی برحق تیری ہر بات ہے سچی — دیدہ سے بھی بڑھکر ہے تیرے لب سے شنیدہ

الغرض حسب ارشاد "انما بُعثت معلمًا" کہ میں تو سکھانے والا بھیجا گیا ہوں، تعلیم اور سکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ نہیں مگر اس سے متعلق نبی کریم ﷺ کی زرین تعلیمات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، جس پر بڑی بڑی اور ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں اور مزید بھی لکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک فرمایا کہ :"انی ترکتکم علٰی شریعة بیضاء لیلها و نها رها سواء"۔یعنی میں تم کو شریعت کے ایسے واضح اور روشن شاہراہ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اس کی رات اور دن برابر ہے، یعنی کسی وقت بھی بھٹک جانے کا خطرہ نہیں ہے۔

ابواب البر والصلۃ بھی تعلیماتِ نبوی ﷺ کے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جو کہ انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے حقوق، رہن سہن اور معاشرت کے آداب اور اخلاقِ حسنہ کے ابحاث پر مشتمل ہے۔ استاذی المحترم شیخ المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ جامع السنن للترمذی کے درس کے دوران اِن مباحث کو خصوصیت اور اہتمام سے پڑھایا۔ آپ کے دروس ریکارڈر میں محفوظ ہوتے رہے، اللہ پاک نے مجھے توفیق بخشی، اللہ کے فضل و کرم سے احقر انہیں ٹائپ ریکارڈر سے نقل کرتا رہا، جواب ایک عظیم اور ضخیم کتاب کی صورت میں مرتب ہوکر منظر عام پر آرہے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل ابواب الاطعمہ کے درسی افادات کو مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا مفتی مختار اللہ نے مرتب کیا جو "اسلام کے نظامِ اکل وشرب" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح استاذ مکرم کے شمائلِ ترمذی کے درسی تقاریر کو شیخ الحدیث مولانا اصلاح الدین حقانی نے مرتب کیا، جو زین المحافل کے نام سے دوجلدوں میں شائع ہوئے۔ بہرحال پیش نظر افادات جس میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوقِ ہمسائیگی، بڑوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر رحمت وشفقت، بہنوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت، بیوی اور بچوں کی پرورش اور سرپرستی، یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری، ضعیفوں اور بے کسوں کے ساتھ

ہمدردی' غلاموں اور خادموں سے لطف اور نرمی' مریضوں کی عیادت' مصیبت زدہ کی مدد اور ان سے تعاون' عام لوگوں کے ساتھ رحمدلی' آپس میں محبت اور اخوت' نیز سلام کو عام کرنا' مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا' عفوو درگزر سے کام لینا' عہد کی پابندی کرنا' سخاوت اور مہمان نوازی اپنانا' اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا' سچ بولنے کی عادت بنانا، الغرض ہر قسم کی خوش اخلاقی اور حسنِ معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے اور ان اوصافِ حسنہ کی فضائل اور ان پر مرتب اجروثواب کے تذکرے کئے گئے ہیں۔

اس کے برعکس ماں باپ کے عقوق اور نافرمانی، قطع رحمی اور بے تعلقی، ظلم اور بے انصافی، دھوکہ و فریب، خیانت اور بددیانتی، جھوٹ اور بدگوئی، غیبت اور الزام تراشی، بغض وحسد، بخل اور حرص، تکبر اور غرور......غرض ہر قسم کی بدمعاشی اور اخلاقی برائی بیان کی گئی ہے اور ان بداعمالیوں کے دُنیوی اور اُخروی نقصانات سمجھانے پر زور دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان ان اخلاق وآداب کو سیکھ کر اس پر عمل کرنے لگے تو اس کی زندگی حیاتِ طیبہ بن جائے گی اور دُنیوی زندگی ہی میں جنت کا لطف ومزہ محسوس کرے گا۔ گھر میں تلخی و پریشانی ختم ہو جائے گی اور پورے مسلم معاشرہ میں کوئی بھی اس کا دشمن نہ رہے گا اور وہ ہر کسی کو محبوب ہوگا۔ اگر اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کی ثواب کی اُمید اور صبر پر دی گئی بشارتیں اس پر وہ تکلیف آسان بنادیتی ہیں اور اگر اسے کوئی خوشی، دولت اور عزت مل جائے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر شکر گزار بن جاتا ہے اور تکبر وغرور کی لعنت سے محفوظ رہتا ہے اور اس طرح وہ دنیاوآخرت کی کامیابی اور سرفرازی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اس لئے ان اخلاق وآداب کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے دینی واخلاقی طور پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات کو اچھی طرح سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ (آمین)

عبدالمنعم

خادمِ دارالافتاء

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

ابواب البر وا لصلة عن رسول اللہ ﷺ

(والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ) حسن سلوک اور صلہ رحمی کے ابواب

منقول از آقائے نامدار سردار دو جہان محمد رسول اللہ ﷺ

ربط ابواب: جسمانی غذا کے بعد معنوی اور اخلاقی غذا:

ابواب الاطعمہ اور ابواب الأ شربہ کے بعد امام ترمذیؒ وہ ابواب لانا چاہتے ہیں جن کا تعلق بر، نیکی، صلہ رحمی اور حسن خلق کے ساتھ ہے۔

(۱) جب طعام اور شراب پر جسمانی زندگی اور حیات کا مدار ہے اور اسکے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی، اسی طرح انسان کی روحانی ومعنوی زندگی اور انسانیت کے لئے مابہ الامتیاز صفات کے بغیر بھی زندگی ممکن نہیں ان صفات کا ذکر اکل وشرب سے زیادہ اہم ہے ان صفات کی وجہ سے انسان انسان ہے اور اشرف المخلوقات ہے۔ امام ترمذیؒ ان ابواب کو بیان کرتے ہیں۔

(۲) گویا ماقبل ابواب میں طعام وشراب یعنی ظاہری وجسمانی خوراک کا بیان تھا اور یہاں معنوی غذا اور روحانی واخلاقی طعام وشراب کا ذکر ہے۔

(۳) ماقبل ابواب کا تعلق خَلق یعنی ظاہری جسم کے ساتھ تھا اور ان ابواب کا تعلق خُلق (باطنی صفات) کے ساتھ ہے جس طرح جسمانی تربیت اور نشو ونما میں گزشتہ ابواب الاطعمہ والأ شربہ میں دیئے گئے آداب و ہدایات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح خُلق اور اخلاق میں یہاں بیان کردہ ہدایات کو سامنے رکھنا ایک

مہذب انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔

برّ وصلہ کا لغوی معنی :

براور صلہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں بر بکسر الباء کے معنی احسان اور کسی کے ساتھ نیکی کرنا اور صلہ کا معنی بھی کسی کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے بر کا تعلق بھی غیر کے ساتھ ہے اور صلہ کا تعلق بھی غیر کے ساتھ ہے۔البتہ بر باء کے زبر کے ساتھ اور بار کا معنی ایک ہے بر کی جمع ابرار ہے اس لفظ کا استعمال اکثر اولیاء اللہ اور زہاد کیلئے ہوتا ہے۔ **کما فی قوله تعالیٰ: اِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ٥**

البتہ یہاں خاص معنی مراد ہے برالوالدین یعنی والدین کے ساتھ نیکی کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وبراً بوالديه** (الاية) یعنی بالخصوص جو نیکی والدین کیساتھ کی جائے اس کو بر کہا جاتا ہے اور اسی کو احسان بالوالدین کہا جاتا ہے اس کے مقابل میں عقوق الوالدین ہے یعنی والدین کی نافرمانی کرنا تو گویا والدین کے ساتھ احسان کرنا **بــــر** ہے، اوران کی نافرمانی کرنا ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا عقوق ہے۔ان کے حقوق کا خیال رکھنا بر ہے اور انکے حقوق کو ضائع کرنا عقوق ہے تو بر خاص ہے والدین کیساتھ اور صلہ عام ہے چاہے والدین ہوں یا رشتہ دار اور جملہ ذوی الارحام انکے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کا نام صلہ ہے۔

۱ : باب ماجاء فی برّ الوالدین

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا بیان

حَدَّثَنَا بُنْدَارُ حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ سَعِيدٍ حدثنا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ : قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ ۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَبَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ هُوَ ابْنُ مُعَاوِيَةَ بْنُ حَيْدَةَ الْقُشَيْرِيُّ وَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ وَ هُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَرَوَى عَنْهُ مَعْمَرٌ وسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ .

ترجمہ: بھز بن حکیم اپنے باپ حکیم سے وہ اس (بھز) کے دادا (معاویہ بن حیدۃ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ: میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ پھر کس کے ساتھ نیکی کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ تو آپؐ نے پھر کہا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے کہا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو آپؐ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ پھر اقرب فالاقرب (یعنی جو دوسروں سے زیادہ قریب ہو پھر جو اس کے بعد زیادہ قریب ہو اس) کے ساتھ۔

اس باب میں حضرت ابوھریرۃ، عبداللہ بن عمرو، عائشہؓ ابوالدرداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایات مروی ہیں۔

سندی بحث :

وقد تکلم شعبة فی بهز بن حکیم وهو ثقة عنداهل الحدیث ...... الخ .

بھز بن حکیم کا بیٹا معاویہ بن حیدہ القشیری ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شعبہ نے بھز بن حکیم میں کلام کیا ہے حالانکہ وہ محدثین کے ہاں ثقہ ہیں ان سے معمرؒ، سفیان ثوریؒ، حماد بن سلمہؒ اور بہت سارے ائمہ نے روایت کی ہے۔

بھز بن حکیمؒ کے بارے میں شعبہ نے کلام کیا ہے ابو حاتمؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **لا یحتج به** اور امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ محدثین کا ان کے بارے میں اختلاف ہے مگر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بھز بن حکیم ثقہ راوی ہے اس لئے کہ ان سے معمرؒ، سفیان ثوریؒ، حماد بن سلمہؒ اور بہت سارے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔

اسی طرح ابن مدینیؒ، یحییٰ بن سعید القطان، اور امام نسائی نے اس کی توثیق کی ہے ابن عدیؒ فرماتے ہیں: میں نے اس کی کوئی روایت منکر نہیں دیکھی اور میں نے ثقات میں سے کسی کو اس سے روایت کرنے میں اختلاف نہیں دیکھا۔ اور امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ میرے نزدیک بھز ثقہ ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت :

امام ترمذیؒ نے اھم فالاھم ذکر کرنے کی خاطر حقوق العباد میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے بعد شریعت مقدسہ کی نظر میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں برالوالدین اور ان کے ساتھ احسان کرنے کو اپنے حقوق کے ساتھ متصل ذکر کیا ہے اور دیگر انسانوں اور عباد کے حقوق پر ان کے حقوق کو مقدم رکھا ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث صحیحہ میں جناب رسول اللہ ﷺ نے گناہ کبیرہ کی فہرست میں ان کے عقوق اور نافرمانی کو اشراک باللہ کے بعد ذکر کر کے اس کی قباحت کو واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا شکریہ ادا کرنے کے بعد والدین کی شکر گزاری کا حکم دیا ہے۔

اَنِ اشْکُرْلِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ۔ (الایۃ)

کہ میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر گزار بنو۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا o وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا.(بنی اسرائیل : ۱۷، ۲۳)

’’تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب کی بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو اور کہو اے میرے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما‘‘۔(سورۃ الاسراء: ۱۷، ۲۳)

لہٰذا قرآن کریم نے حقوق العباد میں سے کسی اور چیز کو اتنی اہمیت نہیں دی ہے جتنی اہمیت حقوقِ والدین کو دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد والدین اولاد کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

محسن کائنات :

کائنات کا سب سے بڑا محسن اور منعم حقیقی اللہ جل شانہ ہے کہ انہوں نے کائنات کو پیدا فرمایا تو سب سے اول ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور پھر والدین کا کیونکہ انہوں نے آپکی پرورش کی وہ آپکی تخلیق کا ذریعہ بنے ہیں' تو مخلوق کے اندر گویا وہ آپ کے خالق مجازی ہیں' مخلوقات میں سے جتنے محسن والدین ہیں اتنا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

محسن روحانی ﷺ کی وجہ سے تمام احسانات کی تکمیل :

نبی کریم ﷺ تمام کائنات کے محسن معنوی اور محسن روحانی ہیں' مخلوق میں آپ ﷺ ہی محسن اعظم ہیں اور آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔

دنیا کے یہ تمام محسنین درحقیقت انسان کی تباہی وہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں جب تک نبی کریم ﷺ کا احسان ہدایت ایمانی شامل نہ ہو جائے استاد بھی محسن ہیں کہ تمہیں سائنس وٹیکنالوجی' فلسفہ کی تعلیمات دیتے ہیں لیکن اگر اس میں دین ملحوظ نہ رہا تو تمہیں یہ تعلیم جہنم پہنچا دے گی۔ اسی طرح والدین نے تمہاری جسمانی پرورش کی خوب کھلایا پلایا جس سے تمہارا جسم پھلا پھولا لیکن دینی تعلیم سے محروم رکھا ایمان کی

دولت نہ دی تو تمہیں خوب موٹا تازہ بنا کر جہنم کے ایندھن بنا دیں گے۔اسی طرح کسی والدین نے دولت چھوڑی، تمہیں بہت مال و دولت دی جس کی وجہ سے تم نے عیاشیاں شروع کیں اس مال سے صدقات وخیرات نہ دیئے تو وہ احسانِ مال بھی تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہے۔لیکن جب اس میں ایمان کی دولت شامل ہوئی تو ان نعمتوں کی تکمیل ہوئی: وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (الایة)

تو ایمان نے ان سب اشیاء میں روح پیدا کی اور انہیں حقیقی نعمت بنایا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ . (الایة)

”اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ ان کو انہیں میں سے رسول بھیجا جو کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے“۔

الغرض تمام اشیاء سببِ ہلاکت ہو جاتے ہیں لیکن جب ایمان آجائے تو سبب نجات بن جاتے ہیں :

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ أَبَرُّ

بھز بن حکیم دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ میں سب سے زیادہ احسان کس کے ساتھ کروں؟ قَالَ اُمَّكَ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ ؟ پھر کس کے ساتھ احسان کروں قَالَ اُمَّكَ کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ اُمَّكَ کہ اپنی ماں کے ساتھ' سائل نے تین بار سوال دھرایا اور آپ ﷺ نے ہر بار ماں کے ساتھ احسان کرنے کا ارشاد فرمایا۔چوتھی بار جب آپ نے عرض کیا: ثُمَّ مَنْ ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا : اَبَاكَ کہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی اور احسان کرو ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ. (پھر اسکے بعد جو زیادہ قریب ہو اس کے ساتھ احسان کرو)

ماں اور باپ کے حقوق میں زیادہ اہمیت کس کی ہے :

اس روایت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ماں کے حقوق باپ سے تین گنا اہم ہیں

اس لئے کہ والدہ نے پرورش میں بہت زیادہ تکالیف اٹھائی ہیں' کافی صعوبتیں برداشت کی ہیں مثلاً (۱) صعوبتِ حمل (۲) صعوبتِ وضعِ حمل' (۳) صعوبتِ رضاعت وغیرہ' دوڈھائی سال والدہ بچے کے ساتھ شب خیزی کرتی ہے اس کے بول و براز کو صاف کرتی ہے اس کو دن رات دودھ پلاتی ہے تو والدہ چونکہ ان تکالیف میں متفرد ہے باپ اس میں شریک نہیں ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تین بار اس کے حقوق اور اہمیت کا ذکر کیا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے تثلیث کا ذکر ان امور کی وجہ سے جو ماں کے ساتھ خاص ہیں یعنی حمل کی مشقت' وضعِ حمل کی مشقت اور رضاعت کی مشقت۔ لیکن راجح بات یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں اولاد کے لئے مساوی حیثیت رکھتے ہیں دونوں کی قدر و قیمت ایک ہے۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ والدین کو ایک دوسرے پر ترجیح دینا نہیں چاہتے۔ مگر یہاں آپ ﷺ کا تینوں بار أُمَّکَ کہنا سوال کرنے والے کے حالات کی وجہ سے تھا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار کو مرض کے مطابق نسخہ دیا کرتے تھے تو شاید کہ سائل اپنی ماں کے حقوق میں بے پرواہی کرتا تھا اس لئے اس کے تین بار سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے أُمَّکَ ارشاد فرمایا ہے۔ اکثر لوگ والدہ (ماں) کو بے سروسامان اور بے پرسان چھوڑ دیتے ہیں اس کا پوچھتے تک نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے ماں کے ساتھ احسان کرنے پر زور زیادہ دیا ہے اور اہتمام کے ساتھ تینوں مرتبہ أُمَّکَ، أُمَّکَ، أُمَّکَ فرمایا۔

موجودہ معاشرہ اور ماں کے ساتھ بے اعتنائی :

اس معاشرے میں بھی جب لڑکا شادی کر لیتا ہے تو پھر والدہ کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے لگتا ہے اور والد کے ساتھ جڑا رہتا ہے اس لئے کہ یہ باپ کا محتاج ہوتا ہے اس سے ڈرتا ہے باپ کے میراث اور اس کی دولت پر نظر ہوتی ہے اور یہ ڈر بھی رہتا ہے کہ اگر باپ کے ساتھ زیادتی کی تو گھر سے نکال دے گا۔ اگر گستاخی کی تو پیسے نہیں بھیجے گا تو ان ضروریات کے تحت باپ کی ناراضگی سے بچتا رہتا ہے خودغرضی کی وجہ سے نافرنی نہیں کرتا۔ ماں چونکہ ضعیف البنیان ہوتی ہیں اور صاحب کی بیگم صاحبہ گھر آئی ہوئی ہے تو اب ماں کی کیا اہمیت باقی ہے؟ دوسری طرف بیوی کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اس کو (ماں کو) گھر سے نکالو آج کل

تقریباً ہر گھر میں ساس اور بہو کا تنازع ہے ان کی آپس میں جنگ وجدل کا بازار گرم ہے بیٹا اکثر بیوی کا غلام ہوتا ہے، تو وہ بیوی کے کہنے پر ماں پر ظلم وزیادتی کرتا ہے اس کے حقوق کو صحیح ادا نہیں کرتا' تو رسول اللہ ﷺ کو اندازہ تھا کہ یہ صحابی ماں کے حقوق کی ادائیگی میں سرد مہری سے کام لیتا ہے تو اس کے مرض اور بیماری کا یہی نسخہ تجویز کر دیا ہے۔

والد کی مشقتیں :

ماں باپ کے مابین فرق نہیں کرنا چاہیے اگر والدہ بچے کی پیدائش' حمل اور اس کی رضاعت کے شدائد میں متفرد ہے تو باپ دوسری مشقتوں اور محنتوں میں متفرد ہوتا ہے بچوں کی ماں سے شادی کرنے کیلئے کئی سالہا سال تک محنت مزدوری اور مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ گھر بار سے کئی سالوں تک باہر سعودیہ' دوبئی اور یورپی ممالک میں سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہے بعض علاقوں میں تو عورتیں فروخت کی جاتی ہیں تو یہ مرد ہزاروں لاکھوں کی فراہمی کے لئے سالہا سال محنت کرتا رہا شادی ہوگئی تو دو دن بعد بیوی نے گھر کے نان ونفقہ کا مطالبہ شروع کیا تو بیچارا سرورُ شھرٍ یعنی ایک ماہ کی لذت بھی صحیح طریقے سے نہیں پا سکا۔

نکاح کی کہانی ایک اعرابی کی زبانی :

حضرت علیؓ نے کسی اعرابی سے پوچھا کہ مَاذَالنِّکَاح؟ نکاح (شادی) کیا چیز ہے؟ تو اس نے جواب دیا سُرُوْرُ شَهْرٍ ایک ماہ کی خوشیاں ہیں' ہنی مون مناتا ہے پیار ومحبت ہوتی ہے۔ تو آپؓ نے فرمایا: ثُمَّ مَاذَا؟ تو انہوں نے عرض کیا: لُزُوْمُ مَهْرٍ کہ مہینہ بعد عورت کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور مطالبے شروع ہو جاتے ہیں کہ مہر ادا کرو' پھر آپؓ نے فرمایا: ثُمَّ مَاذَا؟ تو اعرابی نے عرض کیا: هُمُوْمُ دَهْرٍ کہ پوچھو مت پھر ساری زندگی کا غم ہے موت تک محنت ومزدوری سے جان نہیں چھوٹے گی' اس لئے کہ شادی کے بعد جب بچے پیدا ہو جائیں تو ان کی تعلیم وتربیت ان کے کھانے پینے ان کی شادی وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں باپ پر لازم ہیں تو باپ ان سارے مشقتوں میں متفرد ہے' والدہ دو ڈھائی سال کی تکلیف برداشت کرتی ہے تو باپ کیلئے بھی یہ عمر قید کے برابر ہے۔ کسی نے شادی کے متعلق خوب کہا کہ "چند دنوں کا شوق ہے پھر گلے کا طوق ہے"۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: ثُمَّ مَاذَا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ کَسُوْرُ ظَهْرٍ کمر ٹوٹنا ہے،

کہ مشقتوں سے اور بوجھ اٹھا اٹھا کر پیٹھ اور کمر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا : ثُمَّ مَا ذَا؟ پھر کیا ہوگا تو اس نے عرض کیا کہ دُخُوْلُ قَبْرٍ کہ آخرکار ایسی زندگی تمہیں قبر میں داخل کردے گی تو باپ کتنے تکالیف اور مشکلات اٹھانے میں اکیلا ہے تو اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق نہیں کرنا چاہیے۔

لہٰذا اگر کوئی باپ کا خیال نہیں رکھتا تو استاذ پیرومرشد اور طبیب وغیرہ دوسرے محسنوں کا کیسے لحاظ رکھ سکے گا کہ جن کا حق زیادہ ہے ان کا خیال نہیں تو اوروں کا کب شکرگزار ہو سکے گا۔ والد کو اوسط ابواب الجنۃ کہا گیا ہے یعنی وہ جنت کا مختصر اور آسان دروازہ ہے اور دونوں مصرعین ہیں یعنی ماں باپ جنت کے دو دروازوں کی دہلیز ہیں۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ باپ کا حق اعظم اور زیادہ ہے تو صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے پوچھا کہ مَنْ اَبَرُّ ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: أُمَّکَ أَیْ بر امک تو یہاں بَرّ محذوف ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک زیادہ کرنا چاہیے اور باپ کی تعظیم زیادہ کرنی چاہیے یعنی باپ کے ساتھ تعظیم کے جملہ آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے مثلاً اگر باپ کے ساتھ مجلس میں بیٹھا ہو تو اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، چارپائی میں اس کے سرہانے نہ بیٹھے اور ماں کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب یہ ہے کہ خدمت میں ماں کو مقدم رکھا جائے۔

حضرت اویس قرنیؒ کو والدہ کی خدمت کا صلہ :

ماں کی خدمت سعادت ہے انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے مگر آپؐ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تھا، ان کو آپ ﷺ کی زیارت کا بڑا شوق تھا لیکن ادھر ماں کی خدمت سفر سے مانع تھی اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں ان کو میری خدمت کی اشد ضرورت ہے میں کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ میری زیارت کے لئے مت آؤ، اپنی والدہ کی خدمت کرو، چنانچہ آپؒ نے نبی کریم ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے کو سعادت سمجھا اور زیارت کا ارادہ ترک کیا اور آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور آپؒ حضور ﷺ

کی زیارت نہ کر سکے۔

والدہ صاحبہ کی خدمت کا یہ صلہ ملا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ یمن کے علاقے قبیلہ مراد کے ایک شاخ قرن سے ایک صاحب اویس بن عامر آئے گا اس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ برص کے مرض سے بیمار تھے' اب وہ اس بیماری سے صحت یاب ہوئے ہیں مگر ایک درہم کی جگہ رہ گئی ہے' اس کی والدہ ہے وہ اس کے ساتھ احسان کرنے والا ہے' وہ ایسا آدمی ہے کہ اگر وہ کسی امر سے متعلق اللہ تعالیٰ پر قسم کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھدے گا۔ اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ وہ تیرے لئے مغفرت کی دعا کرے تو یہ کام ضرور کرو۔ چنانچہ یمن سے جو قافلہ آتا حضرت عمرؓ اس کا استقبال کرتے اور حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں دریافت کرتے اَفِیْکُمْ اُوَیْسُ بن عَامِرٍ؟ کیا تم میں اویس بن عامر موجود ہے؟

آخر کار ایک قافلہ میں اویس قرنیؒ تشریف لائے' حضرت عمرؓ نے ان کا استقبال کیا پھر حضرت اویس قرنیؒ کا پتہ لگایا' اور کہا کہ تو اویس بن عامر ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ علامتوں کو ایک ایک کرکے پوچھا' سب علامتیں ان میں موجود تھیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے وہ ارشاد ذکر کیا جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ چنانچہ آپؓ نے ان سے اپنے لئے دعاء مغفرت کرنے کی درخواست کی کہ آپؒ میرے حق میں دعا فرمائیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ جب قرن سے اس حلیہ والے صاحب مدینہ منورہ آئیں تو ان سے اپنے لئے دعا کروانا' اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے گا یہ سن کر حضرت اویس قرنیؒ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ کا کدھر جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کوفہ جا رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! کوفہ کے گورنر کو آپ کے لئے خط لکھوں؟ (تا کہ وہ آپ کا اعزاز کرے اور خوب ٹھکانہ دے) تو انہوں نے کہا کہ میں غریب اور گمنام لوگوں میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ یہ تھا والدین کی خدمت کا صلہ کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسی عظیم شخصیت اور بڑے بڑے رتبے کے صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے ایک تابعی (اویس بن عامرؒ) سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرانے کی وصیت فرمائی۔

☆

۲ : باب منه

ایک اور باب جو کہ والدین کے ساتھ احسان کے قبیل سے ہے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حدثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ،سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ ؟قَالَ الصَّلَاةُ لِمِيقَاتِهَا، قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قال قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ سَكَتَ عَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي هَذاحَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

و قد رواه الشيباني وشعبة و غير واحد عن الوليد بن العيزار وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن ابی عمرو الشیبانی عن ابن مسعود وابو عمرو الشيباني اسمه سعدبن اياس.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نماز اپنے اوقات میں ادا کرنا، میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ پھر کونسا عمل؟ آپؐ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر رسول اللہ ﷺ مجھ سے خاموش ہوئے اگر میں مزید پوچھتا تو آپ ﷺ بھی مزید بہترین اعمال کی نشاندہی فرماتے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس روایت کو شیبانی، شعبہ اور بہت سارے علماً نے ولید بن العیزار سے روایت کیا ہے، اس روایت کو ابوعمرو الشیبانی عن ابن مسعود سے دوسری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے ابوعمرو الشیبانیؒ کا نام سعد بن ایاس ہے۔

توضیح وتشریح :

یہ باب بھی برصلہ اور نیک اعمال سے متعلق ہے عبداللہ ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے

دریافت کرتے ہیں کہ ایّ الاعمال افضل ؟ کہ یارسول اللہ اعمال میں سے کون سا عمل زیادہ فضیلت والا ہے: العمل ! ماصدر من الانسان (جوانسان سے صادر ہو) کو کہا جاتا ہے اس کا تعلق چاہے قلب سے ہو یا زبان سے اور یا جوارح سے تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا الصلاۃ لمیقا تھا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی بہت اہمیت ہے یہ تو افضل الاعمال اور احب الاعمال ہے پھر والدین سے بھلائی ہے پھر جہاد فی سبیل اللہ احب اور افضل الاعمال ہے۔

افضل الاعمال کے بارے میں روایات کا تعارض :

لیکن اس روایت کا دوسری روایات کے ساتھ تعارض ہے اس لئے کہ بعض روایات میں دوسرے اعمال کو بھی افضل اور احب کہا گیا ہے جیسے حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ یارسول اللہ اَیّ عَمَلٍ خَیْرٌ کہ کونسا عمل بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَ جِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ تو اس روایت میں ایمان کے بعد جہاد کو بہتر عمل کہا گیا ہے اور اس کو خیر العمل قرار دیا گیا اور ابوسعید الخدریؓ کی روایت میں رَجُلٌ یُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وہاں مجاہد کو افضیلت دی گئی ہے اور یہاں کی روایت میں نماز کو فضیلت واہمیت دی گئی ہے تو ان روایات میں کیسے تطبیق کریں گے؟

تطبیق روایات :

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر سائل کے لئے ان کے احوال کی مناسبت سے جواب دیا کہ کون سی چیز اس کیلئے زیادہ ضروری ہے تو اسکی کیفیات و حالات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ہے۔ مثلاً ایک آدمی شب وروز نماز میں مشغول ہے اور دوسری طرف جہاد کا اعلان کیا گیا اور وہ جہاد کا نام تک نہیں لیتا تو عندالسوال تم اس کو کہو گے کہ جہاد اہم ہے اس لئے کہ وہ نماز میں تو ہر وقت مشغول رہتا ہے لیکن جہاد سے پہلوتہی کرتا ہے یا کوئی تبلیغی ہے کہ وہ ہر وقت تبلیغ ودین میں مشغول ہے لیکن جہاد کا نام تک نہیں لیتا تو دعوت الی اللہ کتنا ہی اہم کام ہے مگر اس کے حال کے مطابق تم اسکو کہو گے کہ جہاد افضل ہے۔

ایک وہ طالب علم ہے کہ وہ شب وروز عبادات میں مشغول ہے نمازیں بھی پڑھتا ہے تبلیغ بھی کرتا ہے سیاست بھی کرتا ہے اور جہاد میں بھی شریک ہوتا ہے مگر اپنا اصلی کام تعلیم وتعلم اور مطالعہ نہیں کرتا تو اگر وہ تم سے سوال کرے کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تم اس کو کہو گے کہ اللہ کے بندے تمہارے لئے تعلیم وتعلم اور کتابوں کا مطالعہ افضل ہے۔

اسی طرح ایک آدمی نماز میں کوتاہی کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہو جاتا کہ یہ آدمی نماز کا اہتمام نہیں کرتا تو آپ ﷺ نے اس آدمی سے یہ فرمایا کہ وقت کی پابندی کے ساتھ نماز افضل اور سب سے بہتر عمل ہے تاکہ اس کو نماز کی اہمیت معلوم ہو جائے جیسا کسی ڈاکٹر یا طبیب سے پوچھا جائے کہ طاقت کے لئے کونسا وٹامن زیادہ مفید ہے تو ڈاکٹر ہر ایک کے لئے ایک دوائی یا وٹامن تجویز نہیں کرے گا بلکہ کسی کو وٹامن اے بتائے گا کسی کو بی' کسی کو سی' اس لئے کہ پہلے ڈاکٹر اس شخص کی تشخیص کرے گا اور لیبارٹری سے رپورٹ لے گا تب طبیب وہ دوائی تجویز کرے گا۔ جس کی ضرورت اس کے بدن کے لئے ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ بھی اس امت کے روحانی طبیب تھے' ہر کسی کو وہ نسخہ تجویز فرمایا کرتے تھے جو اس کی حالت کے مطابق زیادہ اہم ہو اور اس آدمی کے لئے ضروری ہو' پس ہر دو روحانی پیشوا' مرشد اور مقتداء کو بھی اصلاح خلق کے لئے اس اصول کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ سارا نقشہ سامنے تھا تو آپ ؐ نے مناسب حال کے تحت جواب دیا۔

<u>دوسری توجیہ :</u>

وقت اور حالات کی ضرورت کے مطابق جواب دیا ہوگا مثلاً ملک میں جہاد ہو رہا ہو اور بادشاہ وامیر کی طرف سے نفیر عام کا اعلان ہو چکا ہو تو اس وقت مدرسہ' تبلیغ چھوڑ دو اور جہاد میں شریک ہو جاؤ اس لئے کہ اس وقت کا تقاضہ یہ ہے تو ایسے حالات میں جب کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ؐ نے جواب دیا کہ جہاد افضل ہے۔ اور عام حالات میں جب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز وغیرہ دوسری عبادات افضل ہیں۔

<u>تیسری توجیہ :</u>

تیسری بات یہ کہ خیر الاشیاء کذا کا مطلب یہ نہیں کہ یہ تفضیل ہے کہ ساری اشیاء پر افضلیت

آئی اور یہ سب سے اعلیٰ کام ہے اور باقی اس سے اجر وثواب میں کم ہیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ عمل بہتر عمل ہے' یعنی دین اسلام میں بہتری اور فضیلت والے اعمال بہت زیادہ ہیں ان جملہ میں سے یہ عمل (مثلاً نماز اپنے وقت پر) بھی ہے' تاہم اشخاص واحوال کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک عمل اور کبھی دوسرے عمل کی نشاندہی فرمائی ہے یعنی تفضیلی معنی مرادنہیں ہے بلکہ مطلق فضیلت مراد ہے۔

قال الصلاة لميقا تها : تو ہوسکتا ہے کہ یہاں سائل نماز پڑھتا تھا مگر اوقات میں لاپرواہی کرتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **الصلاة لميقا تها** کہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا۔

ثُمَّ مَاذَا يَارَسُوْلَ اللّٰه قَالَ بِرُّالْوَالِدَيْنِ ثُمَّ مَاذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یعنی نماز پڑھکر اولاً اللہ کے ساتھ اپنا تعلق درست کرو پھر بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور پھر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لو **ثم سكت عني رسو ل اللّٰه** ﷺ **ولوا ستزدته لزادني**' یعنی اس کے بعد رسول اللہ مجھ سے خاموش ہو گئے اور اگر میں اور سوالات کرتا تو ضرور رسول اللہ ﷺ مزید جوابات بھی دیتے اور میرے علم میں اضافہ ہوتا۔

☆

۳ : باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین

والدین کی خوشنودی کی فضیلت کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ لِيَ امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّي تَأْمُرُنِي بِطَلَاقِهَا فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ وَرُبَمَا قَالَ سُفْيَانُ إِنَّ أُمِّي وَرُبَمَا قَالَ أَبِي: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَبِيبٍ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ

میری ایک بیوی ہے جس کے بارے میں میری والدہ مجھے حکم دیتی ہیں کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے وہ فرمار ہے تھے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اسے گنوا بیٹھو اور چاہو تو اس کی حفاظت کرو۔سفیان نے کبھی کہا کہ میری ماں' اور کبھی کہا کہ میرا باپ۔

یہ حدیث صحیح ہے اور ابوعبدالرحمان السلمی کا نام عبداللہ بن حبیب ہے۔

توضیح وتشریح :

امام ترمذیؒ اس باب میں والدین کے ساتھ احسان' حسنِ سلوک اور نیکی کرنے کی اہمیت کو واضح کرنا چاہتے ہیں اور اس کے مثبت پہلو کو بیان کرر ہے ہیں کہ والدین کو راضی رکھنا کتنی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپؓ سے عرض کرنے لگا کہ میری ایک بیوی ہے میری والدہ مجھے اس بات کا حکم دیتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں' میری والدہ کو اپنی بہو پسند نہیں (ساس اور بہو کی رسہ کشی ہر دور میں چلی آرہی ہے اور انکے اختلافات تقریباً ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں) میں اس معاملہ میں آپؓ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں مجھے صحیح مشورہ اور شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔تو حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: سوچ لو میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے۔ چاہے اس کو اختیار کر کے جنت میں داخل ہو جاؤ یا اسکو ترک کر کے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔لہٰذا اگر آپ کی والدہ کا مطالبہ صحیح ہے اور وہ کوئی صریح زیادتی نہ کرتی ہو اور آپ اپنی منکوحہ میں وہ عیوب دیکھتے ہوں جسکی بناء پر تمہاری والدہ ناراض ہے تو پھر اپنی والدہ کی بات مان کر اس کو طلاق دے دو۔

جنت کا درمیانی دروازہ :

اوسط کے معنی ہے درمیان کے۔یہاں مراد اختصار (شارٹ کٹ) ہے کہ جنت کا آسان اور مختصر ترین راستہ والد کی رضا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک ہے۔رسول کریم ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم اس راستے کو استعمال کرو گے تو جنت تک جلد رسائی ہوگی۔اور اگر اس کو ضائع کرو گے تو پھر جنت میں پہنچنا

مشکل ہوگا۔اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حقیقی طور پر جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماں کی اطاعت اوراس کی اتباع میں جنت ہے۔

ایک اشکال کے جوابات :

یہاں یہ اشکال ضرور واقع ہوگا کہ سائل نے تو کہا تھا کہ ان امی تأمرنی الخ کہ میری ماں مجھے حکم دیتی ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔اور حضرت ابوالدرداءؓ نے جواب میں فرمایا کہ الوالد اوسط ابواب الجنة الخ کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے تو سوال وجواب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے۔

الجواب(۱) تو اس تعارض کا حل یہ ہے کہ یہاں والد سے مراد صرف والد نہیں بلکہ (من له وصف الولادة) جس میں پیدا کرنے کی صفت موجود ہو تو وصف ولادت جس طرح ماں کو حاصل ہے اسی طرح والد کو بھی حاصل ہے تو والد کا ذکر والدہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔جیسے عاذلہ کی دلالت عاذل پر۔متنبی کہتا ہے......

عَذْلُ الْعَوَاذِلِ حَوْلَ قَلْبِ التَّائِهِ وَهَوَى الْأَحِبَّة منه فِيْ سَوْدَ ائِهِ

جس طرح ملامت کرنیوالی عورت ہوتی ہے اسی طرح مرد بھی ملامت گر ہوسکتا ہے تو عواذل جس طرح عاذلة پر دال ہے تو اسی طرح عاذل پر بھی دال ہے کہ ملامت کرنے والا مرد ہو یا عورت مراد اس سے ملامت گر ہے یعنی جس میں صفت ملامت کرنے کی پائی جائے تو یہاں بھی الوالد سے مراد من له وصف الولادة مراد ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں والد تو عبارۃ النص سے ثابت ہوا اور والدہ دلالۃ النص سے ثابت ہوئی یعنی کہ جاؤ اور اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل کرو۔

(۳) ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احادیث مبارکہ میں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے بہ نسبت ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔اور ماں کے حسن سلوک پر زیادہ زور دیا گیا ہے،پس حدیث مذکور میں جب باپ کو جنت کا درمیانی دروازہ (یعنی دخول جنت کا آسان راستہ) کہا گیا تو ماں کا حکم اور اس کا مقام بطریق اولی معلوم ہوا کہ اس کی تو باپ سے بھی بڑھ کر خاطرداری ضروری ہے۔

(۴) اگر سفیانؒ کی روایت ان ابی یامرنی کو دیکھا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

حَـدَّثَـنَـا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا! کہ پروردگار کی خوشنودی اور رضا والد کی خوشنودی اور رضا میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی اور غصہ والد کی ناراضگی اور غصہ میں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرَ حدثنا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ هَذَا أَصَحُّ وَهَكَذَا رَوَى أَصْحَابُ شُعْبَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى عن أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَوْقُوفًا وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ شُعْبَةَ وَ خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ بِالْبَصْرَةِ مِثْلَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ وَلَا بِالْكُوفَةِ مِثْلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ. وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ.

سند کا ترجمہ:

ہمیں محمد بن بشارؒ نے روایت کی انہوں نے محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے یعلی بن عطاءؒ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن اس روایت کو انہوں نے مرفوع ذکر نہیں کیا، یہ زیادہ صحیح ہے، اسی طرح شعبہ کے تلامذہ نے ان سے اور انہوں نے یعلیؒ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے موقوفاً روایت کی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ خالد بن الحارثؒ کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے شعبہ سے یہ حدیث مرفوعاً روایت کی ہو اور خالد بن الحارث ثقہؒ اور مامونؒ ہے۔ میں نے محمد بن المثنی سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس جیسا (علم میں) کسی کو نہیں دیکھا اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت ہے۔

توضیح وتشریح :

رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد یعنی پروردگار کی رضااور خوشنودی باپ کی رضااور خوشنودی میں ہےاور پروردگار کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے'اس لئے والد کے احسانات وانعامات بلاواسطہ ہیں، یعنی باپ اپنے ہاتھ سے اولاد کو روٹی کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں لاکر دیتا ہےان کی ضروریات پورے کرنے کیلئے پیسے دیتا ہےاور بیٹا ہر وقت اس کو دیکھتا رہتا ہے اسے محسوس کرتا ہے جب بیٹے نے باپ کے احسانات کا پاس نہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کا کیسے پاس رکھے گا جو بلاواسطہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات عموماً دور دور کے وسائل اور اسباب کے راستے سے پہنچتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بندہ جب اپنے باپ کا فرمانبردار اور تابعدار نہیں بنا تو وہ میرا کیسا تابعدار اور فرمانبردار بنے گا کہ :

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ. (الحدیث)

جوانسانوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں بن سکتا۔

☆

٤ : باب ماجاء فی عقوق الوالدین

والدین کی نافرمانی کا بیان

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ: وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو بَكْرَةَ اسْمُهُ نُفَيْعٌ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرہؓ اپنے والد ابو بکرہؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ بیان نہ کروں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ (یعنی ضرور بیان فرمادیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ حالانکہ آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ بار بار اسی جملے کو دھراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ ﷺ سکوت فرمائیں۔

اس باب میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوبکرہؓ کا نام نفیع ہے۔

توضیح وتشریح :

ابواب البر والصلۃ میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اس بارے میں بیان ہوئے کہ والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد اور دیگر عبادات پر اہمیت اور ترجیح دی اور اس کو سب پر مقدم فرمایا۔ اب اس کا منفی پہلو بیان کیا جارہا ہے تو اس باب میں عدم بر یعنی والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانی کا جرم عظیم ہونے کا بیان ہے۔

(۱) العقوق : عق یعق بمعنی قَطِعَ یَقْطَعُ یعنی صلہ رحمی کا ٹنا اس کو قطع کرنا والدین کے ادب واحترام اور عظمت کو پامال کرنا وغیرہ سب عقوق میں داخل ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ اَلاَ اُحَدِّثُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اکبر الکبائر (یعنی جو گناہ سب سے بڑے ہیں) سے خبردار نہ کروں۔

بخاری شریف میں اس کیساتھ ثلاثا کا لفظ زیادہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی عادت کے مطابق تین بار اہتمام کیلئے اور سامع کو خبردار کرنے کیلئے اَلاَ اُحَدِّثُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ فرمایا تاکہ سامعین ہمہ تن گوش ہوکر آنے والا جملہ سن لیں۔

کبائر: کبیرۃ کی جمع ہے۔ کبیرہ کے معنی ہے بڑا گناہ۔

گناہوں کے اقسام:

جمہور علماءٔ اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں بعض کبائر ہیں اور بعض صغائر (یعنی بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ) البتہ ابواسحاق الاسفرائنیؒ فرماتے ہیں کہ گناہ سب کے سب کبیرہ ہیں ان میں کوئی صغیرہ نہیں اور ان کے تلامذہ بھی یہی کہتے ہیں کہ گناہ سب کے سب کبیرہ ہیں البتہ ان میں طبقات ہیں بعض زیادہ کبیرہ ہیں اور بعض اس سے کچھ کم اس لئے ان کو صغیرہ کہا گیا۔ یعنی جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے وہ اپنے سے بڑے گناہ کی نسبت سے صغیرہ ہے۔ فی نفسہ کوئی بھی گناہ صغیرہ نہیں ہے۔

کبائر کی تعداد :

اصل بات یہ ہے کہ کبائر کی کوئی تحدید نہیں بعض صغائر کبھی بعض حالات میں کبیرہ بن جاتے ہیں اگرچہ علماءِ اُمت نے کبائر کی تعداد پر بہت بسط کے ساتھ کلام کیا ہے۔

اس موضوع پر علامہ ذھبیؒ نے ایک کتاب لکھی ہے "کتاب الکبائر" اس میں انہوں نے ستر (۷۰) کبیرہ گناہوں کو ذکر کیا ہے۔ اور دیگر کئی علماءِ کرام نے بھی کبیرہ گناہوں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جس سے بعض نے سات سو تک کبیرہ گناہ شمار کئے ہیں۔ مگر یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ یہاں اکبرالکبائر کہنے سے حصر مراد نہیں کہ بس یہ تین اکبرالکبائر ہیں اور باقی نہیں ان تینوں کے علاوہ اور بھی کبیرہ گناہ ہیں جو دوسری روایات میں مذکور ہیں مثلاً حضرت انسؓ کی روایت میں قتل النفس کو اکبرالکبائر میں شمار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں پڑوسن کے ساتھ زنا کو بعض روایت میں یمین غموس کو بعض میں دوسرے افعال کو بھی اکبرالکبائر میں شمار کیا گیا ہے لہٰذا یہ الفاظ حصر کے لئے نہیں۔

(۱) **الاشراک باللّٰہ** : اشراک باللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ کو کسی بھی مخلوق کیلئے (خواہ وہ مخلوق مدر (ڈھیلا) ہو یا حَجَر (پتھر) ہو یا شجر (درخت) جن ہو یا بشر، کوئی مقرّب فرشتہ ہو یا برگزیدہ پیغمبر، کسی کیلئے بھی) ثابت کرکے ان کو اللہ کے ساتھ (صفات خاصہ میں) شریک کرنا یا ان کا پوجا پاٹ کرنا، بدنی اور مالی عبادات میں انکو اللہ تعالیٰ کا شریک اور حصہ دار قرار دینا جیسا عربوں میں عام دستور تھا۔ یہ سب سے بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود

اعلان فرمایا ہے : اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔ (الایہ)

یعنی اللہ تعالیٰ یہ جرم نہیں بخشے گا اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور بخشتا ہے وہ گناہ جو اس شرک سے کم درجے کا ہو، اس کیلئے جسے چاہے۔ پشتو زبان کا ایک مصرعہ اس مضمون کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے .... ؎

جانانه هر ناز به دِ یو سم　　په یارانه کښې دِ شریک نه قبلومه

ترجمہ : عاشق معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تیری ہر قسم کی ناز برداری کے لئے مستعد ہوں لیکن عشق میں کسی دوسرے رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا ہوں۔

۲۔ عقوق الوالدین :

دوسرا عقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی کرنا یہ وہ لفظ ہے جس کے لئے امام ترمذیؒ نے باب منعقد کیا ہے اور اسی وجہ سے حدیث اور ترجمۃ الباب کے مابین تعلق آ گیا ہے۔ عقوق عین کے ضمہ کے ساتھ عق سے مشتق ہے عق کا معنی قطع کرنا یعنی بیٹے کا والدین کے سامنے کوئی ایسی بات کرنا یا ان کے سامنے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے والدین کو تکلیف ہوتی ہو اور وہ اس پر ناراض ہوتے ہوں عقوق الوالدین میں داخل ہے۔ علامہ ابن عطیہؒ نے فرمایا ہے کہ مباح امور کے کرنے اور مباح کاموں کے ترک کرنے میں والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے اور مندوبات اور فرض کفایہ میں ان کی اطاعت کرنا مستحب ہے، البتہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت کے کاموں میں ان کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔ اسی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ لَاطَاعَةَ لِـمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (الحدیث) یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت اور فرمانبرداری جائز نہیں ہے اگر چہ وہ انکے والدین کیوں نہ ہوں۔

۳۔ شہادۃ الزور (جھوٹی گواہی)

ان اکبر الکبائر میں تیسرا شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی دینا ہے۔ شھد کے معنی ہے حاضر ہونا شاھد کو شاھد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس مشھود بہ واقعہ کے وقت حاضر ہوتا ہے اور اپنی آنکھوں سے اس کا مشاھدہ کرتا ہے نیز اس وجہ سے بھی اس کو شاھد کہا جاتا ہے کہ وہ قاضی کے سامنے خود حاضر ہو کر واقعہ کو بیان

کرتا ہے چنانچہ شاہد کا گواہی دینے کیلئے عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے کسی خط یا فون وغیرہ کے ذریعے شہادت کی ادائیگی نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے والے کو بھی شھید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے دین کی حقانیت پر اپنی جان دے کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کر دیا۔ نیز اس نے اپنے خون کے آخری قطرہ تک بہا کر یہ شہادت دی کہ میں جس بات پر جان کی قربانی دے رہا ہوں یہی بات حق ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔

حق گوئی کی ترغیب :

قرآن کریم اور دیگر احادیث میں حق گواہی کی بہت ترغیب آئی ہے : "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ آثِمٌ قَلْبُهٗ ...... الخ "اس کے مد مقابل جھوٹی گواہی ہے اسلام نے اس کو شھادۃ الزور سے تعبیر کیا ہے۔ تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شھادۃ الزور کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے پہلے بات کرتے ہوئے آپ ﷺ ٹیک لگائے تھے اور الاشراک باللہ اور عقوق الوالدین کو اسی حالت میں بیان فرمایا' پھر اہتمام کیلئے تکیہ کی ہیت بدل کر بیٹھ گئے اور بار بار فرمایا کہ شھادۃ الزور' شھادۃ الزو' سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اہتمام کی کیا وجہ تھی؟ آپؐ نے اس کو اتنے اہتمام کیساتھ کیوں بیان فرمایا؟

نظام کائنات میں شہادت کی اہمیت :

تو یہ اس لئے کہ پوری دنیا کا نظام شہادۃ پر قائم ہے اگر گواہی درست اور صحیح ہو تو نظام درست اور صحیح ہوگا اور اگر گواہی درست اور صحیح نہ ہو تو تمام نظام درہم برہم ہوگا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں شہادتین یعنی اشھد ان لا الہ الا للّٰہ اور اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کا ذکر ہوتا ہے اور جب بالغ ہو جاتا ہے تو وہ کلمہ شہادۃ کا ورد اپنی زبان پر لاتا ہے' اس کے بعد اس کو مسلمان سمجھا جاتا ہے اگر وہ اس شہادۃ کا اقرار نہ کرے اور دنیا سے چل بسے تو وہ اس دنیا سے کافر اور مرتد چلا گیا۔ شہادۃ کے معنی ہے حق کا اعلان کرنا جو چیز تمہیں حق نظر آئے اس کا اعلان کرنا' تو گویا اسی شہادۃ یعنی حق کے ساتھ وابستگی پر حقوق اللہ' حقوق العباد اور روحانی نظام کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَكَيْفَ اِذَاجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَابِکَ عَلٰی هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا، اور ایک اور مقام پر ارشاد ہے: اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا. (الاٰیۃ) تو ان آیات میں شاہد اور شہید کا ذکر ہے' کسی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا مثلاً زکوٰۃ دینا' روزہ رکھنا' حج ادا کرنا وغیرہ سب شہادت ہی ہیں اس سے زیادہ اہم شہادت یہ ہے کہ آدمی اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرے یہ سب سے بڑی شہادت ہے لوگ اس کو شہید کہتے ہیں اس لئے کہ اس نے حق کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا شہید کا معنی گواہ کامل ہے یہ حق اور صداقت کی گواہی ہے' شاعر کہتا ہے ....

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جان تک دے دی لیکن پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوا تو اسلام نے ایسے شخص کا نام شہید رکھا اب شہید اگر مطلقاً ذکر ہو تو یہ شہادت کا فردِ کامل ہے اور اس سے یہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے والا مراد ہوگا۔ لہٰذا پتہ چلا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی شہادت پر ہے' اگر اس میں کمی کی گئی صحیح طریقے سے گواہی نہیں دی گئی تو سارا نظام برباد ہو جائے گا۔

نظامِ عدل اور موجودہ خرابیوں کی جڑ جھوٹی گواہی :

آج کل کے عدالتی نظام کی ساری تباہی وبربادی اس شہادۃ الزور کی مرہونِ منت ہے' لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں اس سے قاتل کو بے گناہ اور بے گناہ کو قاتل قرار دیتے ہیں اس زمانہ کے اکثر وکلاء بھی اس شہادۃ الزور کے علمبردار ہیں وہ اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ صادر کرانے اور حق کو جھوٹ اور جھوٹ کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو وہ اس جھوٹی شہادۃ سے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنادیتے ہیں آج کل کے عدالتی نظام عموماً اسی شہادۃ الزور پر چل رہے ہیں۔ پاکستان کے جملہ مسائل، نظامِ عدل کی خرابی کی وجہ سے ہیں اور نظامِ عدل کی خرابی کی وجہ شہادۃ الزور ہے۔ جج صاحب کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹی گواہی دیتا ہے اس کو کرایہ پر لایا گیا ہے بعض لوگ تو عدالتوں میں اس لئے

جاتے ہیں کہ وہاں اگر کسی کو گواہی کی ضرورت ہو تو وہ گواہی دے کر اس سے ۵۰' ۱۰۰ روپے خرچہ وصول کر لیں۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک صاحب ہیں' میں تقریباً ہر جگہ امریکہ' برطانیہ' اور جہاں بھی مجھے وکلاء کے سامنے تقریر کا موقع ملتا ہے، میں ان کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اس دور میں ہر گاؤں کے اندر ایسے افراد موجود ہیں وہ صبح سویرے کچہری میں اجرت پر جھوٹی گواہی دینے کے لئے جاتا ہے اور شام کو دوسو' تین سو روپے اسی قبیح عمل کے ذریعے کما کر لاتا ہے۔ یہی ایک آدمی روزانہ عدالت میں جج کے سامنے جا کر گواہی دیتا ہے اور جج صاحب اسی گواہی پر فیصلہ کرتا ہے حالانکہ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی کرائے کا گواہ ہے اس کی گواہی جھوٹی ہے' مگر اسے فائل کو بھرنا ہوتا ہے۔

جعلی سندات شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کا حکم :

اس کے علاوہ آج کل شناختی کارڈ' پاسپورٹ ہیلتھ اور ڈومیسائل سرٹیفکیٹ ہر قسم کے این او سی' کریکٹر سرٹیفکیٹ وغیرہ چند پیسے لے کر بنائے جاتے ہیں۔ سکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں کی ڈگریاں ۵۰۰ اور ہزار روپیہ پر فروخت کی جاتی ہیں اور ایک نااہل کو اس ڈگری کے ذریعہ اہل قرار دیا جاتا ہے افسوس اور صد افسوس کہ یہ مرض آج کل بعض مدارس دینیہ تک بھی پہنچ چکا ہے دس بیس روپے پر حفظ اور فارغ التحصیل ہونے کی سند جاری کی جاتی ہے۔ پھر لوگ اس شخص پر عالم ہونے کا اعتماد کرتے ہیں حکومت میں اس کو نوکری ملتی ہے' حالانکہ مدرسے کی سند پر لکھا ہوا ہوتا ہے الشھادۃ العالمیۃ یا الشھادۃ لحفظ القران الکریم تو جب یہ سند کسی غیر عالم یا نااہل کو دی جائے تو یہ بھی شھادالزور ہے۔ اللہ کی پناہ اگر دار العلوم حقانیہ کسی نااہل کو سند دے دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص قرآن وسنت کی ترجمانی کر سکتا ہے تو گویا اس نے ایک عالم کو برباد کیا۔

ووٹ کی شرعی حیثیت :

ووٹ ڈالنا بھی شہادت ہے جس کو تم ووٹ دینا چاہتے ہو تو گویا تم اس کے بارے میں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ وہ اس منصب کا اہل ہے۔ پس اگر وہ اس منصب کا اہل نہیں ہوا، تو گویا تم نے شہادۃ الزور کا ارتکاب کیا۔

اگر لوگ صحیح اور درست گواہی دیتے تو کیا یہ سارا نظام حکومت برباد ہوتا؟ کبھی نہیں، آج کل تو لوگ ۴۰، ۵۰ روپے کے عوض، فساق وفجار اور نااہل آدمی کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں اس غلط طریقہ کار سے جب ایک طرف ۵۰ ووٹ کسی اہل کے حق میں استعمال ہوجاتے ہیں اور ۵۱ ووٹ کسی نااہل کے حق میں، تو بھٹو اور مجیب الرحمان کی صورت میں نااہل ہمارے اوپر حکمران بن جاتے ہیں اور اس ایک ووٹ کے اضافے کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوا، وہاں ہزاروں لاکھوں لوگ قیدی اور غلام بنائے گئے اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت دولخت ہوگئی یہ ساری تباہی اور بربادی اس غلط شہادة کی وجہ سے ہمارے اوپر آئی تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شہادۃ الزور کو بہت اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا اور ہیئت بدل کر تشریف فرما ہو کر بار بار تکرار کے ساتھ فرمایا : ”وشهادة الزور“۔

محدثین عظامؒ نے اس توجیہ کے علاوہ اور بھی وجوہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ شہادۃ الزور میں لوگوں کا مبتلا ہونا آسان ہے اور اسکے مفسدات زیادہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شہادۃ الزور اس لئے ہوتی ہے کہ کسی کی جان چلی جائے اسکا مال چھینا جائے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جائے، کبائر میں سے زیادہ ضرررساں اور فساد میں سے اس سے بڑا اشراک باللہ کے بعد کوئی نہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ فساد کی جڑ کو ختم کریں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شہادۃ الزور سے مراد اس روایت میں کفر ہے اس لئے کہ کافر نے کلمہ کفر کہہ کر جھوٹی گواہی دی۔ مگر علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے یہ توجیہ ضعیف ہے۔

صحابہ کا حضور ﷺ کے خاموش ہوجانے کی خواہش :

فقلنا ليته سكت : یعنی رسول اللہ ﷺ شہادۃ الزور بار بار فرما رہے تھے ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہوئی کہ کاش رسول اللہ ﷺ اب سکوت (خاموشی) اختیار کرلیں۔ آپ ﷺ کا بار بار کہنا اس لئے تھا کہ صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں جھوٹی گواہی کی قباحت بیٹھ جائے اور سمجھ جائیں کہ جھوٹی گواہی کتنی بری عادت ہے۔ مشفق استاذ اسی طرح کرتے ہیں کہ وہ مشکل اور مہتم بالشان مقام کو مختلف پیرایوں سے بار

بار دہراتے ہیں اس غرض سے کہ میرے تلامذہ اور شاگرد اس کو سمجھ لیں۔

میرے والد ماجد کا تدریسی طریقہ :

میرے والد ماجد حضرت مولانا صاحبؒ (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کا یہی طریقہ تھا اگر تم لوگ ان کی ترمذی کی آڈیو ریکارڈنگ سن لو تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مولاناؒ ترمذی کے مشکل ترین مقامات کتنی بار کے تکرار آسان اور جامع الفاظ میں بیان فرماتے ہیں اگر وہاں ایک گنوار اور ان پڑھ بھی ہوتا تو اس مشکل مقام کو سمجھ جاتا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی چونکہ آنحضرت ﷺ کے تلامذہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے ان کے سمجھانے کے لئے بار بار شہادۃ الزور کا ذکر فرمایا' چونکہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے اس اہتمام سے بات سمجھ چکے تھے اسلئے انہوں نے آرزو ظاہر کی کہ آپ ﷺ سکوت اختیار فرمائیں اور مزید مشقت میں نہ پڑیں۔

اس توجیہ کی وجہ سے آپ ﷺ کے بار بار کہنے کا مقصد سمجھانا تھا کہ لوگوں کو شفقت سے سمجھایا جائے۔ قرآن کریم نے اسی طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے صرف آئین دے کر' ڈنڈے کے زور سے اس کو منوانے کا نہیں فرمایا' اللہ تعالیٰ ہزاروں ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے قرآن کریم ایک بات کو سمجھانے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی آئین تو شارٹ کٹ الفاظ کہہ کر اپنا حکم لوگوں پر لاگو کر کے اس کو ڈنڈے کے زور سے نافذ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ڈنڈے اور زور سے زیادہ رحمت' شفقت اور تکرار سے لوگوں کو سمجھاتا ہے۔ اور ان پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے۔

قرآنی احکام وواقعات میں تکرار کی وجہ :

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی فصاحت نہیں اسلئے کہ وہ ایک بات کو بار بار دہراتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے یہ لوگ جاہل ہیں وہ اس تصریف فی الآیات کے مقصد کو نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کریم کا بار بار کسی واقعہ یا کلام کو ذکر کرنے کے مقاصد پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بڑے حکیمانہ طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کوا ہے۔ پھر باپ نے پوچھا کہ کیا ہے؟ تو بیٹے

نے کہا کہ کوا ہے' پھر تھوڑی دیر بعد باپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو بیٹے نے کہا کہ دیکھتے نہیں ہو یہ کوا ہے۔ پھر کچھ تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے؟ تو بیٹے نے غضبناک لہجے میں کہا کہ جاؤ آرام سے بیٹھو تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، بار بار جواب بھی دیا۔ تمہیں سمجھ میں کچھ نہیں آتا' تو باپ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا وہاں بکس (صندوق) سے ایک سلیٹ نکالی اور اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا تم بہت چھوٹے تھے اور اسی جگہ کوا بیٹھا تھا 'میرے ہاتھ میں سلیٹ اور سلیٹی تھی تو تم نے مجھ سے پوچھا کہ بابا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: کہ کوا ہے۔ تم نے پھر پوچھا، میں نے جواب دیا۔ تم نے پھر پوچھا، میں نے جواب دیا اور ہر بار سوال کرنے پر میں سلیٹ پر نشان لگا تارہا' یہاں تک کہ تم نے سو بار پوچھا اور میں نے سو بار بڑی شفقت سے جواب دیا۔ کسی سوال پر میرے لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ہر بار جواب دینے سے شفقت بڑھتی گئی۔ آج میں نے تم سے پوچھا تو تم چوتھی بار جواب دینے پر غضبناک ہو گئے۔ تو حضرت تھانویؒ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بار بار کسی واقعہ کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ سو سو بار بھی اپنی مخلوق کو سمجھانا چاہتا ہے۔

یا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بار بار کہنے سے حالت بدلتی رہی اور ہر بار کہنے سے چہرے پر غصے اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے رہے اس لئے صحابہ کرامؓ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں اور آپکا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور ہم عتاب میں نہ آ جائیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتُمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ؟قَالَ: نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَشْتِمُ أُمَّهُ فَيَشْتِمُ أُمَّهُ.هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں' ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا یہ اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ یہ حدیث

صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

من الکبائران یشتم الرجل والدیه......الخ . اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے' گالی دینا صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنے والدین کو خود ان کے سامنے گالی دے بلکہ دوسرے کے والدین کو گالیاں دینا بھی ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ اپنے والدین کو گالیاں دینا۔ اسلئے کہ جب اس نے دوسرے کے والدین کو گالی دی تو وہ جواباً اسکے والدین کو گالی دے گا کیونکہ اس شخص نے دوسرے کو اس کے والدین کو گالیاں دینے پر برانگیختہ کیا' اور اس کو مجبور کیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ اپنے والدین کو گالی دینے کا سبب بنا۔

☆

٥ : باب ماجاء فی أکرام صدیق الوالد:

اپنے والد کے دوست کے اکرام کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ثَنَا : حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ ثنا الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ:سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ.

وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي أَسِيدٍ هَذَاحديث إِسْنَادٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ بے شک سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا آدمی وہ ہے جو کہ اپنے باپ کے دوستوں اور متعلقین کے ساتھ محبت اور تعلق کا رشتہ جوڑے رکھے۔ اس باب میں حضرت ابو اسیدؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث ایسی ہے کہ اسکی اسناد صحیح ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے دوسرے

طرق سے بھی مروی ہے۔

توضیح وتشریح :

پچھلے ابواب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اوران کی نافرمانی وایذاء رسانی سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی۔اب اس میں مزید ترقی ہورہی ہے۔یعنی صرف والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر اکتفانہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ کمال احسان یہ ہے کہ والدین کے اقرباءواحباب اور متعلقین کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا جائے ۔اوروالدین کا جن لوگوں کے ساتھ تعلق اور محبت ہواولادکو چاہیے کہ اپنے والدین کے اس تعلق کالحاظ رکھتے ہوئے ان لوگوں کو بھی محبوب رکھے اوران کے ساتھ محبت اور تعلق کا رشتہ نہ توڑے بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرکے اس تعلق ومحبت کو مزید برقرار رکھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات پر اگر ہر مسلمان عمل کرے تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضاوقرب اور جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کرے گا بلکہ دنیا میں بھی امن ومحبت کا ماحول پیدا ہوگا۔اوراسی طرح ایک خوشحال اور پرسکون معاشرہ وجود میں آئے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ارشادنبویؐ ہے:

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اَبَرَّالْبِرِّاَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ . یعنی بہترین احسان اور حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے احباب ومتعلقین سے بھی محبت وتعلق کا رشتہ جوڑے رکھے۔

اَبَـرّ الْبِرِّ : اسم تفضیل کا صیغہ لایا یعنی سب سے زیادہ حسن سلوک کرنا، یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص والد کی عدم موجودگی میں ان کے متعلقین سے حسن سلوک کرتا ہے اوراپنے باپ کی محبت کی وجہ سے ان کو محبوب رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب باپ حاضر ہوتو خود باپ کے ساتھ تو بدرجہ اولی احسان کرنے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس بناء پر ہے کہ حدیث مذکور میں باپ کے متعلقین سے جس حسن سلوک کا ذکر ہوا ہے وہ باپ کی غیر موجودگی میں ہے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ باپ کی موجودگی میں ان کے دوستوں سے احسان کرنے میں یہ شبہ ہے کہ دل سے تو باپ کے متعلقین کے ساتھ احسان نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔لیکن باپ کے غصہ یا اس کی ناراضگی کا اندیشہ سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے باپ کے دوستوں سے اچھا برتاؤ کرنے پر

مجبور ہے۔اور اگر ایسا ہو تو یہ کمال احسان نہ ہوگا۔اور حدیث پاک میں چونکہ کمال احسان کا ذکر ہے اور وہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ باپ کے ساتھ کمال وفاداری کے باعث کسی قسم کے خوف اور اندیشہ وملامت یا لالچ کے بغیر بھی طیبِ خاطر کے ساتھ باپ کے دوستوں سے اچھا برتاؤ کرے اور ایک دوسری روایت اس پر صراحتاً دلالت کرتی ہے جو مشکوۃ شریف میں نقل کی گئی اور وہ یہ ہے :

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَبَرِّالْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّي.(رواه مسلم) (مشكوة المصابيح ج:۲. ص: ۴۲۱. باب البر والصلة)

یعنی کامل نیکیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست واحباب سے تعلق کا رشتہ جوڑے رکھے۔بعد اس کے کہ باپ پیٹھ پھیرے۔

پیٹھ پھیرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مر جائے۔اور دنیا سے چلا جائے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں تو موجود ہے اور زندہ ہے لیکن اس موقع اور مجلس میں موجود نہیں۔یا وہ اولاد سے ناراض ہو کر منہ پھیرے۔

حاصل یہ کہ باپ کے ساتھ کمال وفاداری اور کمال احسان یہ ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں باپ کے احباب ومتعلقین کے ساتھ محبت اور حسن سلوک کرتا رہے۔والدین کی وفات کے بعد جو حقوق اولاد پر عائد ہوتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے احباب کے ساتھ محبت واحسان برقرار رکھے'اس بارے میں صریح ارشادات نبویؐ موجود ہیں۔جس کے متعلق ان شاءاللہ تعالیٰ آگے کچھ ذکر آئے گا۔

☆

٦ : باب ماجاء فی برّالخالة

خالہ یعنی ماں کی بہن کے ساتھ حسن سلوک کے بیان میں

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ ثَنَا أَبِي عَنْ إِسْرَائِيلَ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ ابْنُ مَدُّوَيْهِ ثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ وَاللَّفْظُ لِحَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ

الْهَمْدَانِيِّ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ وَهَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خالہ ماں کی طرح ہے اور اس حدیث کے ذیل میں ایک طویل قصہ ہے یہ حدیث صحیح ہے۔

حضانت میں ماں کی قرابت کو ترجیح :

گزشتہ باب میں باپ کے احباب کے ساتھ احسان کا ذکر تھا اور اس باب میں ماں کے اقرباء کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے۔ خالہ ماں کی بہن ہوتی ہے۔ اس باب میں دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔

یعنی حق حضانت میں خالہ بھی ماں کی طرح ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر ماں مر جائے یا ماں مطلقہ ہو جائے یا کسی وجہ سے بچے کی پرورش کی اہلیت اس میں نہ رہے، تو بچے کی پرورش کا حق بچے کی نانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور نانی کی عدم موجودگی یا عدم اہلیت یا اس کے انکار کی صورت میں دادی حقدار ہے۔ پھر اسی طرح اس کے بعد بچے کی بہنیں اور اگر ان سے بھی رہ جائے تو پھر خالہ بھی ماں کی طرح ہے۔ وہ بچے کی پرورش کرے گی۔ حضانت میں ماں کی قرابت کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ اس جانب سے شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ یا حدیث کا مطلب عام ہے۔ حضانت میں اور رحمت وشفقت میں، نیز احسان اور حسن سلوک اور احترام وغیرہ سب چیزوں میں خالہ ماں کی طرح ہے۔

شان ورود اور ایک طویل قصہ وفي الحديث قصة طويلة:

شیخین (امام بخاریؒ ومسلمؒ) نے اس حدیث کو شان ورود کے واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کہ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن تین چیزوں پر مصالحت کی تھی:

(۱) کہ مشرکین کا جو آدمی آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ اس کو واپس مشرکین کے حوالے کریں گے۔

(۲) اور مسلمانوں میں سے جو مشرکین کے پاس آئے تو مشرکین اسے واپس نہیں کرینگے۔

(۴) اور یہ کہ آپ ﷺ آئندہ سال مکہ مکرمہ میں (عمرہ کیلئے) داخل ہونگے اور یہاں صرف تین دن قیام کریں گے۔

پھر جب (حسب وعدہ) جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مقررہ وقت گزرنے پر واپس ہوئے تو (سید الشہداء) حضرت حمزہؓ کی (کم سن) بچی اے میرے چچا! اے میرے چچا! پکارتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئی تو حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کرلیا۔ تو حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ اس بچی کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفرؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اسکی خالہ میرے نکاح میں ہے اور حضرت زیدؓ نے کہا کہ! یہ میری بھتیجی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بچی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں فرمایا اور ارشاد فرمایا: الخالة بمنزلة الام اور حضرت علیؓ سے فرمایا: أَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْکَ یعنی تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔ اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا: تو صورت و سیرت کے لحاظ سے میرے مشابہ ہے اور حضرت زیدؓ سے فرمایا: تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولی (دوست) ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاءَ هُمْ فَاِخْوَانُکُمْ وَمَوَالِیْکُمْ (الایۃ) ۔ اس طرح آپ ﷺ نے سب کی دلجوئی فرمائی۔

نیز اس حدیث سے میراث ذوی الأرحام پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو کُرَیْبٍ ثَنَا مُعَاوِیَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ أَبِی بَکْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّی أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیمًا فَهَلْ لِی تَوْبَةٌ قَالَ هَلْ لَکَ مِنْ أُمٍّ قَالَ لَا قَالَ هَلْ لَکَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا وَفِی الْبَاب عَنْ عَلِیٍّ.

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟" جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا تیری ماں (زندہ) ہے؟" تو اس نے کہا کہ "نہیں"۔ فرمایا "تیری کوئی خالہ ہے؟" اس نے کہا کہ "ہاں" فرمایا اس کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اس باب میں حضرت علیؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔

ایک اشکال کا حل :

إني أصبت ذنبا عظيما : اس میں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بڑے گناہ (کبیرہ) کے لئے تو عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اخلاص کے ساتھ توبہ کرنا ضروری ہے۔ البتہ صغائر (چھوٹے گناہ) نیکیاں کرنے سے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے : اِتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا برائی کے پیچھے نیکی کرو! یہ نیکی اس کو مٹا دے گی"

محدثینؒ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صغیرہ گناہ کے متعلق ہے۔ کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ صرف نیکی کرنے سے وہ معاف نہیں ہو جاتے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے کیوں "ذنب عظیم" (بڑے گناہ) کے معاف ہونے کے لئے خالہ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دے کر اس پر اکتفا فرمایا؟

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی خاص جرم تھا اور اس کے متعلق جناب رسول ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا تھا کہ اس شخص کے حق میں اس جرم کی تلافی کے لئے یہی خاص عمل یعنی والدہ یا اسکی عدم موجودگی میں اسکی قرابتداروں۔ (جیسے خالہ) کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیئے اور اس جرم کے معاف ہونے کے لئے یہ عمل کافی ہے اس وجہ سے اس کی تلقین فرمائی اور اس تفصیل کے مطابق یہ حکم اس شخص کے لئے خاص تھا عام قانون نہیں ہے۔

توبہ کی حقیقت اور اسکی شرائط :

اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے دراصل توبہ کر لی تھی کیونکہ توبہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی اپنے کئے ہوئے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو جائے اور اس گناہ کے ہمیشہ کیلئے چھوڑنے کا عزم مصمم کرے اور اللہ تعالی سے مغفرت مانگے۔ علماء کرامؒ لکھتے ہیں کہ توبہ کیلئے چار شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے کئے ہوئے گناہ پر دل سے نادم و شرمندہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ فوراً اس گناہ کو ترک کر دے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لئے عزم مصمم کرے کہ پھر ایسا جرم کبھی نہیں کروں گا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ اس گناہ کے تدارک کے لئے شرع میں جو طریق موجود ہو اس طریق سے اس

گناہ کا تدارک کرے مثلاً نماز روزہ چھوٹ گئے ہوں تو قضاء کرے۔ اگر اس جرم کے لئے کوئی کفارہ مقرر ہو تو کفارہ ادا کرے۔ اور اگر وہ جرم حقوق العباد کے قبیل سے ہو تو شرعی ضابطہ کے مطابق ان کے حقوق ادا کردے۔ یا ان سے معاف کرالے۔ خصوصاً بندوں کے وہ حقوق جنکی ادائیگی کا بھی کوئی طریق نہ ہو۔ مثلاً غیبت' یا بعض قسم کے دوسری زبانی ایذا رسانی وغیرہ' تو ان کا معاف کرانا انتہائی ضروری ہے۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ اھل حقوق سے بھلائی اور احسان کرے' تاکہ وہ اس سے خوش ہو جائیں اور طیب خاطر سے معاف کردے۔

بعض حضرات نے یہ شرط بھی لکھی ہے کہ توبہ صرف خوف الٰہی کی وجہ سے ہو کیونکہ اگر کوئی شخص مثلاً شراب' پینا اس وجہ سے چھوڑ دے اور اس پر اس وجہ سے نادم ہو جائے کہ اس سے صحت تباہ ہوتی ہے' دردِ سر ہوتا ہے' مال خرچ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اور خوف خدا کی وجہ سے ترک نہ کرے تو یہ شرعاً توبہ نہیں ہے اور ایسے شخص کو تائبین کا ثواب نہیں ملے گا۔

پس اگر مذکورہ شرائط جس توبہ میں نہ پائی جاویں تو صرف زبان سے توبہ اور استغفار کہنا بے معنی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے جلدی سے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے شخص جلدی جلدی استغفار کہہ جانا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ اور تیری یہ توبہ خود توبہ کے لائق ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہماری توبہ' خود توبہ کے لائق ہے"

زبانی توبہ اور مولانا تھانویؒ کی حکیمانہ رائے :

یعنی جب توبہ اور استغفار کے الفاظ تو زبان پر ہوں لیکن دل میں استحضار نہ ہو' نہ جرم' پر ندامت ہو' نہ اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہونے کی وجہ سے دل پر کوئی خوف طاری ہو اور نہ آئندہ کے لئے اس جرم کے چھوڑنے کا مضبوط عزم ہو' بلکہ صرف رسمی طور پر توبہ اور استغفار کے الفاظ ادا کرتا ہو۔ تو ایسی توبہ خود ایک جرم ہے جس پر توبہ کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ اس سے گناہ معاف ہوں............ ۔

توبہ برلب سبحہ درکف دل پُراز ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آیدز استغفار ما

تاہم زبان پر بھی توبہ اور استغفر اللہ جاری رہنے کو بعض اکابر نے بیکار نہیں کہا کیونکہ زبان سے دل تک راستہ بن جاتا ہے لہٰذا خاموش بیٹھنے سے یا پھر فضولیات بکنے سے یہ لسانی ذکر بھی بدرجہا افضل ہے۔
ایک صوفی شاعر نے زبانی توبہ کے بارے میں کہا کہ ....

برزبان تسبیح ودردل گاؤخر این چنین تسبیح کے دارد اثر

ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا حکیم الامۃ عارف باللہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس شعر میں تبدیلی کی اور کہا کہ...... ع این چنین تسبیح ہم دارد اثر ...... کہ زبان کی ایسی تسبیح کا بھی بالآخر اثر ہوگا کہ دل کے دروازے پر دستک دے دے کر آخر کار دل بھی بیدار ہوگا اور اگر یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تو تیرے بدن کے ایک عضو (زبان) کا اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکی اطاعت میں رہنا بھی کوئی کم سعادت نہیں ہے۔

آمدم برسرِ مطلب :

پس وہ شخص جو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ درحقیقت وہ تائب بن کر آیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ رہا تھا۔ وہ اپنے کئے پر نادم تھا اور آئندہ کے لئے اس کے چھوڑنے کا عزم کئے ہوئے تھا۔ اس کے دل پر خشیت الٰہی طاری تھی اور یہی ہے توبہ کی حقیقت' جو کہ سائل اور مسئول عنہ دونوں پر واضح تھا۔

گناہ کا تدارک :

لیکن شاید جرم کچھ ایسا تھا کہ سائل کو خلجان تھا کہ اس کے معاف ہونے کے لئے یہ کافی ہوگا' یا اس کے تدارک کے لئے اور بھی کچھ کرنا ہوگا۔ "فھل لی من توبة" کا یہ مطلب ہے۔ اور رسول اللہؐ کو بھی وہ جرم بذریعہ وحی یا دیگر ذرائع سے معلوم ہوا تھا اور اس جرم کے تدارک کے لئے ماں کے ساتھ یا اس کی عدم موجودگی میں اس کے قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری تھا۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے والدہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ اور جب معلوم ہوا کہ ان کی والدہ فوت ہو چکی ہے

اور خالہ زندہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خالہ کے ساتھ احسان کرو۔

پس اگر وہ جرم اور گناہ ترک بر (احسان) اور قطع رحمی کے قبیل سے ہو خصوصاً والدہ کے ساتھ تو پھر یہ جواب زیادہ واضح ہے کیونکہ اگر والدہ کی دل آزاری ہو چکی ہو تو اس جرم کے معاف ہونے کے لئے توبہ کی دیگر شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس حد تک والدہ کی خاطر مدارات کی جائے اور اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے کہ وہ خوش ہو کر طیب خاطر سے معاف کر دے اور اگر والدہ فوت ہو چکی ہو تو پھر بھی حتی المقدور والدہ کے بعد الوفات حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے اور بعد الوفات حقوق میں سے یہ ہے کہ اس کے قرابت والوں اور متعلقین کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کیا جائے۔

اگر ان حقوق کا خیال رکھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ جرم معاف ہوگا۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

تیسرا جواب کہ صحابہ کرامؓ کی نظر میں چھوٹا گناہ بھی بڑا تھا:

پہلے دونوں جواب اس بنیاد پر دیئے گئے ہیں کہ اس گناہ کو سائل نے ''ذنب عظیم'' سے تعبیر فرمایا ہے اور اسکو اپنے ظاہر پر حمل کر کے گناہ کبیرہ مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ ممکن ہے کہ بعض صحابہ کرام سے گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے لیکن ان کو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کر کے گناہ سے پاک صاف ہو جاتے ہیں بلکہ حالت سابقہ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے درجات حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک روایت میں حضرت ماعزؓ کے متعلق ذکر ہے۔

تیسرا جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ وہ جرم حقیقت میں گناہ کبیرہ نہیں تھا بلکہ کوئی چھوٹا سا گناہ تھا اور اس نے جو ''ذنب عظیم'' کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں میں نے ایک بڑا جرم کیا ہے اگر چہ حقیقت میں وہ عند اللہ بڑا جرم نہ ہو کیونکہ صحابہ کرامؓ بڑے لوگ تھے۔ اور بڑوں کی نظر میں چھوٹے گناہ بھی بڑے دکھائی دیتے ہیں **حسنات الابرار سیئات المقربین۔** جیسا کہ غافلین بڑے بڑے گناہ چھوٹے سمجھ کر گزرتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے کو گناہ ایسا لگتا ہے کہ ایک پہاڑ اس پر آ گرا ہو اور نہ ڈرنے والوں کو گناہ ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے

ناک سے مکھی کو ہاتھ کے اشارے سے اڑادیا .... ۔

وتصغر فی عین الصغیر عظامها　　　وتعظم فی عین العظیم الصغائر

حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ جو کہ زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔قرآنی احکام کی پابندی اور اتباع سنت ان کی طبیعت بن چکی تھی۔خلاف شرع امور سے پوری احتیاط کے ساتھ پرہیز کرتے تھے۔یہاں تک کہ خلافِ اولیٰ کاموں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔اگر بتقاضائے بشری کوئی تھوڑی سی غلطی سرزد ہو جاتی تو ہزار ندامتوں کے ساتھ دربارِ نبوت میں حاضر ہو جاتے اور استغفار کرتے۔ایمان کامل ان کے دلوں میں ثبت تھا۔ان کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔آئینہ کی طرح صاف دل پر گناہ کی معمولی سی کدورت لگ جاتی تو وہ اس کو کہاں معمولی سمجھتے؟ وہ اس معمولی سی کدورت کو دور کرنے کے لئے بھی مضطرب ہو جاتے تھے۔

کسی سفید پوش آدمی کے سفید کپڑوں پر چھوٹا سا سیاہ داغ بھی دور سے بدنما لگتا ہے۔وہ اس کو چھوٹا سمجھ کر بے فکر نہیں بیٹھ سکتا۔بلکہ وہ اس بدنما داغ کو دور کرنے کے لئے بے چین ہوتا ہے۔ایسی بے چینی کے عالم میں صحابیؓ نے کہا ''مجھ سے بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔'' لیکن چونکہ حقیقت میں کبیرہ نہ تھا بلکہ صغیرہ گناہ تھا اور صغیرہ گناہ نیکی کرنے سے بھی معاف ہو جاتا ہے۔

اس وجہ سے جناب رسول ﷺ جو کہ امت کے روحانی طبیب تھے' نے ایسا نسخہ بتلایا کہ گناہ کا سیاہ داغ بھی دھل جائے' اور کئی وجوہ سے سائل کے نیکی وخوبی میں اضافہ بھی ہو جائے۔خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایک نیکی بھی ہے' جس سے صغیرہ گناہ بھی معاف ہوگا۔اور اس میں بے شمار دنیوی اور اخروی فوائد بھی ہیں۔علاوہ ازیں جناب رسول اللہ ﷺ ہر سائل کو اس کے مناسب حال علاج بتلایا کرتے تھے۔پس اگرچہ نیکیاں تو اور بھی بہت ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے لئے دوسرے نیک اعمال کی بہ نسبت اس عمل کو زیادہ مفید جان کر اس کی تجویز فرمائی۔

پس اس اعتبار سے مذکورہ اشکال وارد نہ ہوگا۔کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے کسی طرح معاف ہوا' کیونکہ اس صورت میں گناہ کبیرہ درحقیقت' موجود ہی نہیں تھا۔

حاصل ان دونوں ابواب کا یہ ہے کہ والدین کی غیر موجودگی میں، خصوصاً والدین کی وفات کے بعد ان کے قرابتداروں اور دوستوں سے حسن سلوک کرنا اور ان سے تعلق ومحبت برقرار رکھنا والدین کے حقوق میں سے ہے۔

والدین کے بعد الوفات حقوق :

والدین کے فوت ہو جانے کے بعد جو حقوق اولاد کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق ایک جامع حدیث مشکوۃ المصابیح میں نقل کی گئی ہے۔ تکمیلِ فائدہ کے لئے اس حدیث کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ نِ السَّاعِدِیْ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا. قَالَ نَعَمْ، اَلصَّلٰوةُ عَلَیْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَ اِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَاتُوْصِلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِکْرَامُ صَدِیْقِهِمَا رَوَاهُ اَبُوْدَا وُدَوَابْنُ مَاجَةُ......

(مشکوۃ المصابیح .باب البر والصلة)

حضرت ابو اسید الساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، کہ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول! (ﷺ) کیا میرے والدین کے احسان کا کچھ حصہ ابھی بھی میرے ذمہ باقی ہے، کہ میں ان کے مرنے کے بعد ان سے وہ احسان کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ (۱) ان کیلئے رحمت کی دعا کرنا (۲) ان کیلئے استغفار کرنا (بخشش طلب کرنا) (۳) اور ان کے بعد ان کی وصیت (اور دیگر وعدوں کو حتی الوسع) پوری کرنا (۴) اور ان قرابتداروں سے صلہ رحمی کرنا، جنکے ساتھ قرابت کا رشتہ صرف انہی کی وجہ سے جڑتا ہے (۵) اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔

۷ : باب ماجاء فی دعاء الوالدین :

والدین کی بددعا کابیان

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ ثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ. دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهِ.

وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ نَحْوَ حَدِيثِ هِشَامٍ وَأَبُو جَعْفَرَ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُقَالُ أَبُو جَعْفَرَ الْمُؤَذِّنُ وَلَا نَعْرِفُ اسْمَهُ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ غَيْرَ حَدِيثٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین (قسم کی) دعائیں مقبول ہیں۔ان کی مقبولیت میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی بددعا، مسافر کی بددعا اور والد کی بددعا اپنی اولاد پر۔

توضیح وتشریح :

والدین جس طرح کہ بچے کے لئے مہربان ہوتے ہیں اس طرح وہ حساس بھی ہوتے ہیں۔یعنی جس طرح والدین کو بچے کے ساتھ محبت ہوتی ہے اور وہ بچے کے آرام اور اس کی راحت کے لئے اپنا آرام وراحت قربان کردیتے ہیں۔اس طرح ان کو اپنے بچوں سے کچھ توقعات بھی وابستہ ہوتی ہیں۔والد یہ توقع رکھتا ہے کہ میرے بچے میرے تابعدار ہوں گے وہ میرا حکم مانیں گے، اور پوری وفاداری کے ساتھ میرے حقوق پدری بجالائیں گے اور جس طرح میں نے رحمت وشفقت کے ساتھ ان کی پرورش کی ہے، اس طرح وہ بھی میرے ساتھ متواضع اور مہربان ہوں گے۔وہ میرے ساتھ سختی اور تندمزاجی سے پیش نہیں آئیں گے۔والدین کی ان توقعات پر پورا اترنے کے لئے قرآن کریم نے اولاد کو یوں تعلیم دی ہے کہ:

وَقَضٰى رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا. اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا. وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا.

(بنی اسرائیل: آیات ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اسی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں' تو ان کو اف تک نہ کہنا' اور ان کو نہ جھڑکنا اور ان سے ادب (نرمی وعزت) کی بات کہنا' اور جھکا دے ان کے سامنے کندھے عاجزی کے' رحمت (اور مہربانی) سے۔ اور کہو! اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما' جیسا کہ (رحمت اور شفقت سے) انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی۔

پس ایسے میں اگر کوئی اولاد نافرمان نکلے اور والد کے ادب اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بجائے ان کے ساتھ سختی اور تندمزاجی سے پیش آئے۔ اور ان کو ڈانٹے' ان کو مارے' ان کو تکلیف دے' تو اس کی وہ تمام توقعات خاک میں مل جائیں گی جو انہوں نے اپنی اولاد سے رکھی تھیں اور اس سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ بددعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی بددعا ضرور قبول فرمائے گا۔ اور اسی طرح نافرمان اولاد کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس طرح کے مضطر اور شکستہ خاطر لوگوں کی دعا کو رد نہیں کرتا' بلکہ ضرور قبول فرمالیتا ہے۔ ایک روایت (حدیث قدسی) میں ہے۔ **اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ** ''میں شکستہ خاطر لوگوں کے ساتھ ہوں'' یعنی ان کی مدد کرتا ہوں اور ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ اس لئے والدین کی ایذا رسانی سے بچنا واجب ہے' اور ان کی بددعا سے ڈرنا چاہیئے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اسکو ضرور قبول فرماتا ہے۔ اور باب کی حدیث میں یہی مضمون مذکور ہے۔

مظلوم' مسافر اور والدین کی قبولیت دعا کی وجہ :

ان تین قسم کی دعاؤں کی قبولیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل مخلوق کے سہاروں سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتے ہیں۔ مظلوم عموماً اس وقت مظلوم بن جاتا ہے جب اس کے پاس مادی اور

افرادی قوت نہ رہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو ظالم کے ظلم وستم سے بچا سکے۔ اگر اس کے پاس قوت ہوتی، پہلے تو ظالم ظلم کرنے کی جرأت نہ کرتا' اور اگر بالفرض وہ ظلم کرتا تو مظلوم اپنی قوت سے ظلم کا دفاع کرتا۔ لیکن جب ظالم اس کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتا ہے اور اس کے پاس ظالم کو دفع کرنے کی کوئی طاقت نہیں ہوتی اور سارے مادی سہارے معدوم ہو جاتے ہیں تو فطری لحاظ سے اس کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد اور طاقت پر مرکوز ہو جاتی ہے' اور اس حالت میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنا مددگار اور مشکل کشا جان کر اسی کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرمالیتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس مؤمن کی توحید' کامل ہو جاتی ہے' اور وہ پورا موحد بن جاتا ہے' اس لئے کہ حقیقی توحید یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف نہ کرے' اور امید بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہ رکھے' کسی سالک نے کیا خوب فرمایا ...... ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش　چہ فولاد ھندی نہی برسرش
امید وہراسش نہ باشد زکس　بریں است بنیاد توحید و بس

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ ایک روایت میں آتا ہے

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَاوَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (الحدیث)

مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ نہیں ہوتا یعنی مظلوموں کی بددعا براہ راست اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچ کر مقبولیت حاصل کر لیتی ہے .... ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن　اجابت از درحق بہر استقبال مے آید

مسافر کی دعا :

اسی طرح مسافر بھی دیارِ غیر میں اپنے مال ومتاع اور اپنی قوم وقبیلہ سے دور ہوتا ہے۔ وہ جب کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے یا کوئی مصیبت اس کو پیش آتی ہے تو اس تکلیف اور مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وہ مال ودولت اور اپنی قوم وقبیلہ کا سہارا نہیں لے سکتا' اس وقت وہ تمام مادی چیزوں سے مایوس ہوتا ہے' کیونکہ اس کو مادی چیزوں تک رسائی نہیں ہوتی' پس ایسی حالت میں خود بخود فطرت بیدار ہو جاتی ہے' اور عقیدہ توحید کامل ہو جاتا ہے، وہ اپنے حقیقی خالق ومالک کو اپنا مددگار سمجھ کر اسی کو اپنی مدد کے لئے

پکارتا ہے اور مخلوق کے تمام سہاروں سے تمام مادی چیزوں سے بے نیاز ہو کر ایک اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ دراصل توحید کامل یہی ہے۔ ہمارے مرد مجاہد مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوب کہا ......۔

ہو جائے اگر ساری خدائی بھی مخالف　کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اور یہی عقیدۂ توحید دراصل دین فطرت ہے جس پر انسانوں کی خلقت ہوئی ہے لیکن پھر بعض بدبخت انسان برے ماحول کی وجہ سے اس فطری دین سے علیحدہ ہو کر الگ راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے :

كُلّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْيُنَصِّرَانِهِ اَوْيُمَجِّسَانِهِ . (الحديث)　''ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہے''

غرض جب مسافر دیگر سہاروں سے منقطع ہو کر ایک باری تعالیٰ کو پکارتا ہے اگرچہ اضطراری طور پر ہو پس اللہ تعالیٰ کی غیور ذات اس کی دعا کو ضرور قبول کر لیتا ہے۔

والد کی بددعا :

اسی طرح والد کی بددعا اولاد پر یہ بھی اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اگر والد کے لئے مخلوق میں کوئی سہارا ہے تو وہ اس کی اولاد ہے کوئی اور آدمی اس کے ساتھ ظلم کرتا ہے تو اس کے بچے اس کی مدد کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور اس کی جانب سے ظالم کا مقابلہ کرتے ہیں لیکن جن بچوں کے ساتھ والد کے توقعات وابستہ تھے۔ اور وہ ان کو اپنا سہارا سمجھ رہا تھا وہ خود ظالم بن کر باپ کے ساتھ ظلم کرنے لگتا ہے تو پھر کون ہے باپ کے واسطے جو اس کی مدد کرے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ پیار و شفقت سے پالا ہوا بیٹا جب دشمن بن جائے تو اور کون ہے جو کام آدے۔ پس بے بس اور ضعیف باپ جب اپنے بچوں کی طرف سے دل آزردہ ہو جائے تو وہ دنیا کے تمام سہاروں سے منقطع ہو کر ایک اللہ تعالیٰ کا سہارا لے کر اسی کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرمالیتا ہے۔ لہذا والدین کی دل آزاری سے بچنا چاہیے۔ ورنہ ان کی بددعا دینے کی وجہ سے دنیا و آخرت کی تباہی ہوگی۔

۸ : باب ماجاء فی حق الوالدین :

والدین کے حق کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسٰی ثَنَاجَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُهَيْلٍ هَذَا الْحَدِيثَ.

ترجمہ : حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کوئی بچہ اپنے باپ (کے احسانات) کا بدلہ نہیں دے سکتا' مگر (صرف ایک صورت میں اور وہ) یہ کہ وہ اسکو غلام پاوے پھر اس کو خرید کر آزاد کردے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے سہیل بن ابی صالح کی حدیث کے بغیر نہیں پہچانتے اور اس حدیث کو سفیان اور بہت سے راویوں نے حضرت سہیلؓ سے روایت کی ہے۔

توضیح وتشریح :

اس باب میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ والدین کا حق اولاد پر بہت زیادہ ہے' کوئی یہ نہ سمجھے کہ والدین کا حق صرف کپڑا' روٹی وغیرہ ہے کہ ان کو روٹی دے دی جائے' ان کو ایک جوڑا کپڑا دیا جائے تو یہی ان کا حق تھا' اور ہم نے ان کے احسان کا بدلہ چکا دیا' والدین کے احسان کا بدلہ دینے کی صرف یہ ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی اولاد اپنے والد کو کسی کا غلام پاوے۔ اور پھر اس کو قیمتاً خرید کر آزاد کردے۔ اس کے علاوہ جتنا احسان بھی والدین کے ساتھ کیا جائے وہ ان کے احسانات کا پورا بدلہ نہیں ہوسکتا۔

فَيُعْتِقَهُ : خرید کر آزاد کردینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ باپ کو خریدنے کے بعد اس کو اَنْتَ مُعْتَق ''تو آزاد ہے'' وغیرہ کے الفاظ کہہ کر اسے آزاد کردیگا کیونکہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ خریدتے ہی وہ خود بخود آزاد ہوجاتا ہے چاہے بیٹے کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَنْ مَلَکَ ذَا

رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عُتِقَ عَلَيْهِ (الحدیث) کہ جو شخص اپنے رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔

حیات جسمانی کا بدلہ حیات معنوی سے :

''جو بھی شخص ذی رحم محرم کا مالک بن جائے تو وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے'' لہٰذا خرید کر آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باپ کو اس نیت سے خریدے کہ وہ آزاد ہو جائے' پس اس کا کام دراصل صرف خریدنا ہے' آزاد کرنا اس کا کام نہیں' بلکہ وہ پھر خود ہی آزاد ہو جاتا ہے' لیکن چونکہ اس کا اپنے باپ کو خریدنا اس کے آزاد کرنے کی غرض سے ہے۔ اور اس کا یہ خریدنا سبب ہے اس کے آزاد ہونے کا اس وجہ سے باپ کی آزادی بھی اس کی طرف منسوب ہوئی اور کہا گیا کہ وہ جب باپ کو خرید کر آزاد کر دے تو اس (کے احسانات) کا بدلہ پورا ہو جائے گا۔

اور باپ کو خرید کر آزاد کرنے سے اس کا بدلہ ادا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ باپ اولاد کی حیات کا (ظاہری) سبب بن گیا ہے کہ وہ باپ کے نطفہ سے پیدا ہو چکا ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے اگر باپ نہ ہوتا تو اولاد موجود ہی نہ ہوتی اور انکو زندگی نصیب نہ ہوتی گویا کہ اولاد اپنے زندہ ہونے میں باپ کی مرہونِ منت ہے۔ اگر اولاد والد کے ساتھ ہزار احسانات بھی کرے تب بھی اس احسان کا بدلہ پورا نہیں ہو سکتا۔ بجز اس صورت کے کہ باپ کسی کا غلام ہو اور بچہ اس کو خرید کر آزاد کر دے۔ کیونکہ غلام بھی معنوی موت مرا ہوا ہوتا ہے۔ اور رقیت معنوی موت ہے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا' بلکہ وہ خود غیر کا مملوک ہوتا ہے' اور کپڑے برتن وغیرہ متاع کی طرح بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔ اور انسان کے لئے یہ حالت موت کے برابر ہے' پس بچہ جب اس کو خرید کر آزاد کر دے' تو بچے نے اس کو مملوکیت سے نکال کر مالک بنا دیا' اور معنوی موت سے اس کو زندگی بخش دی' اور جس طرح باپ بیٹے کی حقیقی حیات کا سبب بن چکا تھا' اسی طرح بیٹا بھی باپ کی حیات معنوی کا سبب بنا' پس اس صورت میں گویا بیٹے نے باپ کا بدلہ چکا دیا اور اسی صورت میں باپ کا بدلہ صحیح طور پر ادا ہو جاتا ہے اور بس۔

☆

۹ : باب ماجاء فی قطعیة الرحم

رشتے توڑنے کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ وَسَعِیدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِیُّ قَالَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ أَبِی سَلَمَةَ قَالَ اشْتَكَى أَبُو الدَّرْدَاءِ فَعَادَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فَقَالَ خَیْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ مَا عَلِمْتُ أَبُو مُحَمَّدٍ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ :قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى :أَنَا اللَّهُ وَأَنَا الرَّحْمَنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِی فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی سَعِیدٍ وَابْنِ أَبِی أَوْفَى وَعَامِرِ بْنِ رَبِیعَةَ وَأَبِی هُرَیْرَةَ وَجُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ حَدِیثُ سُفْیَانَ عَنْ الزُّهْرِیِّ حَدِیثٌ صَحِیحٌ وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ هذا الحدیث عَنْ أَبِی سَلَمَةَ عَنْ رَدَّادٍ اللَّیْثِیِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَمَعْمَرٍ كَذَا یَقُولُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِیثُ مَعْمَرٍ خَطَأٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابو الدرداءؓ بیمار ہوگئے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے تو حضرت ابوالدرداءؓ نے (ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا) کہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا میرے علم کے مطابق ابومحمد (یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ) ہیں۔ پس عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم پیدا کیا ہے' اور میں نے اسے اپنے نام (رحمٰن کے مادہ' رحمۃ) سے نکالا ہے' پس جس نے اسے ملا دیا' میں اسے (اپنی رحمت سے) ملادوں گا اور جس نے اسے توڑ ڈالا تو میں اسے اپنی رحمت سے توڑ کر علیحدہ کردوں گا۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، ابن ابی اوفی، عامر بن ربیعہ، ابوھریرہ اور جُبیر بن مطعم رضوان اللہ علیھم اجمعین سے بھی روایات نقل ہوئی ہیں۔ سفیانؒ کی حدیث جو کہ وہ زھری سے نقل کرتے ہیں

صحیح حدیث ہے اور معمر عن الزھری اس حدیث کو عن ابی سلمہ عن رداد اللیثی عن عبدالرحمٰن بن عوف، کی طریق سے نقل کرتے ہیں اور معمر اس طرح کہتے ہیں: محمد کہتے ہیں کہ معمر کی حدیث خطاء ہے۔

توضیح وتشریح :

قطیعة قطع سے ماخوذ ہے' قطع عام ہے بمعنی توڑنے کے' اور قطیعہ خاص ہے' قرابتداروں کے ساتھ رشتہ توڑنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور **رَحِم** چونکہ تمام رشتوں کے بننے کے لئے مرکز ہے' رحم ہی کے بدولت بھائی' بہن' ماں' بیٹا' خالہ اور ماموں وغیرہ بن جاتے ہیں' اس وجہ سے ان قرابتوں کو رحم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عیادتِ مریض :

فعاده عبدالرحمن بن عوف : عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کی عیادت کی۔

جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرنا' انبیاء اور صلحاء رحمھم اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بے تحاشا مال و دولت کے مالک تھے۔ لیکن صحابہؓ کی پاک ہستیاں کبھی بھی مال و دولت سے دل نہ لگایا کرتے تھے۔ کثرتِ مال کے باوجود بھی زہد و تقویٰ' تواضع وانکساری' حسن معاشرت' صلہ رحمی' اور تمام وجوہ خیر میں اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت ابوالدرداءؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تعریف کی **خیرهم و أوصلهم ما علمت أبو محمد** کہ بہتر اور سب سے زیادہ قرابت داری کا لحاظ رکھنے والا' میرے علم کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ ابو محمد' حضرت عبدالرحمٰن کا اسم کنیت ہے۔ یہ الفاظ حضرت ابوالدرداؓ نے ان کے شکریہ کے طور پر کہے' تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کے جواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی۔ جو کہ صلہ رحمی کی اہمیت اور فضیلت اور قطع رحمی کی وعید پر مشتمل ہے۔ اور اس موقع پر اس حدیث کو ذکر کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرنا اور قرابتداروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا ہے:

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں صلہ رحمی کرنے والوں کو اپنی رحمت

سے ملا دیتا ہوں اور رَحم کو قطع کرنے والوں کو اپنی رحمت سے قطع (جدا) کر دیتا ہوں۔"

رحماء بینھم اوراخلاص فی العمل :

پس ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا ڈر ہے' اس وجہ سے صلہ رحمی کو نہیں چھوڑ سکتے اور اس رحمت کے حصول کے ہم امیدوار ہیں اس وجہ سے ضرور اس پر عمل کریں گے۔ لہٰذا ہم اپنے اس عمل پر کسی سے کوئی بدلہ یا ان کی طرف سے کسی قسم کی شکر گزاری کے طلبگار نہیں ہیں۔ بلکہ ہم اپنا دینی اور اخلاقی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

دیکھئے! کتنے مخلص تھے فدایانِ رسول اللہ ﷺ ان کو اپنے کسی بھی عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کوئی لالچ وغیرہ مقصود نہ تھا' وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے۔ اور وہ ایسے کیوں نہ ہوتے' جبکہ ارشاد ربانی ہے ان کے بارے میں "اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانُ" یعنی یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) جو ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ کر ثبت فرمالیا ہے۔" اور "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ان کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ان کی طرح کامل ایمان اور اخلاص کے ساتھ عمل صالح نصیب فرماویں۔

رحمِ مادر کا رحمان سے تعلق :

أنا اللّٰہ و أنا الرحمن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی...... الخ.

اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو پیدا کیا' اور میں نے اسے اپنے نام سے اخذ کرلیا ہے۔ اگرچہ حقیقت مشتق' مشتق منہ نہیں لیکن دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہے۔ یعنی رحم کے نام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام رحمٰن کے مادۂ رحمۃ سے نکالا ہے۔ پس رَحم کو رحمٰن کے ساتھ ایسا تعلق اور وابستگی ہے کہ رَحم کو جوڑنے والا رحمٰن سے جاملتا ہے۔ رحم کو قطع کرنے والا رحمٰن سے منقطع ہوجاتا ہے۔ اللہ اکبر کتنی بڑی وعید ہے قطع رحمی پر' بہت سے عبادت گزار بھی اس سے غافل ہیں اور وہ صلہ رحمی میں کوتاہی کرتے ہیں۔

ایک لطیف اشارہ : أنا الرحمن خلقت الرحم ...... الخ. ان کلمات میں باریک اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوست اور دشمن، مومن، کافر سب پر عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ الرحمٰن کا معنی ہے عام رحمت والا یعنی دنیا میں اللہ کی رحمت عام ہے، کافر اور مومن سب کے لئے رزق عطا فرماتا ہے.......... ؎

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبرو ترسا وظیفہ خورداری
دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

پس اسی طرح رحم کا تعلق بھی رحمٰن سے ہے، لہذا صلہ رحمی صرف ان رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا نام نہیں ہے جو کہ آپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، احسان کے بدلے میں احسان کرنا، مکافات کہلاتا ہے جو کہ اپنی جگہ ایک اچھی صفت ہے۔ لیکن صلہ رحمی اس کو نہیں کہتے، صلہ رحمی دراصل یہ ہے کہ جس میں احسان سے قطع نظر صرف رحم کا لحاظ رکھا جاتا ہو اور اگر کوئی اس کے ساتھ قرابت کا تعلق قطع بھی کر دیتا ہو اس کے ساتھ بھی وہ قرابت کا تعلق اور حسن سلوک کرنا برقرار رکھتا ہو......

جیسا کہ اگلے باب میں اس کے متعلق ارشاد ہے، جو اپنے موقع پر ذکر کیا جائے گا ان شاء اللّٰہ تعالیٰ .

لغت کا واضع: و شققت لها من اسمی :

بعض کے نزدیک لغت کا واضع، اللہ تعالیٰ ہے، اور حدیث باب میں بھی ان کیلئے مستدل موجود ہے۔ نیز آیت کریمہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کلها (الاٰیة) بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

☆

۱۰ : باب ماجاء فی صلة الرحم :

صلہ رحمی کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ ثَنَا بَشِیرٌ أَبُو إِسْمٰعِیلَ وَفِطْرُ بْنُ خَلِیفَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیِٔ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِی إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا هٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَفِی الْبَاب عَنْ سَلْمَانَ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ واصل (جوڑنے والا) وہ نہیں ہے جو بدلہ دے بلکہ واصل وہ ہے کہ جب اس کیساتھ قرابت کا رشتہ توڑ دیا جاوے تو وہ اسے جوڑ دیتا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت سلمان، حضرت عائشہ اور ابن عمرؓ سے بھی روایات ہیں۔

حقیقی صلہ رحمی :

گزشتہ باب قطیعۃ الرحم کے بارہ میں تھا اور یہ باب صلۃ الرحم کے بارے میں ہے۔ یہ باب گزشتہ باب سے ترقی ہے اس میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ صلہ رحمی درحقیقت کیا ہوتی ہے؟ جو رشتہ دار آپ کے ساتھ احسان کرتا ہے، اور آپ بھی مجازاۃ (بدلہ) کے طور پر اس کے ساتھ احسان کریں تو یہ مجازاۃ اور مکافاۃ تو ہے لیکن صلہ رحمی نہیں ہے۔ اکثر لوگ اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے ہیں جن کی طرف سے ان کے ساتھ احسان کا سلسلہ جاری ہو، بس اسی کو وہ صلہ رحمی سمجھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم رشتہ داری اور صلہ رحمی کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور صلہ رحمی پر جو اجر وثواب ملتا ہے، ہم اس کے مستحق ہو گئے، لیکن اگر ذرا سی بات پر ان کے درمیان کوئی کدورت آجاتی ہے، یا ان کی طرف سے احسان کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو پھر ان کے ساتھ سارا تعلق ختم کر دیتے ہیں۔ اور پھر وہ حسن سلوک اور ہمدردی کافور ہو جاتی ہے۔ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ " گویا کہ ان کے درمیان کوئی محبت نہیں تھی، کوئی

رشتہ نہیں تھا۔اس حدیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ایسا شخص واصل رحم نہیں ہے بلکہ واصل رحم (رشتہ اورقرابتداری جوڑنے والا) وہ ہے جو رشتہ توڑنے والوں کے ساتھ بھی تعلق جوڑے رکھے۔حدیث شریف یہ ہے :

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:وہ شخص قرابت پالنے والانہیں جو بدلہ میں برابری کرے۔ بلکہ قرابت پالنے والا وہ ہے جس کیساتھ اگر رشتہ توڑ بھی دیا جاوے تب بھی وہ اسے جوڑتا ہے۔

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ : واصل'وصل سے اسم فاعل ہے بمعنی''جوڑنے والا' اورمراد ہے قرابت جوڑنے والا'صلہ رحمی کرنے والا'اور مکافی''باب مفاعلہ سے اسم فاعل ہےاور کفاءت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے'برابری' کفو مماثل اور برابر کو کہا جاتا ہے۔

واصل کہلانے کا مستحق :

وہ شخص صلہ رحمی کرنے والانہیں ہے جو برابری کرے یعنی اگر کوئی رشتہ دار اس کے ساتھ احسان کرے تو وہ بھی اس کے ساتھ احسان کرے' کوئی رشتہ دار اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو وہ بھی اس کو بدلہ میں ایسا ہی کرتا ہے۔وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا ۔ لیکن واصل یعنی قرابت کا رشتہ جوڑنے والا'دراصل وہی ہے جس کا رشتہ اگر توڑ دیا جاوے تب بھی وہ اسے جوڑتا ہےاور قرابت کا تعلق قطع کرنے والے قرابتدار کے ساتھ بھی احسان اور ہمدردی جاری رکھتا ہے اور ایسا ہی شخص درحقیقت واصل (قرابت پالنے والا) کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ احسان کے بدلے احسان تو عموماً غیروں کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے'پس اسے قرابت پالنے کا نام کیوں دیا جاوے؟ قرابت پالنا تو وہ ہوتا ہے جس میں صرف قرابت ہی ملحوظ ہو'نہ کہ قرابتداروں کا احسان' اگر ان کی طرف سے حسن سلوک اور رواداری موجود نہ ہو تب بھی قرابت تو موجود ہے'اور قرابت والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ وبالوالدین

احساناً وذی القربیٰ (الاٰیۃ) و آتِ ذَا القربیٰ حقه (الاٰیۃ) اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیس الواصل بالمکافی ۔یعنی احسان اور حسن سلوک میں برابری کرنے والا واصل نہیں ہے......الخ۔

برائی کے بدلے بھلائی :

اور ایک دوسری جگہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ. (الحدیث)

رشتہ جوڑو۔ اس کے ساتھ جو تجھ سے قطع کردیتا ہے۔ اور اس کو دو! جو تجھے کچھ نہیں دیتا۔ اور عفو کرو اس سے جو تجھ پر ظلم کرتا ہے اور نیکی کرو! اس کے ساتھ جو تجھ سے برائی کرے۔

یا پھر لیس الواصل بالمکافی 'نفی کمال کے لئے استعمال ہوا ہے' یعنی اگر چہ قرابتداروں کے ساتھ احسان کے بدلے میں احسان کرنے سے بھی ایک حد تک رشتہ برقرار رہ سکتا ہے۔ اور اس سے بھی کچھ نہ کچھ ماحول خوشگوار ہوتا ہے اور محبت کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے' پس یہ بھی ایک اچھا کام ہے اور اس سے بھی صورتاً قرابت کے حقوق کی ادائیگی ہوتی جارہی ہے۔ لیکن یہ قرابت پالنے کا کامل درجہ ہرگز نہیں ہے۔ کامل درجہ میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے جس کے ساتھ اگر کوئی رشتہ دار رشتہ قطع کرے۔ تو یہ اس کے ساتھ رشتہ قطع نہیں کرتا بلکہ یہ اس کے ساتھ حقوق رشتہ داری اور حسن سلوک باقاعدہ برقرار رکھتا ہے' مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے "لَسْتَ بِرَجُلٍ " کہ تو مرد نہیں ہے۔ حالانکہ اس کہنے والے کو بھی خوب معلوم ہے کہ یہ شخص مرد ہے۔ عورت نہیں۔ لیکن چونکہ اس نے اس شخص میں مردانگی کے خلاف کوئی وصف دیکھا اور اس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو کہ کسی مرد کامل اور بامروّت آدمی کے لئے مناسب نہ ہو تو اس وجہ سے زجراً اسے کہتا ہے "لست برجلٍ" تو مرد نہیں۔ یعنی تو نے مردوں جیسا کام نہیں کیا۔ تو کوئی کامل مرد نہیں۔ یعنی نفی کمال رجولیت مراد ہے مطلق رجولیت کی نفی مراد نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں حدیث میں بھی مراد یہ ہے کہ کامل درجہ کا واصل (رشتہ پالنے والا) وہ نہیں جو بدلہ میں ایسا کرے بلکہ کمال درجہ کا قرابت پالنے والا وہ ہے جو قطع کرنے والوں کے ساتھ بھی قرابت کا تعلق اور رشتہ جوڑ دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب

رسول اللہ ﷺ انتہائی ترغیب دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ قرابت داروں کیساتھ حسن سلوک اور پرخلوص احسانات کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کریں اور اس میدان میں اپنی اپنی جوانمردی کے جوہر دکھائیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ المخزومی قَالُوا ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ یعنی جبیر بن مطعمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جنت میں داخل نہ ہوگا توڑنے والا۔ ابن ابی عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت سفیانؒ نے کہا (قاطع کا مطلب یہ ہے) کہ صلہ رحمی کو توڑنے والا' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

رشتہ قرابت توڑنے پر وعید :

قاطع کا معنی ہے توڑنے والا۔ پھر امام ترمذیؒ (رحمه الله تعالی رحمة واسعة ومتعنا الله تعالیٰ بعلومه) اس کی تفسیر اور وضاحت بھی نقل فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث تین راویوں سے نقل کی ہے :

۱۔ ابن ابی عمر ۲۔ نصر بن علی ۳۔ سعید بن عبدالرحمٰن المخزومی

اور ان تینوں شیوخ نے اس حدیث کو حضرت سفیان سے روایت کیا ہے۔ لیکن ان تینوں حضرات میں سے اول الذکر راوی ابن ابی عمر نے جس طرح یہ حدیث حضرت سفیان سے نقل کی ہے' اسی طرح انہوں نے حضرت سفیان سے اس کی تشریح اور وضاحت بھی روایت کی ہے۔ جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اس طرح نقل فرماتے ہیں : قَالَ اِبْنُ اَبِیْ عُمَر قَالَ سُفْیٰن یَعْنِیْ قَاطِعُ رَحِمٍ ۔ ابن ابی عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت سفیانؒ نے فرمایا: کہ قاطع سے مراد قاطع الرحم یعنی قرابت اور رشتہ توڑنے والا مراد ہے۔ پس حدیث

کا حاصل یہ ہوا کہ رشتہ قرابت کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

محدثینؒ حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث کا محمل یہ ہے کہ قاطع سے مراد وہ شخص ہے جو قطع رحم کو جائز سمجھے۔ کیونکہ قطع رحم قرآن وحدیث کے رو سے ممنوع اور حرام قرار دی گئی ہے اور ایسے قطعی اور متفق علیہ حرام کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ اور کافر کسی بھی وقت جنت میں نہیں جا سکتا لا یدخل الجنة ایسا قاطع رحم جو اسے حلال بھی سمجھے، کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یا مراد یہ ہے کہ قاطع رحم، سابقین اولین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا، یعنی حدیث پاک میں عدم دخول جنت جو مذکور ہے، یہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے، کیونکہ مومن اگرچہ بہت ہی گنہگار ہو، بالاخر جنت میں ضرور جائے گا، پس مراد یہ ہے کہ ابتداءً یعنی سابقین کیساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا، قطع رحمی کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہونے کی نفی نہیں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی توجیہ :

جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ میری اس مقام پر ایک توجیہ ہے، جو کہ ایسے بہت سے مقامات میں جاری ہو سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ قاطع رحم جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ وہ قاطع رحم ہو، اور جب اسے قطع رحمی پر سزا مل گئی اور پوری سزا مل گئی تو پھر جنت میں داخل ہوگا جیسا کہ کوئی کپڑا نجس تھا لیکن جب پانی سے دھو کر پاک ہو جائے تو اب اسے نجس نہیں کہا جاتا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے اسی طرح جب اس کو سزا مل گئی تو یہ آدمی اس گناہ سے پاک ہوا تو اب وہ قاطع رحم نہ رہا، اور اسی طرح تارک صلوۃ کے بارے میں بھی یہی رائے ہے، اور یہ مسئلہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی طرح ہے جو آپ ﷺ نے کسی بوڑھی عورت سے خوش طبعی کے طور پر فرمایا تھا کہ :

"بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی"۔

پس وہ رونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"وہ جنت میں ایسی حالت میں داخل ہونگی کہ وہ بوڑھی نہ ہونگی بلکہ جوان ہوں گی"۔

اور اس توجیہ سے وہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ مومن کا جہنم میں جانا تطہیر کے لئے ہے تعذیب کیلئے نہیں۔

١١ : بَاب مَا جَاءَ فِی حُبِّ الْوَلَدِ

بچوں کے ساتھ محبت کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ إِبْرَاهِیمَ بْنِ مَیْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِی سُوَیْدٍ یَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیزِ یَقُولُ زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَکِیمٍ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ وَهُوَ مُحْتَضِنٌ أَحَدَ ابْنَیِ ابْنَتِهِ وَهُوَ یَقُولُ إِنَّکُمْ لَتُبَخِّلُونَ وَتُجَبِّنُونَ وَتُجَهِّلُونَ وَإِنَّکُمْ لَمِنْ رَیْحَانِ اللَّهِ وَفِی الْبَاب عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَیْسٍ حَدِیثُ ابْنِ عُیَیْنَةَ عَنْ إِبْرَاهِیمَ بْنِ مَیْسَرَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیثِهِ وَلَا نَعْرِفُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیزِ سَمَاعًا مِنْ خَوْلَةَ .

ترجمہ: ابن ابی سوید روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ: نیک اور پاکباز عورت' خولہ بنت حکیمؓ کا خیال ہے (اور اپنے خیال اور گمان کے مطابق) انہوں نے کہا کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ اپنے دونواسوں میں سے ایک کو گود میں لئے ہوئے تھے اور فرماتے تھے (کہ اے بچو!) کہ تم آدمی کو بخیل بناتے ہو' بزدل بناتے ہو' اور جاہل وبے علم بناتے ہو۔ اور بے شک تم اللہ تعالیٰ کی دی گئی خوشبو اور رحمت ہو۔ اور اس باب میں ابن عمر اور اشعث بن قیسؓ سے بھی روایات ہیں۔ اور ابن عیینہ کی حدیث' ابراہیم بن میسرہ سے' ہمیں ابن عیینہ کے علاوہ کسی اور سے معلوم نہیں ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز کے سماع کا حضرت خولہ سے ہمیں علم نہیں۔

حضرت خولہ بنت حکیمؓ :

حضرت خولہؓ حکیم بن امیہ سلمی کی بیٹی تھیں۔ ان کو ''خویلۃ'' بھی کہا جاتا ہے یعنی تصغیر کے ساتھ بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے نکاح میں تھیں۔ یہ مشہور صحابیہ تھیں۔ بعض کا کہنا ہے (کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد) انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ سے بدون

مہر کے ہبہ کر کے نکاح کر دیا تھا۔ (تحفۃ الأحوذی) لیکن بعض کا قول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے کسی بھی عورت سے بدون مہر کے بطور ھبہ کرنے اپنے نفس کے نکاح نہیں کیا۔ یعنی اگرچہ سورۃ الاحزاب کی آیت: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا. (الآیۃ۔ الاحزاب۔۵۰) میں نبی کریم ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ اس قسم کے نکاح کی اجازت دی گئی ہے لیکن ایسا کوئی نکاح نہیں کیا گیا۔

بہرحال حضرت خولۃ بنت حکیمؓ بڑی شان کی صحابیہ تھیں، بہت سے صحابہ و تابعینؒ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ علم اور ورع و تقوی کے بلند مقام پر فائز تھیں۔ چنانچہ روایت مذکورہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان سے روایت کرنے کے وقت ان کو "المرأة الصالحة" سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی نیک اور پاکباز عورت۔

وهو محتضن أحد ابنی ابنته۔ محتضن، احتضان سے اسم فاعل ہے۔ احتضان کے معنی ہے گود میں لینا اور حضن کے معنی ہے، گود۔

حضانت بھی اسی سے ماخوذ ہے جو کہ اصطلاح میں بچے کی پرورش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اولاد فتنہ بھی اور نعمت بھی :

أحد ابنی ابنته یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ الزہراؓ کے دو بیٹوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) میں کسی ایک کو گود میں لئے ہوئے تھے اور ان سے فرمایا کرتے تھے: اِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَ تُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ، تینوں صیغے باب تفعیل سے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے بچو! تم آدمی کو بخیل، بزدل اور جاہل بنا دیتے ہو، کیونکہ جب آدمی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو بچوں کی خاطر کوڑی کوڑی جمع کرنے لگتا ہے۔ اور اعمالِ خیر میں بھی مال خرچ کرنے سے رک جاتا ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں بچوں کی ضروریات پوری کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ نیز بچوں کا بے سہارا رہ جانے کے خوف سے شوقِ شہادت کم ہو جاتا ہے اور جہاد میں جانے سے ڈر لگتا ہے۔ اور یوں آدمی بزدل بن جاتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بڑے بڑے جنگجو اور بہادر بسا اوقات کسی آدمی کے نازیبا حرکات اور ناگفتہ بہ کلمات

پرچشم پوشی کر کے جنگ وجدل سے پہلوتہی صرف اس لئے کرتے ہیں کہ کہیں اس کے بچوں کوخطرات لاحق نہ ہوں۔ اسی طرح بچوں کے لئے روزی کمانے کی فکر اور انکے ساتھ محبت واشتغال کی وجہ سے آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا اور اسی طرح وہ جاہل بن جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسا مولوی صاحب کہیں سینکڑوں ہزاروں میں ایک ہوگا جو عیال دار بن جانے کے بعد طلب علم کے لئے نکل کر عالم دین بن چکا ہو۔ بلکہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم والدین کو تو چھوڑ کر علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے لیکن جب بیوی اور بچے آجاتے ہیں تو وہ اس کے لئے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اور پھر وہ تحصیل علم کو مکمل نہیں کر پاتا ...... ۔

اے جگر بندو پائے بند عیال دگر آزادگی مبند خیال

وانکم لمن ریحان اللّٰه اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ ریحان کا معنی ہے رحمت، رزق، رزق کی فراخی، اور سونگھنے کا خوشبودار پودا۔ اور یہ آخری معنی لینا بھی درست ہے کیونکہ بچہ بھی خوشبودار پھول کی طرح سونگھا جاتا ہے اور اس کا بوسہ لیا جاتا ہے اور ترمذی نے حضرت انسؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ، حسن اور حسین ؓ کو بلاتے تھے اور ان دونوں کو سونگھتے تھے اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے تھے۔

اور طبرانی کی ایک روایت حضرت ابوایوبؓ سے مروی ہے: **قَالَ : دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَلْعَبَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقُلْتُ أَتُحِبُّهُمَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَكَيْفَ لَا؟ وَهُمَارَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيَا أَشُمُّهُمَا.** (تحفۃ الاحوذی)

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور حسن وحسینؓ آپ ﷺ کے سامنے کھیلتے تھے تو میں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ان دونوں سے محبت رکھتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے کس طرح محبت نہ رکھوں؟ حالانکہ دنیا میں تو یہ میرے دو پھول ہیں کہ میں ان کو سونگھتا ہوں۔

پس ان روایات کی بناء پر **انکم لمن ریحان اللّٰه** کا یہ معنی لینا بھی درست ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے خوشبودار پودوں میں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نقد نعمت :

(مجھے اللہ تعالیٰ نے حال ہی میں ایک بیٹا دیا ہے۔ جس دن میں حج سے آیا (ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

بمطابق ۲۷ مئی ۱۹۹۴ء اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حج کے صلہ میں یہ نقد نعمت عطا فرمائی۔ میں نے اسکا نام خذیمہ رکھ دیا ہے یہ اسامہ کا چھوٹا بھائی ہے۔ حامد الحق اور راشد الحق دو بھائی تھے اسامہ اکیلا تھا اب یہ بھی بحمد للہ دو ہو گئے۔ اسامہ اور خذیمہ (بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ اَعْمَارِهِمْ) تو بچے اللہ تعالیٰ کی پیاری نعمت ہیں):

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے عمر بن عبد العزیزؒ کا سماع معلوم نہیں۔ اس کے متعلق حافظؒ ابن حجر نے ''تہذیب التھذیب'' میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت خولہ بنت حکیم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کی یہ روایت حضرت خولہ بنت حکیم سے منقطع ہے۔

اولاد کی مدح اور ذم میں تطبیق :

اس روایت میں پہلے تو اولاد کی مذمت کی گئی ہے کہ بچے آدمی کو بخیل، بزدل اور جاہل بنا دیتے ہیں۔ اور پھر حدیث کے آخر میں ذم سے مدح کی طرف رجوع کیا گیا ہے کہ اس کے باوجود اولاد اللہ تعالیٰ کی رحمت، اور ایک قسم کی نعمت ہے۔ پس اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے اور فتنہ و امتحان بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو اپنی نعمتوں کی فہرست میں شمار فرمایا ہے : **وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ۔** (النحل ۷۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیئے۔ اور کھانے کو دیں تم کو پاکیزہ چیزیں۔ پس کیا یہ لوگ جھوٹی چیزوں پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسان کی بے قدری کرتے ہیں؟

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: **اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝** (الشعراء: ۱۳۳۔۱۳۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے دیئے تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے۔

حضرت زکریاؑ نیک اولاد کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے تھے:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (ال عمران: ۳۸)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

اور حضرت ابراہیمؑ نیک اولاد دینے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (ابراھیم:۳۹)

ترجمہ: شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے مجھ کو بڑھاپے میں (دو بیٹے) اسماعیل اور اسحٰق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔

ان آیات کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اولاد، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ بعض بیویاں اور اولاد آپ کے دشمن ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہو۔ سورۃ التغابن میں ارشاد ربانی ہے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ۔ (الآیۃ)

ترجمہ : ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور (بعض) اولاد تمہارے لئے دشمن ہیں۔ پس تم ان سے بچتے رہو۔ اور اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہے :

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (التغابن:۱۴۔۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد، یہ آزمائش کی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجروثواب ہے۔

بیوی بچے بڑا امتحان ہیں :

خلاصہ یہ ہوا کہ اولاد دنیا کی مرغوب چیزوں میں سے ہے اور اولاد کے ساتھ محبت ایک فطری چیز ہے۔ پس ایسی محبوب ومرغوب چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا، بڑی نعمت ہے۔ لیکن بعض آدمی بیوی اور بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے اور بیوی بچوں کی خاطر بہت سی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی طرح بہت سی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے اور اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے جو کہ انسان کے ابدی خسران کا سبب ہے۔ پس جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بن جائیں وہ درحقیقت اس کے بدترین دشمن ہیں اور یہ ایسے دشمن ہیں کہ ان کی دشمنی کا بسا اوقات انسان کو احساس نہیں ہوتا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو ایسا نہ ہو کہ ان کی دنیا سنوارنے کیلئے اپنا دین برباد کرلو۔ بیوی بچے اور مال سب چیزیں امتحان کے لئے ہیں کہ

کون ان فانی چیزوں کی محبت میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کرتا ہے۔ اور کون ہے جو ان چیزوں کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناتا ہے اوران نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ پس بچوں کے ساتھ محبت میں اعتدال سے کام لینا چاہیے بچوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرے ان پر حسب استعداد خرچ کرے ان کی تربیت کا پورا خیال رکھے۔ ان کو علم دین سکھا کر اچھی راہ پر لگادے تو ایسی اولاد والدین کے لئے ان کی زندگی میں بھی رحمت' راحت' سکون عزت اور خوشی کا باعث ہوتی ہیں۔ اور والدین کے فوت ہونے پر بھی ان کے لئے باقیات صالحات ہوگی اور اگر کوئی آدمی اولاد کی محبت کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دے دے اوران کی محبت اوران کے ساتھ لگاؤ اس کیلئے عظیم مقاصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بن جائے' اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے بہترین عمل سے اس کو روکے' تو وہ اولاد جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت تھی اس کیلئے وبالِ جان اور دشمن بن جاتی ہے۔ اوراس طرح وہ خسارے میں پڑ جاتا ہے اس خسارے سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ بطور تنبیہ فرماتا ہے :

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (المنافقون:۹)

''اے ایمان والو! تم کو تمہارا مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جس نے ایسا کیا (کہ مال واولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اوراس کے احکام کو بھلادے) تو یہی لوگ ہیں خسارے میں پڑنے والے۔''

پس جو آدمی مال اور بیوی بچوں سے مناسب رویہ اختیار کرے اوران کی فکر ومحبت کی وجہ سے احکام شرع اور ذکر الٰہی میں خلل نہ ڈالے تو یہ چیزیں اس کے لئے قرب کے منازل کو طے کرنے میں مددگار اور رختِ سفر ثابت ہوسکتی ہیں اور جو آدمی ان چیزوں کی محبت کو دل میں اس طرح جگہ دے دے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اسکے دل سے نکل جائے اور فکر آخرت سے غافل ہوجائے تو یہ چیزیں اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ کشتی پانی کے اوپر رہے تو پانی کی سطح پر کشتی منزل تک پہنچ جاتی ہے اور جب پانی کشتی کے اندر داخل ہوجائے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے .... ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است آب در کشتی ہلاک کشتی است

۱۲ : باب مَا جَاءَ فِی رَحْمَةِ الْوَلَدِ

بچوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ وَسَعِیدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا ثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ أَبِی سَلَمَةَ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ أَبْصَرَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُقَبِّلُ الْحَسَنَ وَقَالَ ابْنُ أَبِی عُمَرَ الْحُسَیْنَ أَوِ الْحَسَنَ فَقَالَ إِنَّ لِی مِنَ الْوَلَدِ عَشَرَةً مَا قَبَّلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ وَفِی الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَهَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت حسنؓ یا حسینؓ کا بوسہ لے رہے ہیں تو اقرع بن حابسؓ نے کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں؟ میں نے تو ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ اور اس باب میں حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی روایات آئی ہیں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہے۔ اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

محبت میں میانہ روی :

توضیح وتشریح: گزشتہ باب میں یہ ذکر ہوا کہ بچے بخل، جبن اور جہل کا سبب ہیں۔ اس باب میں بچوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا بیان ہے اور یہ ذکر کیا جارہا ہے کہ بچوں کے ساتھ پیار اور محبت کا برتاؤ کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ دین اسلام اس تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ جو آدمی بچوں پر اور دوسری مخلوق پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ یہ طرز اس لئے اختیار کیا گیا کہ بعض گنوار بدوی قسم کے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے کسی بات کا ایک پہلو ذکر کیا جائے تو وہ وہی رخ اختیار کر لیتے ہیں اور دوسری جانب مڑ کر دیکھتے بھی نہیں ہیں۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ بعض ناسمجھ لوگ جب یہ سن لیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بچوں کو بخل، بزدلی اور جہل کا سبب فرمایا ہے۔ اس وجہ سے وہ ان کے ساتھ

رحمت وشفقت بھی ترک کردیں اور بچوں کے ساتھ سخت مزاجی کارویہ اختیار کردیں۔ بعض لوگوں کی طبائع ایسی سخت ہوتی ہیں کہ بیوی بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے تند مزاجی سے پیش آتے ہیں اور بچوں کو گود میں لینا اوران سے محبت وشفقت کرنا یا بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرم مزاجی کرنا مردانگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ رویہ اخلاقِ کریمانہ کے خلاف ہے۔ اسلام ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی سکھاتا ہے۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ بچوں کیساتھ محبت میں اس طرح بھی مشغول نہ ہوکہ اس کی وجہ سے وہ بخیل بن کر انفاق فی سبیل اللہ سے رک جائے۔ اور بزدل بن کر جہاد فی سبیل اللہ سے جی چرانے لگےاور علمِ دین حاصل کرنا چھوڑ کر جاہل بن جائے۔ بچوں کیساتھ محبت میں ایسا انہاک اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھول جائے اور فرائضِ اسلامیہ سے غفلت برتنے لگے۔ یہ محبت میں افراط اور غلو ہے جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ والدین بچوں کو گود میں نہ لیں اوران کا بوسہ نہ لیں، انکے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ نہ کریں یا ان سے پیار ومحبت کی باتیں نہ کریں۔ ایسا کرنے سے بچے والدین اور بڑوں کی شفقت سے محروم رہ جائیں گے جو کہ شریعت مقدسہ میں کبھی بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کا، یا حسنؓ اور حسینؓ دونوں میں سے کسی ایک کا بوسہ لیا۔ اسی طرح دوسری روایات میں جناب رسول اللہ ﷺ کا بچوں کو گود میں لینا، اوران پر شفقت کرنا اوران کے ساتھ خوش مزاجی کی باتیں کرنا منقول ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اعتدال کا راستہ واضح فرما کر امت کی رہنمائی کا حق ادا فرمایا ہے۔

حضرت اقرع بن حابسؓ :

حضرت اقرع بن حابسؓ بنوتمیم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ پہلے مؤلفة القلوب میں سے تھے۔ فتح مکہ کے بعد وفد بنوتمیم میں شامل ہوکر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں حالتوں میں شریف اور معزز سمجھے جاتے تھے۔ عبداللہ بن عامرؓ نے ان کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر خراسان کی طرف بھیجا تھا، جوز جان کے مقام پر لشکر سمیت شہید ہوگئے۔ ان سے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ نے روایت کی ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا اجمعین)

(الاکمال فی اسماء الرجال للخطیب)

حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ :

امام ترمذیؒ کو یہ روایت مذکور سند کے ساتھ دو راویوں نے بیان کی ہیں۔

(۱) ابن ابی عمرؒ (۲) اور سعیدؒ بن عبدالرحمٰن۔ پس امام ترمذی کے ان دونوں شیوخ میں سے ثانی الذکر شیخ سعید بن عبدالرحمٰن نے تو جزم اور یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے جس نواسے کا بوسہ لیا وہ حضرت حسنؓ تھے، لیکن اول الذکر شیخ ابن ابی عمرؒ نے تردید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت حسنؓ یا حسینؓ دونوں میں سے کوئی ایک تھے۔

رحم کرنے والا ہی مستحق رحم ہوتا ہے :

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابسؓ کی اس بات کو پسند نہیں فرمایا جو کہ اس نے بیان کی کہ میں نے اپنے دس بچوں میں سے کسی ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس عادت کو رحمت وشفقت کے خلاف قرار دے کر فرمایا۔ اِنَّهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ: یعنی حق بات یہ ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائیگا۔ اور حاصل معنی اس کا یہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ اگرچہ موقع تو خاص بچوں کیساتھ رحمت وشفقت کی ترغیب دلانے کا تھا لیکن جناب رحمت عالم ﷺ نے تعمیم کا جملہ ارشاد فرمایا جو بوڑھوں، بچوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔ ایک حدیث میں ہے: اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (الحدیث)

ترجمہ: تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا (یعنی اللہ تعالیٰ جس کی شان بلند وبالا ہے) تم پر رحم کرے گا۔

اور ایک حدیث میں ہے: اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاء (الحدیث) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ان پر رحم فرماتا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں۔

رحمت عمومی :

بلکہ انسانوں سے بڑھ کر حیوانات اور جانوروں پر بھی رحم کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور باعث رحمت الٰہی ہے جانوروں کے ساتھ ظلم اور تشدد کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو اس وجہ سے جنت میں داخل فرمایا کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے اس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ اس عورت کو اس پر رحم آیا اور اس نے اس کتے کو پانی پلایا۔ اور ایک دوسری عورت کو اللہ تعالیٰ نے صرف اس وجہ سے جہنم میں بھیجا کہ اس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی' نہ اس کو چھوڑتی کہ وہ چل پھر کر کچھ کھا پی لے اور نہ خود اس کو کچھ کھانے پینے کے لئے دیتی تھی۔

☆

۱۳: باب مَا جَاءَ فِی النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ

بیٹیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے کا بیان

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَکُ ثَنَا ابْنُ عُیَینة عَنْ سُهَیْلِ بْنِ اَبِیْ صَلاحٍ عَنْ اَیُّوْبِ بْنِ بَشِیْرٍ عَنْ سَعِیْدِ الْاَعْشٰی عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَتْ لَهٗ ثَلاثُ بَنَاتٍ اَوْثَلاثُ اَخَوَاتٍ اَو اِبْنَتَانِ اَوْاُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللّٰهَ فِیْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور پھر اس نے انکے ساتھ اچھا برتاؤ کیا' اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو اس کا بدلہ جنت ہے۔

توضیح وتشریح:

گزشتہ ابحاث میں عمومی طور پر اولاد کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ رحمت وشفقت کی ترغیب دلائی گئی' جو لڑکوں اور لڑکیوں سب کو شامل ہے' لیکن اس تعمیم کے بعد تخصیص کے ساتھ بعض وہ روایات ذکر کی جاتی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک' رحمت وشفقت کی ترغیب اور اس پر

مرتب اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے۔امام ترمذیؒ اس باب میں پانچ احادیث لائے ہیں۔ جن میں نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کو کھلانے پلانے اور پرورش کرنے ان کے ساتھ حسن معاشرت کو جہنم سے نجات اور دخول جنت کا سبب قرار دیا ہے' کیونکہ لڑکیاں لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ قابل رحم ہیں۔

حقوق نسواں کے بلند بانگ دعوے کرنے والے ذرا رحمۃ للعالمین ﷺ کے لائے ہوئے دین میں عورت کو دیئے گئے حقوق کا انصاف کی نظر سے مطالعہ کریں' تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کو وہ مقام عطا کیا ہے' جو کسی بھی مذہب یا کسی بھی قانون میں اس کو نہیں ملا' دور جاہلیت کے ظلم وستم سے' دین اسلام نے عورت کو نجات دلائی۔

اسلام سے پہلے عورت پر روار کھے جانے والے مظالم کا اجمالی خاکہ :

زمانہ جاہلیت میں عورت کی حیثیت' مرد کے مملوک مال ومتاع اور گھریلو استعمال کی چیزوں سے زائد نہ تھی' چوپایوں کی طرح عورت کی بھی خرید وفروخت ہوتی تھی۔عورت کو اپنے ماں باپ دادا' اور دیگر رشتہ داروں کی میراث میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا' بلکہ خود عورت میت کے دیگر اموال متروکہ کی طرح مال وراثت سمجھی جاتی تھی' قرآن کریم نے اس رسم کی تردید فرمائی اور اسے ناجائز وممنوع قرار دے دیا: وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا۔(النساء:۱۹)(ترجمہ: حلال نہیں تمہارے لئے کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی سے)

بسا اوقات باپ کا بڑا بیٹا (جو کہ دوسری عورت سے ہو) باپ کے مرنے کے بعد اس کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرتا تھا' اس خیال سے کہ یہ باپ کی ترکہ کی ایک مخصوص چیز ہے' جس کا بڑا بیٹا حقدار ہے' قرآن کریم نے اس قبیح رسم پر پوری شدت سے پابندی لگائی اور تا قیامت اس کو ممنوع قرار دے دیا۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۔ (النساء ۲۲)

ترجمہ: ''اور تم نکاح مت کرو' ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات گزر گئی ہے' بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا' اور بہت برا طریقہ ہے''۔

عورت کو اپنے نکاح اور شادی میں کسی قسم کا اختیار نہ تھا' اس کے ولی اور سرپرست' جس کے حوالے کر دیتا' چاروناچار اسی کے پاس جانا پڑتا تھا' یورپ کے بعض ممالک تو اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ عورت کو انسان تسلیم کرنے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔

عورت کی ملکیت کسی چیز پر بھی نہ ہوتی تھی اور برائے نام جو چیزیں اس کی ملکیت کہلاتی تھیں' اس کو بھی باپ' بھائی یا شوہر وغیرہ جہاں چاہتے اور جس طرح چاہتے خرچ کر ڈالتے تھے' عورت کو پوچھنے کا بھی حق نہ ہوتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ عورت کو کوئی قتل کر دے تو نہ اس پر قصاص واجب ہے نہ خون بہا۔ ہندوستان میں اگر شوہر مر جاتا تو بیوی کو بھی اس کی لاش کے ساتھ جلا کر ستی کر دیا جاتا تھا۔

باپ کے لئے اپنی لڑکی کا قتل کرنا اور زندہ درگور کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعثِ فخر و عزت سمجھا جاتا تھا' قرآن حکیم نے اس قسم کی بہیمانہ حرکات پر قیامت کے دن کے عذاب کی دھمکی دی اور آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی پوچھا جائے گا' کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا' کوئی سنگدل یہ نہ سمجھے کہ ہماری اولاد ہے ہم اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ فرمایا :

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○ (التکویر: ۸، ۹)

ترجمہ: "اور جب زندہ گاڑ دی گئی لڑکی کے متعلق پوچھا جائے کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی؟"

عورت جس کے نکاح میں آ جاتی تو وہ اس کے جان و مال کا بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا' اور اسی وجہ سے ازدواجی زندگی میں عورت پر گوناگوں مظالم روا رکھتا تھا۔ اگر شوہر مر جاتا تو شوہر کے ورثا اس کے مال کی طرح اس کی بیوی کے بھی مالک اور اختیار مند سمجھے جاتے تھے' شوہر کا وارث اگر چاہتا تو بدون مہر اس کے ساتھ نکاح کر دیتا' اور اگر پسند نہ ہو تو کسی دوسرے کو نکاح میں دے کر مال وصول کر لیتا۔ غرض اس بیچاری مخلوق کے لئے کوئی بھی عقل و انصاف سے کام نہ لیتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات :

جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور ان پر قرآن کریم نازل ہوا تو آپ نے ان تمام مظالم کا

خاتمہ کر دیا' انسان کو انسانیت کی قدر سکھائی' عورت کو عزت اور شرافت کا مقام عطا فرمایا' عدل وانصاف پر مبنی قانون وراثت کا اعلان فرمایا' جس میں عورت کو قریبی رشتہ داروں اور شوہر کے مال میں باقاعدہ طور پر حقدار ٹھہرایا گیا' اور وہ اپنے نفس اور اپنے مال میں ہر قسم کے جائز تصرف کرنے میں خود مختار قرار دی گئی۔ عورت کے لئے روٹی کپڑا مکان کی ذمہ داری شوہر پر ڈال دی گئی' عام حالات میں عورت کو بچوں کے اخراجات سے بلکہ خود اپنے ضروری اخراجات سے بھی سبکدوش قرار دیا گیا' شوہر کو بیوی کے خوش رکھنے کا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا پابند بنایا گیا' شوہر ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرے تو بذریعہ عدالت بیوی اپنا حق وصول کر سکتی ہے' اور اگر شوہر متعنت ہو (جو کہ باوجود قدرت کے' بیوی کے حقوق نان ونفقہ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو) تو شرعی ضوابط کے مطابق عورت اسلامی عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کر کے رہائی حاصل کر سکتی ہے۔ ادوار جاہلیت میں عورت پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا ہے اور اس مظلومۂ جہاں کو پورا انصاف فراہم کیا۔

موجودہ جاہلیت آخرہ کے فساد کا بھی سدباب :

لیکن جس طرح اسلام نے عورت کو جاہلیت اولیٰ کے مظالم سے نجات دلائی اسی طرح جاہلیت اُخریٰ میں رونما ہونے والے فسادات کا بھی سدباب کیا' جو کہ عورت کی بے مہار آزادی کے سبب پیدا ہو رہے ہیں۔ کیونکہ عورت کو مردوں کی قیادت اور سیادت کرنے کی پوری طرح آزادی دینا معاشرے کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ :(الآیۃ) فرما کر ان فسادات کو دفع کرنے کا سامان کیا' کہ مرد عورتوں پر حاکم اور ان کے نگران ہیں' اور عورتوں پر مردوں کی یہ نگرانی مردوں' عورتوں اور پورے انسانی معاشرے کے لئے عین حکمت اور مصلحت ہے' اس کو ظلم کہنا سب سے بڑا ظلم ہے' امریکہ اور یورپ کی یہ مسلسل کوشش ہے کہ عورتوں کو مردوں کی سیادت اور نگرانی سے بالکل آزادی مل جائے اور ان کو بے مہار چھوڑ دیا جاوے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں فحاشی اور بے حیائی عام ہوگئی اور جاہلیت اولیٰ سے بڑھ کر دنیا میں قتل وخونریزی اور فسادات کا بازار گرم ہے۔ خواہشات کو حقوق قرار دیا جاتا ہے جو کہ سراسر غلطی ہے۔

مغربی معاشرہ غیر متوازن اور غیر فطری ہے:

مغرب نے اپنے معاشرے کے اعتبار سے عورت کی صدیوں کی مظلومیت کے ردعمل میں اس کی آزادی کا جو فارمولہ پیش کیا ہے وہ غیر متوازن اور غیر فطری ہے اس میں مرد اور عورت کی خلقت اور صلاحیتوں کی فطری تقسیم کا لحاظ نہیں رکھا گیا' اس وجہ سے مغرب کا خاندانی نظام درہم برہم ہوگیا ہے' اور رشتوں کا تقدس پامال ہوکر رہ گیا۔ آج بھی مغربی معاشرے کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج بھی وہاں عورت کی بے بسی اور مظلومیت قابل دید نہیں ہے۔

مساوات اور حقوق کے نام پر ظلم اور حق تلفی:

مغرب نے عورت کے فطری فرائض میں مرد کو شریک کئے بغیر مرد کی ذمہ داریوں میں عورت کو حصہ دار بنادیا ہے' بچوں کو جنم دینے اور ان کی پرورش کرنے کی بلاشرکت غیر ذمہ داری کے ساتھ ساتھ بچوں کیلئے کما کر کھلانے کی ذمہ داری میں بھی عورت کو شریک قرار دیا ہے' اور اس قسم کی ذمہ داریوں کو حقوق کا نام دیا ہے۔ اور مساوات مرد وزن کا خوش کن نعرہ لگا کر ناقص العقل کو خوش کردیا ہے' کہ وہ مرد کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں برابر کی شریک ہے' لیکن یہ برابری چونکہ فطرت کے خلاف ہے اس وجہ سے مغرب فرائض و حقوق میں مساوات کے تمام تر دعوؤں کے باوجود یہ مساوات قائم نہ کرسکا' بلکہ تجارت صنعت سیاست' تعلیم' سائنس' فوج معاشرت وغیرہ کسی بھی شعبہ میں یہ مساوات موجود نہیں ہے۔ فطرت کے تقاضوں سے انحراف کا یہی نتیجہ ہے کہ مرد وعورت میں مساوات بھی عملاً قائم نہ ہوسکی' اور دوسری طرف اسکے منفی اثرات بھی خطرناک شکل میں رونما ہو رہے ہیں کہ خاندانی نظام تباہ ہوگیا ہے' رشتوں کا تقدس پامال ہوگیا ہے' زنا بالرضا کی کھلم کھلا اجازت ہونے کے باوجود زنا بالجبر کے واقعات بھی کثرت سے رونما ہو جاتے ہیں۔ باہمی ربط اور موانست کے بجائے انفرادیت پسندی اور نفسا نفسی کا ماحول پیدا ہوگیا ہے' جس کا اعتراف خود مغربی دانشور کررہے ہیں' بحمد للہ اسلام کا نظام ان تمام غیر فطری خامیوں سے پاک اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ جب تک قرآن کریم کے لائے ہوئے قانون عدل کو سر تسلیم خم نہ کیا جاوے اسوقت تک دنیا امن اور سلامتی کا منہ تک نہیں دیکھ سکتی' اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلاوے اور افراط وتفریط کے گمراہ کن

راستوں سے ہمیں حفاظت میں رکھے۔

حضرت ایوب بن بشیرؒ :

ان کا نام اور نسب ایوب بن بشیر بن سعد بن النعمان ہے۔ ان کی کنیت ابوسلیمان مدنی ہے' ان کو جناب رسول اللہ ﷺ کی رؤیت کا شرف حاصل ہے' اور ابوداؤد وغیرہ ائمہ حدیث نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

حضرت سعید الاعشیؒ :

یہ سعید بن عبدالرحمٰن بن مکمل الاعشی الزھری المدنی ہیں' ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دے دیا ہے۔ (از تحفۃ الاحوذی)

فأحسن صحبتهن و اتقى الله فيهن فله الجنة . یعنی پھر اس شخص نے ان لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو اس کے لئے جنت ہے۔

بیٹیوں سے احسان کا مطلب :

یہاں احسان سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک یہاں احسان سے مراد یہ ہے کہ ان لڑکیوں کے جو حقوق اس شخص کے ذمہ واجب ہیں' وہ اچھے طریقے سے ادا کرے مثلاً حسبِ استعداد نان ونفقہ' رہائش اور کپڑوں وغیرہ کا پورا خیال رکھے' اور ضروریاتِ دین کی حد تک ان کو تعلیم دے اور بعض کے نزدیک اس حدیث میں احسان سے مراد یہ ہے کہ ان لڑکیوں کی پرورش میں صرف حقوقِ واجبہ پر اکتفا نہ کریں' بلکہ شرع کے موافق ان کے ساتھ زیادہ وسعت اور فراخدلی سے کام لیں۔ اور ان کی احسن طریقے سے تعلیم و تادیب کا اہتمام کرے۔ اور یہی آخری قول مراد ہونا زیادہ راجح ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا جملہ فَـأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ حقوقِ واجبہ سے ان پر زیادہ وسعت کرنے کی ترغیب کے لئے ہو' اور دوسرا جملہ ''و اتقى الله فيهن'' حقوقِ واجبہ میں کوتاہی سے باز رکھنے کیلئے ہو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں جو اجر و ثواب جنت ملنے کا مذکور ہے' یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ آدمی ان لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان جاری رکھے یہاں تک کہ کسی مناسب جگہ میں انکا نکاح کر کے رخصتی کرادے' یا وہ بقضاءِ الٰہی فوت ہو جائیں۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكُونُ لِأَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ هُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ وُهَيْبٍ وَقَدْ زَادُوا فِي هٰذَا الإِسْنَادِ رَجُلاً.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہوں گی تم میں سے کسی ایک آدمی کے لئے تین بیٹیاں' یا تین بہنیں اور پھر وہ ان سے احسان کرے' مگر وہ آدمی ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس باب میں حضرت عائشہ، عقبہ بن عامر، انس، جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی روایات نقل ہوئی ہیں اور حضرت ابوسعید خدریؓ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اور سعد بن ابی وقاص جو ہیں وہ سعد بن مالک بن وھیب ہیں۔ اور اس اسناد کے درمیان انہوں نے ایک آدمی کو زائد لایا ہے۔

توضیح وتشریح :

احسان ایک جامع اوصاف ہمہ گیر لفظ :

فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ ' یعنی پھر وہ شخص ان لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے' اور "الأدب المفرد" میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث میں الفاظ اس طرح آتے ہیں' فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ "یعنی پھر اس شخص نے ان لڑکیوں پر صبر کیا، اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح مروی ہے' اور ساتھ ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے' وَأَطْعَمَهُنَّ وَ سَقَاهُنَّ وَ كَسَاهُنَّ' یعنی (ان لڑکیوں پر صبر کیا) اور ان کو کھلایا پلایا اور کپڑے دیئے۔ اور طبرانیؒ کے نزد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں : فَأَنْفَقَ عَلَيْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ أَدَّبَهُنَّ یعنی پھر اس شخص نے ان لڑکیوں پر خرچ کیا اور ان کا نکاح کرایا اور ان کو بہتر تعلیم دی اور امام احمدؒ کے نزدیک' اور الادب المفرد میں بھی حضرت جابرؓ کی حدیث میں اس طرح وارد ہے۔ يُؤَدِّبُهُنَّ

وَيَرْحَمُهُنَّ وَيَكْفُلُهُنَّ یعنی یہ شخص ان لڑکیوں کو تعلیم دے اور ان کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتاؤ کرے اور انکی کفالت کرے اور طبرانی نے اس روایت میں اس لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ "وَيُزَوِّجُهُنَّ" اور ان کا نکاح کرادے۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں ان تمام الفاظ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وَهٰذِهِ الْاَوْصَاف يَجْمَعُهَا لَفْظُ الْاِحْسَان یعنی ان مختلف روایات میں جن متعدد اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے' لفظ احسان ان تمام اوصاف کے لئے جامع ہے۔ یعنی بہنوں بیٹیوں کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کے لئے صبر کرنا' اور ان کو کھلانا پلانا اور کپڑے دینا' اور طیبِ خاطر کے ساتھ ان پر حسبِ استطاعت خرچ کرنا' ان کو ادب دینا اور علم سکھانا ان کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنا' اچھے طریقے سے ان کی پرورش کرنا اور ان کا نکاح کرانا یہ سب کچھ احسان اور حسنِ سلوک کے مختلف پہلو ہیں جن کو مختلف روایات میں واضح کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا روایت میں ان تمام اوصاف کیلئے ایک جامع جملہ "فیحسن إلیهن" ارشاد فرمایا یعنی پھر یہ آدمی ان لڑکیوں کے ساتھ احسان کرے' گویا لفظ احسان جوامع الکلم سے ہے جو ان تمام اوصاف کو شامل ہے۔

لڑکیوں کی تین یا دو عدد ذکر کرنے کی حکمت :

اس روایت میں تین لڑکیوں' بیٹیوں' یا بہنوں کے ساتھ احسان کرنے پر جنت ملنے کا ثواب مذکور ہے' اور اس سے پہلی روایت میں بھی پہلے تین بیٹیوں' یا تین بہنوں کو ذکر فرمایا ہے اور پھر کثرت سے قلت کی طرف تنزل کے طور پر فرمایا' یا جس کے لئے دو بیٹیاں یا دو بہن ہوں اور پھر وہ انکے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اس کے لئے جنت ہے۔ ان روایات میں بظاہر ایک سے زائد لڑکیوں کی اچھی پرورش کرنے پر اس ثواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت میں تو اپنی اولاد اور اہل وعیال پر خرچ کرنا بہترین صدقہ اور ثواب کا کام ہے' چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں' پھر لڑکیوں پر خرچ کرنا اور ان کی پرورش اچھے طریقے سے کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے چاہے ایک لڑکی ہو یا زیادہ جیسا

کہ اسی باب کے آنے والی روایت میں من ابتلی بشئی من البنات...... الخ. میں اس کا ذکر ہے۔
لیکن لوگوں کی طبائع عموماً ایسی ہوتی ہیں کہ ایک لڑکی پر گرانی محسوس نہیں کرتیں۔ بلکہ بسا اوقات جس ماں باپ کے بیٹے زیادہ ہوں اور بیٹی نہ ہو تو وہ ماں باپ ایک بیٹی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ لیکن بیٹیاں جب دو، تین یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہیں تو انسانی طبیعت ان کی کثرت کی وجہ سے گرانی محسوس کر کے ان سے نفرت کرنے لگتی ہے اور پھر یہی نفرت اس کی طرف سے ان کے ساتھ احسان کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، اسوجہ سے جناب رسول اللہ نے تین یا دو لڑکیوں پر صبر کرنے اور رحمت و شفقت کے ساتھ ان کی پرورش کرنے پر جنت ملنے کی خوشخبری سنائی تا کہ دل میں پیدا ہونے والی طبعی ناگواری دور ہو جائے اور مسلمان، لڑکیوں کی پرورش کو ایک عبادت سمجھ کر خوشی سے کرے اس تقریر سے واضح ہوا کہ تین سے زیادہ لڑکیوں کی اچھے طریقے سے پرورش کرنے والا بطریق اولی جنت کا مستحق ہے۔ کیونکہ جتنی مشقت بڑھ جاتی ہے، اتنا ہی اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے۔

ایک صبر آزما ابتلاء اور آزمائش :

اور حدیث میں لفظ ابتلٰی میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیٹیوں اور بہنوں کو خراب ماحول معاشرہ اور آس پاس کے برے اثرات سے حفاظت اور ان کی تربیت کے مصارف جبکہ مستقبل میں ان سے کسی آمدنی کا امکان بھی نہیں، ہر طرح کے شدائد میں ان کا پالنا اور عزت و عصمت کی حفاظت کرنا ایک آزمائش اور ابتلاء ہے جس کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا بہت بڑے اجر کی بات ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کون تھے ؟

وابو سعید الخدری اسمه سعد بن مالک بن سنان یعنی حضرت ابو سعید خدریؓ کا نام سعد بن مالک بن سنانؓ ہے، وہ اپنی کنیت ابو سعید خدری، سے مشہور ہیں آپ اور آپ کے والد دونوں صحابی ہیں، غزوہ احد میں ان کو چھوٹا قرار دیا گیا، اور احد کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے اور آپ مکثرین (یعنی زیادہ احادیث روایت کرنے والے) حفاظ حدیث میں سے ہیں، آپ ۷۴ھ میں وفات پاگئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ :

وسعد بن أبی وقاص هو سعد بن مالک بن وهیب: اور سعد بن ابی وقاص جو ہیں وہ سعد بن مالک بن وھیب ہیں (یعنی ابوسعید خدریؓ کے دادا کا نام سنان ہے۔اور سعد بن ابی وقاصؓ کے دادا کا نام وھیب ہے)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس صحابہ کرامؓ جنہیں دنیا میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی خوشخبری سنائی تھی) میں سے تھے۔آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے'انہوں نے سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں اسلام کا تیسرا فرد ہوں اور سب سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر مارا''۔

آپ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ ۵۵ھ میں مدنیہ منورہ کے قریب عقیق کے مقام پر اپنے محل کے اندر فوت ہوئے۔ان کی نعش عقیق سے مدینہ منورہ کو لائی گئی اور جنت البقیع میں آپ دفن ہوئے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نسب کی وضاحت :

امام ترمذیؒ اس باب میں پانچ احادیث لائے ہیں اور گزشتہ دو حدیثوں کے راوی' حضرت ابو سعید خدریؓ ہیں' پس امام ترمذیؒ نے وضاحت کے لئے ابوسعید خدریؓ کے نسب کا ذکر کیا' اس میں جو التباس ہوسکتا تھا اس کو دور کرنا چاہا تو فرمایا :

و ابو سعیدن الخدری اسمه سعد بن مالک بن سنان وسعد بن ابی وقاص هو سعد بن مالک بن وهیب . یعنی یہ دونوں حضرات نام اور ولدیت میں مشترک ہیں' ابوسعید خدری کا نام سعد اور ان کے والد کا نام مالک ہے' اور سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی نام سعد اور والد کا نام مالک ہے لیکن دادا کے نام سے ان دونوں کے درمیان فرق ہوسکتا ہے' کہ ابوسعید خدریؓ کے دادا کا نام ''سنان'' ہے اور سعد بن ابی وقاصؓ کے دادا کا نام ''وھیب'' ہے اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے' ابوسعید خدریؓ کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ کا نسب بھی ذکر کیا۔

(۳) حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ مَسْلَمَةَ ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بیٹیوں کی طرف سے کسی چیز پر مبتلا کیا گیا' پھر اس نے ان پر صبر کیا تو یہ (لڑکیاں) اس کیلئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سندی بحث :

علاء بن مسلمة بن عثمان الرواس 'یہ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بغداد کے رہنے والے ہیں' ان کی کنیت ابو سالم ہے۔ اور یہ راوی متروک الحدیث ہیں۔ ابن حبانؒ نے اس کو وضع حدیث میں متہم کیا ہے جب یہ معلوم ہوا کہ سندِ حدیث میں علاء بن مسلمہ متروک ہے' تو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے' یہ سند کے اعتبار سے تو درست نہیں ہوسکتا۔ تاہم اس حدیث کے لئے دوسرے شواہد بہت ہیں' تو دوسرے شواہد کی وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تحسین کی ہے۔

عبدالمجيد بن عبدالعزيز یہ ابن ابی رواد ہیں۔

حدیث کی توضیح وتشریح :

من ابتلى بشئى من البنات : من یا تو بیانیہ ہے اور شیء عدد سے کنایہ ہے اور اس تقدیر پر ابتلاء سے لڑکیوں کے نفس وجود پر ابتلاء و آزمائش مراد ہے۔ یعنی جو شخص بیٹیوں کی وجہ سے آزمائش وامتحان میں ڈالا گیا' خواہ ایک لڑکی ہو خواہ دو ہوں یا زیادہ۔ اور اس آدمی نے ان لڑکیوں کی تربیت اور عصمت وغیرہ کی حفاظت میں مشقت پر صبر کیا' تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے پردہ اور حجاب بن جائیں گی۔ یعنی ان کی وجہ سے یہ شخص جہنم سے بچ جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً لوگ بیٹیوں سے نفرت کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. (النحل:۵۸)

ترجمہ: (یعنی) جب خبر ملے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے۔

لڑکیاں باعث ابتلاء :

جاہلیت کے دور میں لوگ لڑکیوں کے پیدا ہونے کو عار سمجھتے تھے۔ اور جس کو لڑکی کی خوشخبری مل جاتی وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور شرم کے مارے لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ شریعتِ مقدسہ نے لوگوں کو ان جاہلانہ خیالات سے روکا اور بیٹیوں' بہنوں وغیرہ لڑکیوں کی پرورش اور ان کے پالنے کی ترغیب دی اور اس کو عبادت قرار دے دیا' گویا اس اعتبار سے لڑکیوں کا نفس وجود ہی ایک ابتلاء وآزمائش ہے۔

یا' من ابتلی بشئی من البنات میں من ابتدائیہ ہے اور ابتلاء سے مراد لڑکیوں کے نفس وجود پر آزمائش وامتحان مراد نہیں ہے۔ بلکہ لڑکیوں کی طرف سے جو مشقت اور تکلیف' ایذاء اور بدنامی وغیرہ ہوتی ہے' یہ مراد ہے یعنی ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے برداشت کرے اور تمام کلفتوں کے باوجود لڑکیوں کی پرورش اچھے طریقے سے کرے اور ان کے ساتھ احسان' ہمدردی اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے' تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

حاصل یہ کہ جس آدمی کی بیٹیاں ہوں یا بہنیں ہوں اور باپ' بھائی وغیرہ ان کے لئے محنت مزدوری کر کے کما کر ان کو کھلاتا پلاتا ہے' حالانکہ ان لڑکیوں سے عادۃً کچھ کمائی کرنے کی امید بھی نہیں ہوتی۔ نیز ان لڑکیوں کی وجہ سے عزت آبرو کو بھی خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ پس یہ شخص ان تمام غموم وافکار اور مصارف کو برداشت کرے اور ان لڑکیوں کی حفاظت اور تعلیم وتربیت پر صبر کرے تو اس کا یہ عمل اس کے لئے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائے گا۔ پس یہ ایک بہترین عبادت ہے جو کہ جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ .هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت ہمارے گھر آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں تو اس نے سوال کیا (یعنی کھانے کے لئے کوئی چیز مانگی) لیکن اس نے میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کوئی چیز نہ پائی۔ تو میں نے وہ ایک کھجور اس کو دے دی۔ اس نے اس کو اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کیا اور خود اس نے نہ کھایا۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکل گئی۔ اور جناب نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کے وجہ سے کسی طرح بھی امتحان میں ڈالا گیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

توضیح وتشریح :

اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے غریب و مسکین عورت کا ایک اثر انگیز واقعہ ذکر فرمایا ہے ہمارے ہاں بھی بہت سے فقیر و مسکین عورتیں آتی ہیں۔ بعض بیوائیں ہوتی ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کو کھلانے پلانے اور پرورش کرنے کے لئے کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ تو یہ غریب اور مسکین عورتیں سوال کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ایسے بے سہاروں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی مدد کرنا بڑے ثواب کی بات ہے۔

فلم تجد عندی شیأ غیر تمرة:

یعنی اس عورت نے میرے پاس صرف ایک کھجور کے دانہ کے علاوہ کوئی چیز نہ پائی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب :

علامہ عینیؒ نے یہاں ایک سوال وارد کیا ہے اور وہ یہ کہ عراک بن مالک نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو روایت کی ہے اس میں اس طرح واقع ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی اور وہ اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو تین کھجور دیئے تو اس نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کو خود کھانے کے لئے اٹھایا تو ان دونوں بچیوں نے وہ ایک کھجور بھی اس سے

مانگی، تو اس عورت نے جس کھجور کو وہ خود کھانے کا ارادہ رکھتی تھی اسے بھی دو ٹکڑے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دیا۔ تو مجھے اس کی حالت بہت عجیب لگی (یعنی یہ ایثار مجھے بہت پسند آیا) پس حدیث باب میں ایک کھجور دینے کا ذکر ہے اور اُس روایت میں تین کھجور دینا مذکور ہے تو دونوں روایتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

جواب میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے تو حضرت عائشہؓ کے پاس صرف ایک کھجور تھی تو انہوں نے وہی کھجور اس کو دے دی۔ بعد میں کہیں دو اور بھی پالئے تو وہ دونوں بھی اس کو دے دیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث باب میں حضرت عروہؓ نے جو روایت کی ہے حضرت عائشہؓ سے جس میں ایک کھجور کا ذکر ہے۔ یہ علیحدہ واقعہ ہے اور عراک بن مالک نے جو روایت ذکر کی ہے۔ اور اس میں تین کھجور کا ذکر ہے، وہ علیحدہ واقعہ ہے۔ لہٰذا اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ (تحفۃ الاحوذی) اور یہ آخری توجیہ زیادہ مناسب ہے اور قریب الی الصواب ہے۔

تھوڑی سی نیکی بھی حقیر نہ سمجھو :

فأعطيتها إياها...... الخ : یعنی حضرت عائشہؓ نے وہی ایک کھجور اس کو دے دی۔ اور اس ایک کھجور کو حقیر نہ سمجھا، کہ یہ تو معمولی سی ایک کھجور ہے اس کے دینے سے کیا بنے گا، بلکہ انہوں نے اس ایک ہی کھجور کا صدقہ کر دیا۔ اور پھر اس واقعہ کو دل کھول کر بیان فرمایا تا کہ پوری امت کو پہنچ جائے کہ اگر زیادہ کی طاقت نہ ہو تو معمولی سی چیز صدقہ کرنے میں بھی عار نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ یہ ایک نیک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا بدلہ دے گا۔ اور اس کے اخلاص کے مطابق اجر کو بڑھا دے گا، پس اس کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا مسلمان کے لئے خسارہ اور نقصان ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ :

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ (الزلزال:٧)

(ترجمہ : سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا)

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْبِشِقِّ تَمْرَةٍ . (الحدیث) (ترجمہ: اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہو)

نیز ایک روایت میں ہے : لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئاً (الحدیث)

(ترجمہ: کسی بھی نیک عمل کو ہرگز حقیر اور معمولی نہ سمجھنا)

لہٰذا نہ تو خود کسی بھلائی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست ہے اور نہ دوسروں کے نیک عمل کو معمولی سمجھنا جائز ہے' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ تھوڑا سا نیک عمل اور چھوٹا سا صدقہ' اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہو' بعض منافقین کی منافقت کے اعمال میں سے یہ بھی تھا کہ وہ ان صحابہؓ پر ہنسی ٹھٹھا کرتے تھے جو کہ نادار تھے اور اپنی محنت ومشقت سے تھوڑا کچھ کما کر اللہ کی راہ میں بطور صدقہ پیش کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ التوبہ کی آیت میں ان کے اس عمل کا ذکر فرما کر اس پر ان کے لئے دردناک عذاب کی خبر سنائی۔ مؤمنوں کے لئے ایسے اعمال سے بچنا چاہیے۔

ولم تأكل منها : اس عورت نے اس کھجور سے خود نہ کھایا' یعنی باوجود اس کے کہ وہ خود بھی بھوکی تھی کیونکہ یہ بعید ہے کہ اس کی معصوم بچیاں بھوکی ہوں اور وہ خود سیر ہو مگر خود بھوکی رہ کر اس کھجور کو دونوں بچیوں کو کھلایا۔

من ابتلى بشىء من هذه البنات كن له سترا من النار: یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے اس مسکین عورت کا قصہ سن کر ارشاد فرمایا : من ابتلى......الخ جو شخص ان بیٹیوں کے ذریعہ کسی بھی امتحان میں ڈالا گیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم کی آگ کو روکنے والا حجاب اور پردہ بن جائیں گی۔

ابتلاء میں کامیابی باعث نجات ہے :

اس روایت میں بظاہر بیٹیوں کی وجہ سے امتحان میں مبتلا ہونے کو جہنم سے نجات کا سبب قرار دیا گیا ہے' حالانکہ صرف ابتلاء وآزمائش جہنم سے نجات کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ابتلاء وامتحان پر نجات تب مرتب ہوتی ہے جبکہ اس آزمائش وامتحان میں بندہ کامیاب ہوجائے۔

اور کامیاب تب ہوگا جبکہ امتحان کی گھڑیوں میں شریعتِ مقدسہ کا جو مطالبہ ہو وہ اس کو پورا کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اس کو بیٹیاں دیں' اور ان کی کفالت اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی تو اس حالت میں اس کو شریعتِ مقدسہ یہ حکم دیتی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے

صبر کرے اوران کی تعلیم وتربیت اچھے طریقے سے کرے اوران کے ساتھ حسن سلوک کرے' تو یہ بندہ اس آزمائش میں کامیاب ہوا اور یہ لڑکیاں اس کیلئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی' اس وجہ سے بخاری کی روایت میں اس حدیث میں یہ اضافہ موجود ہے 'فأحسن إليهن '' یعنی جو شخص ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی طرح امتحان میں ڈالا گیا اور پھر اس نے ان سے احسان کیا تو یہ اس کیلئے جہنم سے نجات کا سبب ہوگا' اور احسان ایک جامع لفظ ہے جو کہ ان کو کھلانے پلانے' اچھے طریقے سے تعلیم وتربیت دینے اوران کے ساتھ ہر قسم کی بھلائی کرنے کو شامل ہے اوراس روایت میں اگر چہ احسان وغیرہ الفاظ کا ذکر نہیں لیکن مراد یہاں بھی ہے جو کہ دوسری روایات اور حدیث میں مذکور قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔

تربیت اوراحسان کے لئے موافق شرع ہونا شرط ہے :

احادیث میں جو لڑکیوں کے ساتھ بھلائی اور احسان کی ترغیب دلائی گئی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بیٹی کو مخلوط کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم دلا کر اس کو اسلامی معاشرہ کے لئے فتنہ بنادے' یا بہنوں بیٹیوں کیلئے گھر میں ٹی وی اور ڈش لگا کر ان کی حیا سوزی کی جائے۔ ایسے ماحول کی فراہمی اگر چہ بچیوں کو اچھی لگتی ہو اور وہ اس سے خوش ہو جاتی ہوں لیکن والدین یا متولیین کا فرض ہے کہ ان آلودگیوں سے اپنے اہل وعیال کو بچانے کا اہتمام کریں' ان چیزوں سے اھل وعیال کو خوش رکھنا ان کو گو میں زہر کھلا دینے کے مترادف ہے۔ یہ ان کے ساتھ احسان نہیں ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے ان کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دینا ہے۔ تعجب ہے ان والدین پر کہ وہ مخلوط تعلیم اور ٹی وی' ڈش' کیبل وغیرہ کے ذریعے خود اپنی بچیوں کو فسق و فجور' فحاشی اور بے حیائی کی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں اور امید یہ رکھتے ہیں کہ میری بچی عفت وعصمت والی اور حیادار ہوگی' یعنی اپنی بچیوں کے لئے حیاء وعفت کی پاسداری اس کو پسند تو ہے لیکن وہ خود ان کے لئے فحاشی اور بے حیائی کا ماحول پیدا کر دیتے ہیں۔ اس سے اور زیادہ بے وقوفی کیا ہوگی۔ شر وفساد کی تخم ریزی کر کے ثمر خیر کا طمع رکھنا جہالت ہے ....

ہرآنکہ تخمِ بدی کشت و طمع نیکی داشت
دماغ بیہودہ پُخت و خیال باطل بست

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّاسِبِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دولڑکیوں کی پرورش اور تربیت کا بوجھ برداشت کیا' تو میں اور وہ اس طرح (اکٹھے) جنت میں داخل ہوجائیں گے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوانگلیوں (سبابہ اور وسطی) کو اشارہ فرمایا:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ غَيْرَ حَدِيثٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ و قَالَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ وَالصَّحِيحُ هُوَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ.

یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور تحقیق یہ ہے محمد بن عبید نے محمد بن عبدالعزیز سے اس سند کے ساتھ صرف ایک حدیث روایت نہیں کی ہے (بلکہ بہت سی احادیث روایت کی ہیں) اور سند اس طرح ذکر کی ہے: عن ابی بکر بن عبیداللہ بن انس۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ''عبیداللہ بن ابی بکر بن انس'' ہے۔

توضیح وتشریح:

من عال جاریتین عال یعول تربیت اور خرچ کا بوجھ اٹھانے کے معنی میں آتے ہیں اور عائلہ ان کو کہا جاتا ہے جن کے کھلانے پلانے' کپڑے پہنانے اور رہائش وغیرہ کی ضروریات آپ پر ہوں۔

دخول جنت کے مراحل میں معیت اور اس کا مطلب:

واشار باصبعیه: یعنی جناب رسول اللہ نے اپنی درمیانی اور سبابہ دوانگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ شخص میرے ساتھ اس طرح جنت میں داخل ہوگا۔ ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جنت کو داخل ہونے میں اور اس کی طرف پہل کرنے میں وہ میرے ساتھ ہوگا' اور یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کیساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہوگا۔

مثلاً ایک ریل گاڑی میں سفر کرنے والے ایک ساتھ جانے والے ہوتے ہیں' لیکن ریل کے ڈبے متفاوت ہوتے ہیں' بعض آگے ہوتے ہیں اور بعض پیچھے' بعض میں سہولت زیادہ ہوگی بعض میں کم۔ نیز بعض فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے والے ہونگے اور بعض پیچھے کی سیٹوں پر۔

یعنی مراتب میں فرق پھر بھی موجود ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ سب مسافر ساتھی کہلاتے ہیں اور ایک ساتھ سفر کرنے والے ہیں اور دو انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ کو اشارہ کرنے سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ فرق ان دونوں انگلیوں کے درمیان بھی موجود ہے۔ اور پیغمبر ﷺ کیساتھ یہ مصاحبت بھی اس شخص کے اعزاز واکرام کیلئے کافی ہے۔

اس سے یہ مطلب نہیں کہ بس ایک ہی درجہ میں رسول اللہ ﷺ کیساتھ ہوگا' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: کہ تم کون سا عمل کررہے ہو کہ میں جنت میں آپ کی جوتوں کی آہٹ آگے آگے سن رہا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلالؓ کا مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بڑھا ہوا ہے' بلکہ بڑے رتبے والے آدمی کا خادمِ خاص ان سے آگے آگے چلتا ہے' جیسا کہ آج کل بڑے حضرات کو پروٹوکول دیا جاتا ہے' اور ان کے خدام خاص ان سے آگے آگے چل کر راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ خطرات کا جائزہ لے لیتے ہیں وغیرہ۔ حضرت بلالؓ کا رسول اللہ ﷺ سے جنت میں آگے چلنا بھی خادم خاص ہونے کی حیثیت سے ہے۔

اس طرح بعض حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کی پرورش کرنے والا آدمی میدانِ محشر میں' وزنِ اعمال' حساب کتاب اور پلِ صراط تمام خطرناک مواقف میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوگا' یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور قیامت کے دن کے ہولناک مناظر اور خطرناک مواقف میں جناب رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کیوجہ سے یہ شخص ہر قسم کی دہشت اور خوف وخطر سے محفوظ ہوگا۔ حاصل ان توجیہات کا یہ ہے کہ اس شخص کا جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہونا مراد نہیں ہے بلکہ دخولِ جنت تک کے مراحل میں مصاحبت مراد ہے۔

جنت میں کافل الیتیم کی معیت پرایک اشکال اوراسکا جواب :

لیکن یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہےاوروہ یہ کہ یہ توجیہات حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کے اعتبار سےتو درست ہیں کیونکہ اس حدیث میں "دَخَلْتُ أنَا وَ هُوَالْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ" یعنی دخول فی الجنة کاذکر صراحةً موجود ہے، لیکن آئندہ باب میں یتیم کی پرورش کرنے والے کے بارے میں الفاظ اس طرح وارد ہیں :

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ ......الخ .

تو اس روایت میں دخول جنت کاذکر موجود نہیں ہے، بلکہ "في الجنة" فرمایا ہےجس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا شخص جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اکٹھا رہے گا تو وہاں یہ توجیہات درست نہ ہونگی۔ پس جبکہ یتیم کی کفالت کرنے والا شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں رہ سکتا ہےتو کیا حرج ہے کہ لڑکیوں کی پرورش کرنے والا بھی جنت میں رسول ﷺ کے پاس رہے۔ اورحدیث باب کا بھی یہی مطلب لیا جائے کہ وہ شخص جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا توآنے والے باب کی حدیث میں " في الجنة " کی عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے، " أي في دخول الجنة " یعنی وہاں بھی دخول جنت میں مصاحبت مراد ہےتو حدیث باب کی مذکورہ توجیہات وہاں بھی جاری ہوں گی یا اگر عبارت حذف مضاف کے ساتھ نہ ہوتو أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ" میں اوریتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دوانگلیوں (درمیانی اورسبابہ) کی طرح ہوں گے کا مطلب یہ ہے کہ :

یہ آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوگا اوران کے درمیان کوئی اورنہیں ہوگا جیسا کہ درمیانی اورسبابہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں اوران دونوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں ہے اوریہ توجیہ حدیث باب میں بھی جاری ہوسکتی ہے۔

☆

١٤ : باب مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْيَتِيمِ وَكَفَالَتِهِ

یتیم کے ساتھ رحمت وشفقت اوراس کی پرورش کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالَقَانِيُّ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ وَفِي الْبَاب عَنْ مُرَّةَ الْفِهْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَحَنَشٌ هُوَ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ وَهُوَ أَبُو عَلِيٍّ الرَّحَبِيُّ وَسُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ يَقُولُ حَنَشٌ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ .

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا' جس نے لے رکھا کسی یتیم کو' مسلمانوں کے درمیان میں سے' تا کہ اپنا کھانا پینا اس کو دے' تو اللہ تعالیٰ اس کو بلا شک جنت میں داخل فرماوے گا' مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جس کی بخشش نہ کی جاتی ہو' اور اس باب میں حضرت مرۃ الفھریؓ حضرت ابوہریرۃؓ حضرت ابوامامۃؓ اور سہیل بن سعدؓ سے روایات ہوئی ہیں۔ اور حنش جو ہیں' یہ حسین بن قیس ابوعلی الرحبی ہیں' اور سلیمان التیمی ان کو "حنش" کہا کرتے تھے' اور یہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

توضیح وتشریح :

<u>یتیم کس کو کہا جاتا ہے:</u> یتیم' یتم سے ماخوذ ہے اور یتم کے معنی ہے یکتائی اور تنہائی۔ پس لغت کے اعتبار سے یتیم کا معنی ہے تنہا' اکیلا' اور اس وجہ سے جو چیز بیش قیمت اور بینظیر ہو اسے بھی یتیم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے اوصاف کے اعتبار سے یکتا اور تنہا ہوتی ہے' کہا جاتا ہے کہ بلد یتیم' بے نظیر شہر' درۃ یتیمۃ بیش قیمت اور بے نظیر موتی۔ اور اصطلاح میں یتیم وہ جس کا صغرسنی میں باپ مرجائے اور جانوروں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں مرجائے۔ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مطابقت ظاہر ہے۔

رحمت اور کفالت :

یتیم کے ساتھ رحمت کرنا یہ عام ہے، یعنی رحمت و شفقت مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے، ایک وقت یتیم کو بٹھا کر کھانا کھلا دے، یہ بھی رحمت ہے، ایک جوڑا کپڑے خرید کر یتیم کو دے دے یہ بھی رحمت ہے، پانچ دس روپے کسی ضرورت کے رفع کرنے کے لئے دے دے، یتیم بیمار ہو تو اس کا علاج کرا دے، یہ سب رحمت و شفقت کے مختلف پہلو ہیں اور کفالت بمعنی ضم ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا، ایک قرأت کے مطابق تخفیف کے ساتھ ہے بمعنی ضمها إليه یعنی زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کو اپنے ساتھ لیا اور ان کی پرورش کی۔ یعنی کسی یتیم کو اٹھا کر اپنے گھر لے جائے اور اپنے بچوں کی طرح اس کے کھلانے، پلانے، کپڑے دینے تعلیم و تربیت کرنے اور اس کی تمام ضروریات کی ذمہ داری لے لینا یہ کفالت کہلاتی ہے۔ پس باب ہٰذا میں رحمت کے بعد کفالت کا ذکر، ذکر خاص بعد العام ہے

من قبض يتيما من بين المسلمين: من بين المسلمين اگر یتیماً کے ساتھ متعلق لیا جاوے تو یتیم خاص ہوگا یعنی مسلمان گھرانے کا، اور مطلب یہ ہوگا کہ جس نے کسی ایسے یتیم کو لے رکھا جو مسلمانوں میں سے ہو اور کسی مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اور وہ اس کو کھانا پینا دے کر اس کی پرورش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرماوے گا، اور اگر من بين المسلمين کا تعلق من قبض سے ہو تو اس اعتبار سے یتیم عام ہوگا، خواہ مسلمان ہو، خواہ یہودی، نصرانی وغیرہ غیر مذہب کے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا، کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی نے ایک یتیم کی پرورش کی، خواہ وہ یتیم مسلمان ہو خواہ یہودی ہو یا نصرانی وغیرہ اور اس نے اس یتیم کی پرورش کی تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرماوے گا۔

یتیم پر ماحول کا اثر پڑتا ہے :

دیکھئے دین اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، جو کہ کل عالم کے لئے رحمت ہے، غیر مسلموں کے ساتھ بھی رحمت و ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے، اس حدیث میں گویا غیر مسلم یتیم کی پرورش کرنے پر بھی جنت کی ابدی راحت و نعمت کی خوشخبری دی گئی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر

مسلم یتیم جب ایک مسلمان گھرانے میں پرورش پائے گا تو ماحول کے اثر کی وجہ سے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ بڑا ہو کر وہ مسلمان ہوگا' بچہ عموماً والدین کے دین پر ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ماحول میں بچہ پرورش پاتا ہے اس ماحول سے وہ متاثر ہو کر وہی رنگ پکڑتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ:

کُلُّ مولود یولد علٰی الفرة فابوہ یھودانہ او ینصرانه او یمجسانه .

ہر بچہ کی پیدائش دین فطرت (اسلام) پر ہوتی ہے' پھر اس کے والدین اس کو یہودی و نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔

پس ظاہر ہے کہ جب کسی غیر مسلم یتیم کیلئے دین فطرت کے مطابق اسلامی ماحول میسر ہو جائے تو وہ ضرور مسلمان ہوگا' (ان شاء اللہ تعالیٰ) تو یہ اس پرورش کرنے والے کیلئے مزید بڑی منقبت ہوگی اور باعث اجر عظیم ہوگا۔

ادخله اللّٰه الجنة ألبتة: یعنی اللہ تعالیٰ اس (یتیم کی پرورش کرنے والے) کو ضرور جنت میں داخل فرماوے گا۔ البتة بت بمعنی قطع' یعنی قطعاً اور بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں بھیجے گا۔

إلا أن یعمل ذَنباً لایغفر: مگر یہ کہ وہ آدمی کوئی ایسا جرم کرے جس کی مغفرت نہ ہوتی ہو' اس جرم سے مراد یا تو شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ فیصلہ قرآن کریم میں صادر فرمایا' چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُاَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُمَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ الایة (النساء:۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ یہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور بخشتا ہے اس سے کمتر گناہ جس کے لئے چاہے۔

کفر شرک سے کم نہیں ہے :

شرک کے عدم مغفرت کے متعلق یہ آیت کریمہ سورۃ النساء میں دو جگہ پر آئی ہے' آیت ۴۸ میں بھی یہ حکم مذکور ہے' اور آیت ۱۱۶ میں بھی، آیت ۴۸ کے نیچے حضرت شیخ الہندؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''وَ یَغْفِرُ مَــادُوْنَ ذٰلِکَ'' کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے'' مادون ذلک کا یہ ترجمہ قواعد عربی کے اعتبار سے بھی نہایت درست معلوم ہوتا ہے' اور اس میں ایک باریک

نکتہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے اور وہ دفع ہے اس اعتراض کا جو کہ عموماً اس جگہ وارد ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں شرک کے علاوہ ہر قسم کے گناہ کو قابل معافی قرار دیا گیا ہے۔ پس کفر بھی ایک گناہ ہے جو کہ شرک کے علاوہ ہے۔ تو اس کو بھی قابل معافی مان کر کافر کے لئے بھی مغفرت کی امید رکھنی چاہیے؟

اس اعتراض کا دفع اس طرح ہوتا ہے کہ اعتراض کا منشاء یہ ہے کہ عام اردو تفاسیر میں ''وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ'' کا ترجمہ اس طرح لکھا گیا ہے ''اور بخشتا ہے اس (شرک) کے سوا جسے چاہے'' اور کفر بھی شرک کے سوا ہے' پس اس کی بھی بخشش ہونی چاہیے۔ لیکن مادون ذلک'' کا جو ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ'' تو اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا' کیونکہ کفر شرک سے نیچے درجے کا گناہ نہیں ہے بلکہ وہ شرک سے بڑھا ہوا ہے' اس لئے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سب کو مانتا ہے لیکن غیر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس میں شریک اور حصہ دار ٹھہراتا ہے' جبکہ بعض کافر اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ خود ذات باری تعالیٰ کے منکر ہوتے ہیں' بعض کسی صفت کے منکر ہیں۔ اور بعض صفت اور ذات دونوں کے منکر ہیں۔ پس ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار ہو تو وہ توحید کا انکار ہے' لہٰذا جس طرح شرک قابل معافی جرم نہیں ہے' اسی طرح کفر بھی بطریق اولی ناقابل معافی ہوگا۔ کیونکہ آیت کریمہ میں شرک سے کم درجے کے گناہوں کو قابل معافی قرار دیا گیا ہے جبکہ کفر شرک سے کم نہیں ہے بلکہ یہ شرک سے بڑا جرم ہے۔

مظالم اور حقوق العباد :

اور یا اس جرم سے مراد وہ مظالم ہیں جو اس شخص نے لوگوں پر کئے ہوں یعنی مخلوق پر کئے گئے مظالم کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا جب تک اصحاب حقوق خود معاف نہ کردے، ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کا جمع مراد ہونا ظاہر ہے' کیونکہ (شرک تو بتصریح نص ناقابل معافی جرم ہے) اور اس پر بھی اجماع ہے کہ مجرد یتیم کی پرورش کرنے پر حقوق العباد کی معافی نہیں ہوتی' کیونکہ یتیم کا مال کھانا بھی حقوق العباد میں سے ہے' تو یہ کس طرح تسلیم کیا جاوے گا کہ یتیم کی پرورش کرنے پر اُس کو مال یتیم کے ناجائز طور پر خورد برد کی بھی معافی ہوگی۔

بہترین گھر کون سا اور بدترین کونسا :

وَ فِی الْبَابِ عَنْ مُرَّةَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ جو حضرت ابوہریرہؓ سے اس باب میں مروی ہے وہ ابن

ماجہ نے ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے : خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ.
یعنی مسلمانوں (کے گھروں) میں سب سے بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو۔ اور بدترین گھر مسلمانوں میں وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔ (تحفۃ الاحوذی)

راوی حنش کون ہے :

وحَنش هو حسين بن قيس وهو أبو علي الرحبي : حافظ نے تقریب میں کہا ہے کہ حسين بن قيس الرحبي أبو علي الواسطي اور اس کا لقب حنش ہے۔ وسليمان التيمي يقول حنش یعنی سلیمان التیمی ان کو اپنے لقب حنش کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ و هو ضعيف عندأهل الحديث یعنی یہ حنش محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

امام احمدؒ نے کہا ہے کہ وہ متروک ہے' ابو زرعہؒ اور ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں' لايكتب حديثه یعنی ان کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں ہے' اور سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث نہایت غیر معروف ہیں' اور دار قطنی بھی کہتے ہیں کہ متروک ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِمْرَانَ أَبُو الْقَاسِمِ الْمَكِّيُّ الْقُرَشِيُّ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں دونوں (انگلیوں) کی طرح ہوں گے اور اپنی دو انگلیوں سبابہ اور وسطی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح

حضور ﷺ کی معیت کا موقع غنیمت :

محدث ابن بطالؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: حق على من سمع هذا الحديث ان

یعمل به لیکون رفیق النبی ﷺ فی الجنة ولا منزلة فی الآخرة افضل من ذالک یعنی جس نے یہ حدیث سن لی اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے تا کہ جنت میں وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا رفیق اور آپکا ساتھی بن جائے اور آخرت میں اس سے بہتر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

<u>کھاتین ان دوانگلیوں کی طرح:</u> ان دو انگلیوں کی طرح ہونے کا کیا مطلب ہے: اس کی کچھ تفصیل گزشتہ روایت کے ضمن میں گزر چکی ہے، بخاری میں لعان کے بحث میں یہ روایت مذکور ہے وہاں یہ اضافہ بھی ہے۔ **وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئاً اَیْ بَيْنَ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰی**، یعنی سبابہ اور وسطی دونوں کو ذرا کھول کر جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا، اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مرتبے اور یتیم کی پرورش کرنے والے کے مرتبے کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا جتنا کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان ہے اور یہ اس دوسری حدیث کے مشابہ ہے جس میں مذکور ہے، **بُعِثْتُ اَنَاوَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ.** میں اور قیامت دونوں ان دونوں انگلیوں (سبابہ اور وسطی) کی طرح ہیں، یعنی میرے بعد قیامت بھی قریب آئے گی، اور درمیان میں کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، یعنی مکمل طور پر اتصال مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، اور درمیان میں کوئی اور مرتبہ نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے قریب ہونے کے لئے ہے اور اس کے اثبات کے لئے یہ کافی ہے کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں ہے۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یتیم کی پرورش کرنے والے کا دخول جنت میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہونا، یا اس کے مرتبہ کا جناب رسول اللہ ﷺ کے مرتبے کے ساتھ قرب میں مشابہ ہونا شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جو اپنے دینی امور کی سمجھ نہ رکھتی ہو، پس وہ نبی اس قوم کی تربیت ان کی تعلیم وارشاد کر کے ان کو راہ راست پر لے آتے ہیں، اسی طرح یتیم کی پرورش کرنے والا بھی ایسوں کی کفالت اور پرورش کا ذمہ اٹھالیتا ہے جو کہ اپنے دینی امور بلکہ دنیوی امور کو بھی نہیں سمجھتے۔ پس یہ شخص ان کی پرورش کر کے ان کو تعلیم اور ادب دیتا ہے، پس دونوں کے درمیان مناسبت ظاہر ہے۔

۱۵ : باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان

بچوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ الْبَصْرِيُّ ثَنَا عُبَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ زَرْبِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوَسِّعُوا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا وَ فِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَزَرْبِيٌّ لَهُ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھا آدمی جناب رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے ارادے سے آیا' تو قوم (حاضرین) نے اس کیلئے جگہ چھوڑنے میں سستی اور تاخیر سے کام لیا' تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم میں سے نہیں ہے جو کہ ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے' اور ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے: اور اس باب میں عبداللہ بن عمروؓ ' ابو ہریرہؓ ' ابن عباسؓ اور ابوامامہؓ سے روایات ہوئی ہیں' اور زربی کے لئے بہت سے منکر احادیث موجود ہیں جو کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ سے روایت کی ہیں۔

توضیح وتشریح:

چائلڈ لیبر اور انسانی حقوق میں مغرب کا دوہرا معیار: مغرب یورپ کے خوش کن نعروں میں سے ایک نعرہ جو کہ وہ میڈیا کے ذریعے دنیا پر روشناس کرا رہا ہے' یہ ہے کہ کم عمر لڑکوں' لڑکیوں یعنی بچوں سے محنت مزدوری کرانا درست نہیں ہے' گویا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار ثابت کرنے کے لئے چائلڈ لیبر کے خوش کن نعرے سے خود کو بچوں کے خیر خواہ ہونے سے متعلق دنیا کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن خوش نما پردوں میں چھپا ہوا ان کا مکروہ چہرہ اب بے نقاب ہو چکا ہے کہ بلاجواز افغانستان اور عراق پر جارحیت کر کے لاکھوں بے گناہ بچوں' بوڑھوں' مردوں اور عورتوں پر آگ اور لوہے

کی بارش برسا کر انہیں جل بھن کر راکھ کر دیا۔ فلسطینیوں پر مظالم ڈھانے اور عرب مسلمانوں پر زمین تنگ کرنے کے لئے اسرائیل کی پوری طرح تربیت کر رہا ہے اور بے گناہ مسلمانوں کے خون بہانے کے لئے اسے ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس کیا جارہا ہے۔ نظریہ ضرورت کے تحت امریکہ اپنے مفادات کی خاطر اور حرص ولالچ کی وجہ سے تمام تر دعدے، بین الاقوامی اصول اور عدل وانصاف کے تقاضے بھول جاتا ہے اور جارحیت کا رخ اختیار کر لیتا ہے اور پھر (الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے) مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ ان کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے اور کم سن بچوں سے مزدوری کرواتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان تو چھوٹوں پر رحم کرنا عبادت سمجھتا ہے' وہ کبھی بھی بچوں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کو چھوٹوں پر رحم کرنے کا درس دیا ہے' اور آپ ﷺ نے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا ادب نہ کرنے والوں سے براءت کا اعلان فرمایا ہے۔ البتہ اگر بچہ کسی ایسے آسان کام سے جو کہ وہ بلا مشقت کر سکتا ہو اپنے والدین کا ہاتھ بٹائے تو یہ کونسا ظلم ہے؟؟ پھر اس کا بھی اصل ذمہ دار امریکہ ہے۔ کیونکہ امریکہ اسلامی دنیا کے اقتصادیات پر قابض ہے' اور اس طریقے سے اسلامی ممالک کو نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ مالی زبوں حالی اور اقتصادی کمزوری کی وجہ سے بوڑھے اور بچے سب محنت اور مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں' اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی مکار اور چالباز آدمی پانی کی ٹینکی کے مرکز میں بڑا نلکا لگا کر سارا پانی اپنے گھر لے جائے اور پھر ٹینکی کے قریب کھڑے آدمی سے کہہ رہا ہو کہ تو ظالم ہے' تو بچوں کو پانی کیوں نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ بے چارہ تو خود بھی پیاسا کھڑا ہے اور قطرے قطرے پانی کیلئے ترس رہا ہے۔ اور اس ٹینکی سے اس کو اپنی پیاس بجھانے کیلئے بھی پانی برآمد نہیں ہوتا تو وہ بچوں کو کہاں سے پانی پلاوے گا۔

یہی کھیل آج کل عالم اسلام کے ساتھ کھیلا جارہا ہے کہ اکثر اسلامی ممالک کو سرمایہ دارانہ سودی نظام میں دبا کر ان کا خون چوسا جارہا ہے اور بعض ممالک کو دوسرے طریقوں سے معاشی مسائل میں پھنسا کر ان کی معیشت پر خود قابض ہے پھر الٹا ان کے خلاف ظالم ہونے اور حق تلفی کرنے کے پروپیگنڈے کر رہا ہے۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرماوے)

بوڑھوں کا احترام:

فأبطأ القوم أن یو سعوا له: صحابہ کرامؓ نے اس بوڑھے کیلئے جگہ نکالنے میں تاخیر کی اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریب بیٹھنے میں حریص تھے ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی تھی کہ جناب رسول کریم ﷺ کے ساتھ قریب بیٹھ جائے۔ قریب سے انکے چہرہ انور کی زیارت کرے اور قریب سے آپ ﷺ کی باتیں سن لے۔ اس وجہ سے اس بوڑھے جو کہ رسول اللہ ﷺ سے ملنا چاہتا تھا کو جگہ چھوڑنے میں تاخیر کی جیسا کہ دورۂ حدیث کے طلبہ کرام سال کے اول میں استاذ کیساتھ قریب جگہ حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے کیساتھ جھگڑتے بھی ہیں۔ یہ حصول خیر میں ایک دوسرے سے سبقت لینا ہے۔ فَبِذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْن.

لیکن جب ایک بوڑھا اور ضعیف آدمی جناب رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آرہا تھا تو اس کا بھی حق بنتا تھا کہ اس کے لئے جگہ چھوڑ دیتے اور اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنتے۔ اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے تعلیم اور تنبیہ کے لئے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَ نَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا.

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کہ ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا''

یورپ میں بوڑھوں سے برا سلوک:

اسلام نہایت پاکیزہ معاشرتی زندگی کی تعلیم دیتا ہے جس میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں اور ہر قسم کے بے سہارا لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خصوصاً صلہ رحمی پر زور دیا گیا ہے یورپی ممالک میں بوڑھوں کا برا حال ہوتا ہے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان ''اولڈ ہاؤس'' "Old House" بنا ہوا ہوتا ہے جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اس جگہ لا کر اُسے چھوڑ دیتے ہیں وہ بیچارہ اپنے خاندان اور رشتہ داروں سے کٹ جاتا ہے حکومت کی طرف سے کوئی خادم مقرر ہوتا ہے جو کہ اس کی روٹی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے بیٹا سال بھر میں کی ایک دن عید وغیرہ میں باپ سے ملاقات کے لئے آتا ہے اور تحفے میں کچھ پھول وغیرہ ساتھ لاتا ہے پھر آئندہ سال تک وہ بے چارہ بیٹے کے ساتھ ملاقات کا منتظر رہتا ہے۔ اگر اس حالت میں مرجائے تو ملازمین اس کے کفن دفن کا انتظام کر لیتے ہیں۔ اپنوں کی محبت اور رحمت سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایسی

ذلت کی زندگی اور بے رحم معاشرہ سے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا.

ترجمہ : عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ (شعیب) عمرو کے دادا (یعنی اپنے والد) سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑوں کی مجد وشرف اور تعظیم کو نہ پہچانا۔

حکم رحمت واحترام خاص ہے یا عام :

توضیح وتشریح

من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف شرف کبیرنا : ظاہر تو یہ ہے کہ ضمیر متکلم مسلمین سے کنایہ ہے یعنی جو شخص ہمارے مسلمانوں کے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ''مسلمان بڑوں اور بزرگوں'' کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں اس اعتبار سے یہ حکم مزید اہتمام کے لئے ہے یعنی ان چھوٹوں پر رحم کرنا جو کہ مسلمان ہوں اور ان بڑوں کا ادب واحترام کرنا جو کہ مسلمان ہوں اسکا زیادہ تاکید کے ساتھ حکم دیا جارہا ہے ورنہ فی الجملہ کافر بچوں اور چھوٹوں پر رحم نہ کرنا اور کافر بوڑھوں کا احترام نہ کرنا بھی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اور ناجائز ہے۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ مسلم بچوں چھوٹوں اور مسلم بوڑھوں کے ساتھ ترک شفقت وادب پر مذکورہ وعید سنائی گئی ہے اور غیر مسلم چھوٹوں کے ساتھ ترک رحمت وشفقت اور غیر مسلم بوڑھوں کے ساتھ ترک ادب بھی اگرچہ خلاف تعلیم شرع ہے لیکن اس پر یہ وعید نہیں ہے۔

اور بعض محدثینؒ حضرات کے نزدیک صغیرنا اور کبیرنا میں ضمیر متکلم آدمیین سے کنایہ ہے اس اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ہم بنی نوع انسان کے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بنی نوع انسان کے بڑوں کا احترام نہ کرتا ہو تو وہ ہم میں سے نہیں۔ پس اس تفسیر کے مطابق یہ حکم مومن اور کافر سب

کوشامل ہے'اسلام دین رحمت ہے' جس میں مسلم' غیر مسلم تمام نوع انسانی کے لئے بلکہ حیوانات و جمادات تک کے لئے رحمت کا پیغام موجود ہے' اور اسی میں تمام انسانیت کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

قابل احترام بڑے کون ہیں؟

ولم یعرف شرف کبیرنا: ہمارے بڑے' یہ لفظ عام ہے جوان اور بوڑھے سب کو شامل ہے' نیز جو کہ عمر کے لحاظ سے بڑا ہو یا علم اور کمال کے اعتبار سے سب کا احترام لازم ہے' وضاحت اس کی یہ ہے کہ کوئی آدمی عمر رسیدہ اور بوڑھا ہو تو اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسکا ادب واحترام کریں' نیز جو آدمی آپ سے عمر میں زیادہ ہو وہ بھی ''کبیر'' ''بڑے'' کے مفہوم میں داخل ہے' اگرچہ بوڑھا نہ ہو' یعنی ہر کسی پر لازم ہے اپنے آپ سے زیادہ عمر والے کا احترام کرے خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان۔ نیز جو عمر کے لحاظ سے بڑا ہو یا علم وکمال کے لحاظ سے سب کا احترام لازم ہے' علم کے اعتبار سے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑائی بخشی ہو وہ عمر رسیدہ بوڑھوں کی بہ نسبت زیادہ قابل احترام ہیں' بلکہ بوڑھوں پر بھی نوجوان عالم دین کا احترام لازم ہے' اس وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے' کہ بے علم بوڑھے کو جائز نہیں ہے کہ وہ جوان عالم دین سے راستے میں آگے چلے۔ نیز جو منصب کے اعتبار سے بڑے ہوں ان کا بھی احترام لازم ہے۔

چنانچہ نماز جنازہ پڑھانے میں بادشاہ اور قاضی وغیرہ سب سے زیادہ حقدار ہیں' اس کی وجہ فقہاء کرام نے یہی لکھی ہے کہ اُولوالامر کی تعظیم واجب ہے' اور ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا آدمی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو یہ ان کی تعظیم کے خلاف ہے۔ اسی طرح تمام معزز عہدوں پر فائز لوگ مثلاً ملک کا سائنسدان' ملک کا پائلٹ' وغیرہ اور معاشرہ کے دیگر معزز لوگ علاقے کے بزرگ سب قابل احترام ہیں۔ نیز اعزاز واحترام میں فرق مراتب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے' جو زیادہ معزز ہو اس کا زیادہ احترام کرے اور جو اس سے کم معزز ہو تو اس کی حیثیت کے مطابق اس کو بھی عزت دیں حدیث میں ہے: حضرت عائشہؓ نے کسی ایک محتاج کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے کر رخصت کیا' دوسرے موقع پر کوئی دوسرا آدمی آیا جو کہ نسبتاً معزز معلوم ہو رہا تھا' حضرت صدیقہؓ نے اس کو عزت سے بٹھا کر اسے خوب کھلایا۔ اس فرق کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو جواب میں حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَنْزِلُوا النَّاسَ

مَنَازِلَهُمْ، یعنی لوگوں کوان کی حیثیت کے مطابق مرتبہ اور مقام دو۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا' ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرتا ہواور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرتا ہو۔اور جو نیکی کا حکم نہ دیتا ہو اور برائی سے نہ روکتا ہو...... یہ حدیث غریب ہے۔اور محمد بن اسحاق کی حدیث جوانہوں نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے'وہ حسن صحیح ہے'اور عبداللہ بن عمروؓ سے اس مذکور طریق کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے۔

توضیح وتشریح:

ویوقر کبیرنا الخ۔ یوقر' یامر اور ینه تینوں افعال جزم کے ساتھ ہیں'اور یرحم پر عطف ہیں' اور ہرایک کے ساتھ لَم جازم مقدر مانا گیا ہے۔اَیْ وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔اوراوپر ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

احترام اکابر موجودہ دور کا ماضی سے موازنہ :

دور حاضر کی بنسبت پہلے زمانے میں بڑوں کے ادب کا اسلامی معاشرہ میں بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا' گاڑی کی سیٹ پر بیٹھا ہوا کوئی نوعمر اور نوجوان جب کسی معمر بزرگ سفید ریش آدمی کو دیکھ لیتا کہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کھڑا ہے تو وہ نوجوان فوراً اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہو جاتا تھا اور اس بوڑھے کو اپنی سیٹ پر بٹھا دیتا تھا۔سگریٹ پینے والا نوجوان' بڑوں کے سامنے سگریٹ نہ پیتا تھا' نسوار ڈالنے والے بڑوں کے سامنے نسوار نہیں ڈالتے تھے' ہم عمر نوجوان آپس میں بڑوں کے سامنے گپ شپ نہ لگاتے جو بڑوں کے

سامنے مناسب نہ ہو۔

یہ اچھی صفات نوجوانوں میں پائی جاتی تھیں جن کی بنیاد ادب اور حیا پر قائم تھی' لیکن آج کل انگریزی تعلیم اور یورپی تہذیب عام ہونے کی وجہ سے اور ٹی وی' وی سی آر اور ہر قسم کے فواحش کی بہتات کی بدولت ادب وحیاء کا جنازہ نکل گیا' اور یہ تمام چیزیں ختم ہونے کو ہیں، اگر مسلمانوں کی غفلت کی یہی حالت رہی تو رہی سہی باقیات بھی ختم ہو جائیں گی۔ اَعَاذَنَا اللّٰہ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اگر حکومت ادا نہ کرے تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری؟

ویامر بالمعروف وینه عن المنکر یعنی ہم میں سے نہیں وہ شخص جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرتا ہو' اس حدیث میں امر بالمعروف (نیکی کا حکم) اور نهی عن المنکر (برائی سے روکنے) کو ترک کرنے پر بھی "لیس منا" "ہم میں سے نہیں" کی وعید سنائی گئی ہے' اس کے علاوہ بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ "عَلٰی صَاحِبِهَا اَلْفَ اَلْفَ سَلَامٍ وَ تَحِیَّة" سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر ہر فرد پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض اور ضروری ہے اور باوجود استطاعت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک مجرم اور گنہگار ہے۔ علاوہ ازیں ایک ایسی مستقل جماعت کو تشکیل دینا امت پر فرض کفایہ ہے' جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہے' اس جماعت کی تشکیل دراصل حکومت کی ذمہ داری ہے' حکومت اس کام کے لئے مناسب اشخاص کی جماعت بنا کر یہ فریضہ انجام دے' لفظ "امر" اور "نھی" خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس جماعت کی تشکیل حکومت کی طرف سے ہو' جو کہ قوت قاھرہ کے ساتھ یہ فریضہ بجالاتی ہو' کیونکہ امر دراصل اولوالامر کا کام ہے' اور آیت قرآنی بھی اس پر دال ہیں۔ لیکن اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو اس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوگی' کہ اس جماعت کو قائم کر کے اس فریضے کو انجام دیتے رہیں' کیونکہ اس جماعت کا قیام امت کے اجتماعی بقاء اور ملی حیات کے لئے ناگزیر ہے' اور ہر ایسا اجتماعی حکم جو کہ حکومتی فرائض میں

سے ہو اور اس حکم کو بجالانا اس امت کی اجتماعی ضرورت ہو تو حکومت کی اُس سے غفلت کرنے کی صورت میں اس کو بجالانے کا فریضہ عام مسلمانوں پر ان کی استطاعت کی حد تک عائد ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ".

معروف اور منکر سے کیا مراد ہے ؟

معروف سے مراد وہ تمام بھلائیاں ہیں جن کا شریعت نے حکم دیا ہو اور ان کا بھلائی اور نیکی ہونا دین اسلام میں معروف ومشہور ہو اسی طرح جانے پہچانے امور خیر کو معروف کہا جاتا ہے اور منکر سے مراد وہ تمام برائیاں ہیں جن کو اسلام نے منع فرمایا ہو اور وجود وثبوت کے اعتبار سے وہ دین اسلام میں بالکل ناآشنا اور غیر معروف ہوں۔

اجتہادی مسائل کو میدانِ جدال نہ بنایا جائے :

پس اس موقع پر بھلائی اور برائی کو معروف اور منکر سے تعبیر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف ان امور میں ہونا چاہیے جن میں واضح طور پر شریعت مقدسہ کی خلاف ورزی ہو اور کرنے والا کسی معتبر دلیل شرعی سے اس کو مشروع نہ سمجھتا ہو لہٰذا اجتہادی مسائل میں کوئی جانب بھی منکر نہیں ہے جبکہ ان میں اجتہاد کی شرائط موجود ہوں تو اجتہادی اختلاف مذموم اختلاف نہیں ہے "اِخْتِلَافُ أُمَّتِيْ رَحْمَةٌ" میں اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس قسم کے مسائل میں بھی اگرچہ حق عند اللہ ایک ہی جانب ہے اور متعین ہے لیکن یہ اختلاف بھی اسی حق کی تلاش میں واقع ہوا ہے اس وجہ سے مجتہد اگر حق کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد میں خطا ہو جائے تب بھی اس پر گناہ نہیں بلکہ ایک اجر تو اس کو ملے گا اور یہ آخرت کا معاملہ ہے وہاں بات واضح ہو جائے گی اور دنیا میں دونوں جانب ثواب اور خطا کا احتمال موجود ہے لہٰذا کسی ایک مجتہد کو برحق جان کر یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی مسئلہ حق ہے لیکن جانب مقابل کو منکر سمجھ کر اس پر نکیر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہے۔

"لیس منا" کی تفسیر وتشریح :

ایک فقہی مسئلہ :

اس وجہ سے فقہاء کرام نے وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی مُجْتَهَدْ فِيْهَا مسئلہ میں کوئی قاضی اپنے اجتہاد کے مطابق (جبکہ قاضی مجتہد ہو) یا اپنے امام کے مسلک کے مطابق فیصلہ صادر کرے تو دوسرے مسلک والا قاضی اس فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا۔ اگر چہ وہ اس کے مسلک کے مطابق غلط ہو بلکہ اس دوسرے قاضی کے ذمہ لازم ہے کہ اس فیصلہ کو جاری و نافذ کرا دے۔ کیونکہ مشہور قاعدہ ہے: "اَلْاِجْتِهَادُ لَا يُنْقَضُ بِمِثْلِهٖ یعنی ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد سے نہیں توڑا جاسکتا اور اس صحت کے ضمن میں علامہ شامیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ:

"لَا حَاجَةَ اِلَى التَّقْلِيْدِ مَعَ الْقَضَا" یعنی جب کسی مجتہد فیہا مسئلہ میں قاضی کا فیصلہ کسی ایک مذہب کے مطابق صادر ہو جائے تو اس قاضی کے زیر ولایت تمام مسلمانوں پر حکم قاضی کے مطابق عمل کرنا لازم ہے، اور ان مسلمانوں کو قاضی کے فیصلے کے خلاف اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کی تقلید چھوڑ کر حکم قاضی کے مطابق عمل کرے۔ حکم قاضی کے ساتھ پھر تقلید کی ضرورت نہیں رہتی۔

آج کل بعض مولوی حضرات اس قسم کے اجتہادی مسائل کو میدان جدال بنا کر مسلمانوں کے درمیان بغض، حسد، اور افتراق وانتشار پیدا کرتے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس کو سب سے بڑا جہاد، قربانی، اور حق گوئی کہا جاتا ہے، اس کے برعکس صریح منکرات اور فواحش کی روک تھام کیلئے بہت کم کوشش کی جاتی ہے۔

اس باب میں تین احادیث لائی گئی ہیں، اور ہر ایک میں "لیس منا" کا جملہ ذکر ہوا ہے، اس مناسبت سے امام ترمذیؒ اس جملہ کی تفسیر اور وضاحت کے لئے بعض محدثین حضرات کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا لَيْسَ مِنْ

سُنَّتِنَا يَقُولُ لَيْسَ مِنْ أَدَبِنَا و قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يُنْكِرُ هَذَا التَّفْسِيرَ لَيْسَ مِنَّا لَيْسَ مِثْلَنَا .

ترجمہ: بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ''لیس منا '' کا مطلب یہ ہے کہ (یہ کام) ہماری سنت اور ہمارا طریقہ نہیں' اور کہتے تھے کہ ہماری ادب اور تعلیم سے نہیں' اور علی بن المدینی کہتے ہیں' کہ یحیی بن سعید نے کہا کہ سفیان ثوریؒ اس تفسیر کو ناپسند فرماتے تھے' لیس منا' ہماری طرح نہیں۔

اس کے علاوہ امام نوویؒ نے فرمایا کہ سفیان بن عینیہؒ بھی ان لوگوں کے قول کو برا مانتے تھے جو کہ ''لَيْسَ مِنَّا '' کی تفسیر ''لَيْسَ عَلىٰ هَدْيِنَا' 'یعنی ہماری سنت پر نہیں' کے ساتھ کرتے تھے'اور فرماتے تھے کہ یہ تاویل مناسب نہیں بلکہ اس جملہ کی تفسیر اور تاویل سے روکنا چاہیے' تا کہ دلوں میں اس کی ہیبت قائم رہے اور اس کام سے بچنے کی شدت برقرار رہے۔

یعنی اس لفظ کے کہنے سے مراد اس مجرم کو دین سے نکالنا نہیں' لیکن اس لفظ کو ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس قسم کے فعل کے ارتکاب سے منع کرنے میں مبالغہ ہو جائے۔ پس اس لفظ کو اپنے ظاہر کے مطابق چھوڑنا چاہیے' اس کی تاویل و تفسیر کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس جملہ کے ظاہری الفاظ میں جو شدت اختیار کی گئی ہے' وہ ڈرانے کے لئے ہے اور شارع کا اصل مقصود بھی یہی ڈرانا اور مخاطبین کو خوف دلانا ہے کہ وہ اس کام کے کرنے سے مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہونے کا خطرہ محسوس کرے اور اس وجہ سے وہ برا کام چھوڑ دے اور اس جملہ کی تاویل و تشریح کرنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے' اس وجہ سے بعض اکابر محدثین نے اس قسم کی تفسیر سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

☆

١٦ : باب مَا جَاءَ فِی رَحْمَةِ النَّاسِ

عام لوگوں کے ساتھ رحم دلی کا بیان

حَدَّثَنَا بُنْدَار ثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیدٍ عَنْ إِسْمَعِیلَ بْنِ أَبِی خَالِدٍ ثَنَا قَیْسُ بن اَبِیْ حَازِمٍ ثَنِیْ جَرِیرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ لا یَرْحَمُ النَّاسَ لَا یَرْحَمُهُ اللَّهُ). هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَفِی الْبَاب عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَأَبِی سَعِیدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِی هُرَیْرَةَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس نے لوگوں پر رحم نہ کیا' اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے' اس باب (لوگوں کے ساتھ رحمت کے بارے) میں عبدالرحمان بن عوفؓ ابوسعیدؓ ابن عمرؓ ابوہریرۃؓ' اور عبداللہ بن عمروؓ سے روایات ہوئی ہیں۔

توضیح وتشریح :

امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا' یعنی یہ حدیث صحیح ہے' اور اس کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کی ہے۔

وفی الباب عن عبدالرحمٰن بن عوف' یعنی اس باب سے متعلق حدیث عبدالرحمان بن عوفؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ اور عبدالرحمان بن عوفؓ کی حدیث امام ترمذیؒ نے اس سے پہلے باب قطیعة الرحم میں ذکر کی ہے۔ (وابی سعید) اور حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث بھی امام ترمذیؒ نے "باب الریاء والسمعة" میں ذکر کی ہے۔ اور حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ دونوں حضرات کی روایتیں اسی باب میں آگے آرہی ہیں۔

اسلام تمام روئے زمین پر رہنے والوں کے لئے امن اور رواداری کا مذہب :

مَنْ لَّمْ یَرْحَمِ النَّاسَ لَایَرْحَمُهُ اللّٰه جولوگوں پر رحم نہ کرے' اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا'

اور یہ روایت بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، "مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ" جو رحم نہ کرے گا اس پر رحم نہ کیا جاوے گا۔ اور طبرانیؒ کی روایت میں اس طرح آیا ہے: مَنْ لَّا یَرْحَمُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا یَرْحَمُهٗ مَنْ فِی السَّمَاءِ: یعنی جو شخص رحم نہیں کرتا تمام ان لوگوں پر جو کہ زمین پر رہتے ہیں۔ تو رحم نہیں کریگا اس پر وہ ذات جو کہ آسمان میں ہے، بعض دیگر اس قسم کی روایتیں اس باب میں آگے ذکر ہونے والی ہیں۔

محدث ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام مخلوق کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس میں مؤمن وکافر اور مملوک وغیر مملوک جانور سب داخل ہیں' جناب رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے' اور آپ ﷺ نے بھی رحمت کا پیغام پورے عالم کے لئے سنایا' دین اسلام میں غیر مسلم اقوام کے حقوق کا تحفظ بدرجہ اتم موجود ہے' اور تمام اقوام عالم کی بھلائی اسی میں ہے' کیونکہ ہر کسی کے ساتھ عدل وانصاف' کسی کے ساتھ ظلم نہ کرنا' قیام امن اور حقوق کا تحفظ دین اسلام کے اصل الاصول ہیں۔

جہاد یا دہشت گردی :

کفار کے ساتھ قتال کا حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ کفر فتنہ بن کر اسی نظام عدل کو نقصان پہنچاتا ہو' اور امن عالم کو درہم برہم کر کے حقوق کو پامال کرتا ہو' تو اس فتنہ کے دفع کرنے کے لئے دین اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے' پھر جہاد کے لئے بھی اسلام کے زرین اصول ہیں' کہ عین جنگ کے دوران بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال نہ ہونے دیں، ظلم وحق تلفی سے اجتناب کیا جاوے۔ لیکن یورپ اور امریکہ اسی حکم جہاد کی وجہ سے دین اسلام کو تشدد اور دہشت گردی کا مذہب قرار دے رہا ہے اور میڈیا پر اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کر رہا ہے۔

یہود ونصاریٰ کے ظلم وبربریت کو کیوں دہشت گردی نہیں کہا جاتا ؟

حالانکہ اس کے برعکس یہود ونصاریٰ، مذہبی تعصب کے بنا پر بھی اور اس کے علاوہ حرص ولالچ کی غرض سے وسائل پر' دوسروں کو محروم کر کے خود قابض ہونے کے لئے بھی مخلوق خدا کا بے تحاشا قتل عام کر دیتے ہیں' اور ہزاروں لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں' لیکن نہ تو ان کے

خلاف پروپیگنڈا ہورہا ہے اور نہ کوئی ان کو دہشت گرد کہتا ہے' بلکہ امریکہ ان تخریب کاریوں میں' خصوصاً جبکہ عالم اسلام کے خلاف ہوں' ان کی پشت پناہی کرتا ہے' پس ظاہر ہے کہ دین اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنا امریکہ کی روایتی دروغ گوئی اور اسلام دشمنی بلکہ انسانیت دشمنی پر مبنی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا أَبُو دَاوُدَ ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ كَتَبَ بِهِ إِلَيَّ مَنْصُورٌ وَقَرَأْتُهُ عَلَيْهِ سَمِعَ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، أَبُو عُثْمَانَ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يُعْرَفُ اسْمُهُ وَيُقَالُ هُوَ وَالِدُ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ الَّذِي رَوَى عَنْهُ أَبُو الزِّنَادِ وَقَدْ رَوَى أَبُو الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ حَدِيثٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے' رحمت کو چھین کر نہیں نکالا جاتا مگر بدبخت اور محروم سے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے' اور وہ ابوعثمان جس نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے' ہمیں اس کا نام معلوم نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس موسیٰ ابن ابی عثمان کے باپ ہیں' جن سے ابوالزناد نے روایت کی ہے اور یقیناً ابوالزناد نے موسیٰ ابن ابی عثمان سے' انہوں نے اپنے والد (ابوعثمان) سے' انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے (یعنی ابوالزناد نے اس سند کے ساتھ) بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔

توضیح وتشریح :

لَاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّامِنْ شَقِيٍّ : یعنی بدبخت ہی کے دل سے رحمت چھین لی جاتی ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت مخلوق میں دل کی نرمی ہے۔ اور دل کا نرم ہونا ایمان کی علامت ہے' پس جس کے دل میں رقت (نرمی) نہ ہو اس میں ایمان نہیں اور جس میں ایمان نہ ہو وہ شقی اور بدبخت ہے' پس معلوم ہوا کہ جس کے دل سے رحمت اور نرمی چھین لی جاوے وہ شقی اور بدبخت ہوگا۔

ارشادِ ربانی ہے: وَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ. (الاية) ترجمہ: اور جولوگ شقی اور بد بخت ہیں وہ جہنم میں ہوں گے۔

یعنی شقی لوگوں کی جگہ جہنم ہے اور دل سے رحمت نکل جانا سبب ہے شقاوت کا' پس مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ رحم دل اور نرم خو رہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي قَابُوسَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحم کرنے والے جو ہیں ان پر رحمٰن (بے حد مہربان ذات) رحم کرے گا۔ رحم کرو تم زمین والوں پر' رحم کرے گا تم پر آسمان والا۔ رحم مشتق ہے رحمٰن سے۔ پس جس نے (رحم کو) ملایا' اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) ملادے گا۔ اور جس نے اس (رحم) کو قطع کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) قطع کر دے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

ابوقابوس: یہ اسم غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب عجمہ اور علمیت موجود ہیں۔ اور یہ ابوقابوس حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ: رحم کرنے والے جو ہیں ان پر بے حد مہربان (اللہ) رحم کرے گا یعنی جو لوگ زمین پر رہنے والے بنی آدم' حیوانات چرندوں پرندوں اور تمام چیزوں سے رحمت وشفقت' احسان اور ہمدردی کا سلوک کرتے ہیں تو انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ جو کہ بے حد مہربان ذات ہے' رحم کرے گا' یعنی ان کو اپنے احسانات وانعامات سے نوازے گا۔

تمام مخلوقات پر رحم: اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ تم زمین والوں پر رحم

کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ پس جس طرح کہ آسمان وزمین کا فرق ہے اسی طرح آسمان والے کا رحم وکرم بھی بندوں کے رحم وکرم کے مقابلے میں بہت زیادہ اور وسیع وعریض ہوگا۔ یہاں بھی من فی الارض فرما کر عموم کا صیغہ استعمال کیا' علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ مخلوقات کے تمام اقسام کو شامل ہو کہ رحم کرے وہ نیک و بد' انسان وحیوانات اور وحوش وطیور سب پر من فی الارض میں اگرچہ لفظ "مَن" ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔لیکن مراد صرف ذوی العقول یعنی انسان نہیں بلکہ غیر ذوی العقول حیوانات وحوش وطیور سب مراد ہیں۔ پس لفظ "مَن" کا استعمال (اس مقام پر) ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر تغلیب کی بناء پر ہے۔ کیونکہ زمین پر رہنے والے انسانوں اور حیوانات چرندوں پرندوں تمام چیزوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے' اور اس بندے کو اپنے احسانات اور انعامات سے نوازتا ہے۔

یرحمکم من فی السماء: یرحمکم کا صیغہ جواب امر ہونے کی بناء پر مجزوم ہے' یعنی رحم کرے گا تم پر وہ جو آسمان میں ہے۔

وجود باری تعالیٰ مکان کا محتاج نہیں :

من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کے لئے ظرف اور مکان ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ آسمان چونکہ بلندی پر ہے' لہٰذا من فی السماء اللہ تعالیٰ کے عالی شان ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت سے منزہ ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور قدیم ہے جبکہ مکان مخلوق ہے اور حادث ہے اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے مکان کو پیدا نہ کیا تھا اس وقت بھی باری تعالیٰ موجود تھے۔ پس ثابت ہوا کہ وجود باری تعالیٰ کیلئے مکان کی حاجت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے۔ یا من فی السماء سے مراد فرشتے ہیں۔یعنی وہ فرشتے جو آسمان میں رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ تم زمین والی مخلوقات پر رحم کرو۔آسمان والی مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم پر رحم کریں گے۔اور فرشتوں کے رحم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس قسم کے بندوں کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں' جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے :

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا ، رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ٥

ترجمہ: وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں، تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کیساتھ اور اپنے رب پر ایمان لاتے ہیں اور بخشش طلب کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر چیز کو وسیع ہے۔ پس تو بخش ان لوگوں کو جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے دین (کے راستے) پر چلتے ہیں اور بچاؤ! ان کو عذاب جہنم سے۔

الرحم شجنة من الرحمن:۔ شجنة اصل میں درخت کی جڑوں یا شاخوں کو کہا جاتا ہے۔ جو کہ ایک دوسرے میں داخل ہو کر چپک جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو کر گچھا بن جاتے ہیں حاصل معنی یہ ہے کہ رحم مادر ایک ایسی قرابت ہے مختلف شاخوں والی ہے جو کہ ایک دوسری سے ملی جلی ہیں اور ایک دوسرے سے خلط ملط ہیں اور بہت مشقت اور کوشش کے بغیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں گویا فطرتاً اللہ تعالیٰ نے اس میں جوڑ رکھا ہے توڑ کو قبول نہیں کرتیں۔

من الرحمٰن یعنی اس قرابت کا نام (رحم) رحمٰن کے نام سے ماخوذ ہے۔ یعنی ان دونوں کے نام کا مادہ اشتقاق ایک ہے، پس اس کو رحمٰن سے تعلق ہے، کیونکہ رحم اور رحمٰن دونوں (رحمت) سے ماخوذ ہیں۔ اس وجہ سے جو شخص رحم کو قطع کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے منقطع ہو جاتا ہے اس لئے آخر میں فرمایا۔ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰهُ ۔ پس جس نے اس قرابت (رحم) کو ملا دیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے ملا دے گا۔ اور جس نے اس کو قطع کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے قطع کر دے گا۔ اس کی پوری تفصیل باب نمبر 9 بَابُ مَا جَاءَ فِيْ قَطِيْعَةِ الرحم میں گزر چکی ہے۔

☆

۱۷ : باب مَا جَاءَ فِی النَّصِیحَةِ

خیر خواہی کا بیان

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِیسَی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَکِیمٍ عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الدِّینُ النَّصِیحَةُ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالُوا یَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ ؟ قَالَ لِلَّهِ وَلِکِتَابِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِینَ وَعَامَّتِهِمْ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَفِی الْبَاب عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَتَمِیمٍ الدَّارِیِّ وَجَرِیرٍ وَحَکِیمِ بْنِ أَبِی یَزِیدَ عَنْ أَبِیهِ وَثَوْبَانَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دین خیر خواہی ہے'' تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ خیر خواہی کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کیلئے، اور مسلم حکمرانوں کے لئے اور عام مسلمانوں کیلئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت ابن عمرؓ، تمیم داریؓ، جریر بن عبداللہؓ، حکیم ابن ابی یزیدؓ اپنے باپ سے اور حضرت ثوبانؓ سے بھی روایات آئی ہیں۔

نصیحت کیا ہے؟

توضیح وتشریح: نصیحت ایک لفظ ہے جو کہ ان الفاظ اور کلمات کے لئے بولا جاتا ہے جن کے کہنے سے منصوح لہ (مخاطب) کے لئے خیر کا ارادہ رکھا جاتا ہو، اور اس معنی کی ادائیگی کے لئے لفظ نصیحت کے علاوہ کلام عربی میں کوئی ایک کلمہ اور ایک لفظ ایسا نہیں مل سکتا جو اس پورے معنی کو ادا کر سکے۔ اور نصیحت اور نُصح کا معنی اصل میں خلوص ہے۔ نیز کہا جاتا ہے یہ لفظ ''نَصَحَ الرَّجُلُ ثَوْبَهٗ'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی اس شخص نے پھٹے ہوئے کپڑے سی دیئے تو گویا ناصح (نصیحت کرنے والے) کا یہ فعل جو کہ وہ منصوح لہ (جس کی خیر خواہی کی جاتی ہے) کی صلاح اور خیر کی فکر کر رہا ہے، اس کی تشبیہ دی گئی ہے۔ پھٹے ہوئے کپڑوں کو سی

دینے سے یعنی جس طرح کہ کپڑے کو سینے سے اس کا عیب اور فساد دور ہو جاتا ہے اور اس کی حالت درست ہو جاتی ہے اسی طرح ناصح بھی منصوح لہ کے خیر اور صلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اور عیب اور نقص سے اس کو بچانے کی فکر کر رہا ہے۔ اور اس کے حاصل معنی کو ہم خیر خواہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے خیر خواہی :

اللہ تعالیٰ کیلئے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اور اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کا شرک نہ کرنا، کمال اور جلال کی کُل صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا، اور عیب اور نقصان کی تمام صفات سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دشمنی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے تابعداروں سے دوستی کرنا اور اس کے نافرمانوں سے دشمنی کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور تمام احکامات میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا۔

اور حدیث میں جو خیر خواہی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہے حقیقت میں یہ بندہ کی طرف راجع ہے کہ یہ درحقیقت خود اپنے نفس کی خیر خواہی ہے اور اس خیر خواہی کا سارا فائدہ خود اس ناصح کو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر ناصح کی خیر خواہی سے بے پرواہ ہے۔

قرآن کریم کی خیر خواہی:

اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی یہ ہے کہ یہ ایمان رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اور کوئی بھی اس طرح کلام پیش کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ نیز اس کی تعظیم کرنا اور اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا اور قرآن کریم کے حروف کو صحیح ادا کرنا یعنی حسنِ قرأت کرنا۔ اور محرفین کی غلط تاویلات کو قرآن کریم سے دور کرنا۔ قرآن کریم میں مذکور تمام احکامات کی تصدیق کرنا۔ قرآن کریم کے احکامات کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ علوم قرآن کی نشر و اشاعت کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا وغیرھا۔

رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی:

ترمذی کی اس حدیث میں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کا ذکر نہیں، لیکن امام ترمذیؒ نے اس

باب میں حضرت تمیم داری کی روایت کا بھی حوالہ دیا ہے اور تمیم داری کی روایت مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس روایت میں ''ولرسولہ'' کا اضافہ بھی ہے۔ اس وجہ سے مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی بھی واضح کی جائیں: پس رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی جائے۔ جو کچھ بھی آپ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان سب پر ایمان لانا۔ آپ ﷺ کے دشمنوں سے دشمنی کرنا۔ آپ ﷺ کے دوستوں سے دوستی کرنا۔ آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کرنا۔ آپ کے طریقوں اور سنتوں کو زندہ کرنا۔ آپ کی دعوت کو پھیلانا۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کر کے اس کی نشر واشاعت کرنا۔ آپ ﷺ کے اخلاق سے آراستہ ہونا۔ آپ ﷺ کے اصحاب او ر اہل بیت سے محبت کرنا۔ آپ کی سنتوں کو چھوڑ کر بدعات نکالنے والوں سے اور آپ کے صحابہؓ کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا وغیرہ چیزیں آپ ﷺ کی خیر خواہی کا حصہ ہیں۔

مسلم حکمرانوں کی خیر خواہی:

مسلم حکمرانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ حق کی باتوں میں ان کی معاونت کرنا اور حق میں ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا' اور ادب اور نرمی کے ساتھ ان کو حق بات کی طرف ترغیب وترہیب دینا۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی خیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھو' ان کی معیت میں جہاد کرو' ان کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اگر ان کی طرف سے کوئی ظلم یا فساد ظاہر ہو جائے تو ان کے خلاف تلوار اٹھا کر ان پر خروج نہ کرو۔ اور ان کی جھوٹی مدح سرائی کر کے ان پر ان کا معاملہ برباد نہ کرو۔ اور ان کے لئے صلاح کی دعا کرو۔ نیز اولوالامر کی تعظیم اور ان کا ادب واحترام لازم ہے۔ اور ہر وہ کام جو کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو اس میں مسلم حکمرانوں کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

اسلام میں اپوزیشن کا تصور نہیں ہے:

جمہوری طرز حکومت (جو کہ فی الحقیقت اسلام اور مذہب کے خلاف وضع ہوئی ہے) اس میں پارلیمنٹ کا ایک حصہ' اپوزیشن' حزب اختلاف ہوا کرتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ حزب اقتدار کی ہر اس بات کو ٹکرا کر رد کر دے جو کہ حزب اختلاف کے سیاسی مقاصد کے خلاف ہو' بلکہ بسا اوقات

صرف نام ونمود اور عوام میں شہرت حاصل کرنے کے لئے یا حکومت کو تنگ کرنے اور ان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے لئے حکومت کے فیصلوں کے خلاف شور شرابا کرتے ہیں۔ جلسے جلوس نکالتے ہیں' حکومت اور حکمرانوں کے خلاف توہین آمیز نعرے لگاتے ہیں۔ اور اگر اس سلسلے میں پولیس اور انتظامیہ کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو مار پیٹ پکڑ دھکڑ اور قید و بند کی تمام تکالیف کو برداشت کرنے پر فخر کیا جاتا ہے۔ گویا جمہوریت کی ترقی کا راز انہی چیزوں میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں شریعت مقدسہ میں ممنوع اور ناجائز ہیں پس جس طرح کہ مغربی جمہوریت میں حکمران کا طرز انتخاب ہی غلط ہے اور اسلامی اصول کے خلاف ہے اسی طرح اپوزیشن کا تصور بھی سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف اور غلط ہے۔

اسلام کا نظام حکومت :

اسلام کے صحیح اجتماعی نظام کی شکل یہ ہے کہ حکومت شورائیت پر مبنی امارت وخلافت کی صورت میں قائم ہو اور مسلمان ایک ہی امیر کو منتخب کر کے اس کی امارت کو قبول کریں اور یہی امیر تمام مسلمانانِ عالم کے لئے واجب الاطاعت ہو۔ قرون مشھود لھا بالخیر میں یہی صورت قائم تھی۔ اور جب تک یہ نظام برقرار تھا امت مسلمہ کو ساری دنیا کی قیادت کا مقام حاصل رہا۔ اسلام کی عملی بالادستی قائم رہی' لیکن جب مسلمانوں کی عملی اور نظریاتی پستی کی وجہ سے اور طاغوتی قوتوں کی سازشوں سے نظام خلافت درہم برہم ہوگیا۔ اس وقت سے مسلمانوں کا تنزل شروع ہوا اور مسلمانوں میں گروہ بندی' فرقہ واریت اور انتشار جڑ پکڑ گئی۔ افتراق اور لامرکزیت کی وجہ سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور پھر مغربی جمہوریت نے' جسے مسلمانوں نے لاشعوری طور پر مفید سمجھ کر بخوشی قبول کرلیا ہے' اس گروہ بندی اور فرقہ واریت کو مسلمانوں کے اندر خوب مستحکم کردیا۔ اور اسی جمہوریت کے ثمرات یہ ہیں کہ نہ تو حکمران اور ارباب اقتدار لوگوں نے رعیت کا حق پہچانا اور نہ عوام نے حکمران کا' حکمران طبقہ انتقامی سیاست کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور پارٹی کے مفادات کو سامنے رکھ کر حکومت چلاتا ہے۔ مفاد پرستی اور اقرباء پروری کر کے جماعت المسلمین سے خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور حزب اقتدار سے وابستہ لوگ ہر جائز و ناجائز میں حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں اور اللہ کی صریح نافرمانی میں بھی پوری فراخدلی سے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف حزب اختلاف

حکومت کے جائز فیصلوں کو بھی اپنے مفادات یا خواہشات کے خلاف سمجھ کر حکم عدولی کرتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب کوئی شخص امیر اور حکمران قرار پائے خواہ جبر وتغلب سے کیوں نہ ہو' تمام رعیت پر اب اس کا حکم ماننا لازم ہے۔اس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا فرق نہیں ہاں اگر حکمران اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم کریں تو کسی کے لئے بھی اس کا ماننا جائز نہیں۔''لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' (الحدیث) یعنی اللہ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں اور علماء وصلحاء کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ حکمرانوں کو خوف الٰہی کی تلقین کریں اور لطف ونرمی سے انہیں تنبیہ کریں اور ظلم ومعصیت سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کریں اور موقع کی مناسبت سے ان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے بھی جھجک محسوس نہ کریں۔کیونکہ یہ بہترین جہاد ہے۔

عامۃ المسلمین کی خیرخواہی:

عام مسلمانوں کی خیرخواہی یہ ہے کہ ان کی خیر اور صلاح کی طرف ان کی رہنمائی کرے۔ مسلمانوں کے جان و مال وآبرو کی حفاظت کرے' جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہو وہ ان کے لئے بھی پسند کرے۔ان کو بھلائی کا حکم دے اور برائی سے ان کو روکے۔ان کو ظالم کے ظلم سے روکے اور ان کے مظلوم کی مدد کر کے مظلومیت سے بچائے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ترجمہ:حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے' نماز کی پابندی سے ادائیگی پر زکوٰۃ ادا کرنے پر'اور ہر مسلمان کیلئے خیرخواہی کرنے پر۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

علی اقام الصلوة اس اِقام کے آخر سے تاء اضافت کے وقت تطویل کی وجہ سے حذف کی گئی ہے۔**اقامة الصلوة** سے مراد پابندی اوقات کے ساتھ ساتھ تمام شروط اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز ادا کرنا ہے۔

بیعت :

صحابہ کرامؓ سے جناب نبی کریم ﷺ کا مختلف احکام میں بیعت لینا ثابت ہے۔ مثلاً ایمان لانے پر بیعت لینا، جہاد کرنے پر بیعت، نیز نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، ترک منکرات پر اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی وغیرہ کے امور پر بیعت لینا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین میں اصلاح نفس کے لئے کسی متبع سنت اور عالمِ شریعت شیخ کامل سے بیعت کرنے کا جو سلسلہ چلا آرہا ہے یہ مشروع اور مستحسن ہے، بلکہ اصلاح نفس کے لئے ضروری ہے۔ لیکن جاہل اور گمراہ پیروں سے بچنا بھی لازم ہے کہ وہ اصلاح کی بجائے مریدوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

خیر خواہی کی ایک سبق آموز مثال:

اس حدیث کے ذیل میں محدثین حضرات نے راوی حدیث کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جریر بن عبداللہؓ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو گھوڑا خریدنے کے لئے بازار بھیجا۔ غلام نے تین سو دراہم میں ایک عمدہ گھوڑا خریدا۔ اور اس گھوڑے کے مالک (بائع) کو حضرت جریر بن عبداللہؓ کے پاس لے آیا تاکہ آپؓ اس کو گھوڑے کی قیمت ادا کردیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو جریر بن عبداللہؓ نے اس شخص سے کہا کہ تیرے گھوڑے کی قیمت تین سو دراہم سے زیادہ ہے۔ آپ راضی ہیں اس پر کہ میں تم سے یہ گھوڑا چار سو دراہم پر خریدوں؟ اس نے کہا کہ یہ تو آپ کی طرف سے احسان ہوگا، پھر انہوں نے کہا کہ یہ گھوڑا اس سے بھی زیادہ قیمت کا ہے۔ میں اس کو پانچ سو دراہم پر خریدوں گا۔ اسی طرح سو سو دراہم کا اضافہ کرتا رہا اور وہ صاحب اس پر راضی ہوتا رہا، یہاں تک کہ آٹھ سو دراہم تک پہنچ گیا اور گھوڑے کا مالک اس پر راضی ہوگیا۔ تو آٹھ سو دراہم ادا کر کے گھوڑا خریدا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا (کہ مالک کی مرضی سے گھوڑا تین سو پر مل رہا تھا اور آپ نے خود اس پر پانچ سو درہم کا اضافہ کر کے آٹھ سو دراہم پر خرید لیا؟) تو آپؓ نے جواب میں فرمایا: "**إنی بایعت رسول اللہ ﷺ علی النصح لکل مسلم**" یعنی میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ہے۔

۱۸ : باب مَا جَاءَ فِی شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر شفقت کا بیان

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ ثنا أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ التَّقْوَى هَا هُنَا بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' نہ وہ اس سے خیانت کرے گا اور نہ وہ اس سے جھوٹ بولے گا اور نہ اسے بے یارومددگار چھوڑے گا۔ مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کی آبروریزی اس پر حرام ہے۔ اور اس کا مال اس پر حرام ہے' اور اس کا خون اس پر حرام ہے اور (سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) تقویٰ یہاں ہے۔ اور کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر وتوہین کرے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح:

اس باب میں ایک خاص رحمت اور شفقت کا بیان ہے جو کہ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کرے گا اس قسم کا خلوص اور وفاداری مسلمان کے ساتھ خاص ہے' غیر مسلم کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہیں۔

اخوت اسلامی: المسلم أخو المسلم: جناب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اس تعلیم کی بنا پر مسلمانوں کے لئے آپس میں معاملات اور معاشرت بھائیوں کی طرح کرنا چاہیئے: اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت، شفقت، نرمی برتنے اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون وتناصر میں پورے خلوص اور خیر خواہی سے پیش آنا چاہیے۔

خیانت کی قسمیں :

لایخونہ: یہ صیغہ خبر کا ہے لیکن معنیٰ انشاء ہے یعنی کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کسی قسم کی خیانت بھی نہ کرے۔اس لئے کہ خیانت کئی قسم کی ہوتی ہے مثلاً:

(۱) اگر کوئی مسلمان بھائی کوئی چیز (مال و دولت وغیرہ) تمہارے ساتھ امانت رکھے تو اس میں خیانت نہ کرو۔ بلکہ اس کا حق اس کو پوری طور سے پرادا کردو۔

(۲) اسی طرح مجلس کی بات بھی امانت ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ" یعنی مجلس کی باتیں امانت ہیں، لہٰذا جو آدمی کسی مجلس میں کوئی بات کہے اور وہ اس بات کو دوسروں کو بتانا ناپسند کرتا ہو تو اس اہل مجلس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کی بات کو دوسرے کو بتادے۔اور ایسا کرنا ان کی طرف سے خیانت ہوگا۔

(۳) اسی طرح جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے کسی کام کے متعلق مشورہ طلب کرے تو جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اسکو ایسا مشورہ دے جو کہ اس کے خیال میں اس مسلمان بھائی کے لئے نفع مند ہو۔اگر اس نے جان بوجھ کر غیر مفید چیز کا مشورہ دیا تو اس نے اس مسلمان کے ساتھ خیانت کی۔حدیث پاک میں ہے "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ" یعنی جس سے مشورہ لیا جاوے وہ امین جانا گیا ہے۔اور اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس کو چاہیے کہ جس طرح اس پر اعتماد کیا گیا ہے اسی طرح وہ بھی صحیح مشورہ دے۔

(۴) حکومتی مناصب بھی قومی امانتیں ہیں: اسی طرح حکومتی مناصب بھی امانت ہیں، جس امیر وغیرہ کو حکومتی عہدوں پر تقرری کرنے کا اختیار دیا گیا ہو تو اس کا فرض ہے کہ کسی بھی منصب پر ایسے شخص کو مقرر کرے جو کہ اس منصب کا اہل ہو۔اہلیت نہ رکھنے والے کی تقرری کرنا عامۃ المسلمین کے حقوق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اس وجہ سے یہ عظیم خیانت قرار دی گئی ہے۔ایک حدیث پاک میں ہے کہ: مَنْ قَلَّدَ اِنْسَانًا عَمَلاً وَفِیْ رَعِیَّتِهٖ مَنْ هُوَ اَوْلٰی فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(ردالمحتار کتاب القضاء)

ترجمہ: یعنی جس امیر نے کسی انسان کو (مسلمانوں کی) کوئی (اجتماعی) ذمہ داری سپرد کی اور اس کی رعیت میں اس شخص سے اس کام کے لئے کوئی اور زیادہ بہتر آدمی موجود تھا' تو اس (امیر) نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالُوْا وَمَاضِيَاعُهَا. قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ''. (او كماقال عليه السلام)

ترجمہ: جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ (اے اللہ کے پیغمبر ﷺ) امانت ضائع ہونا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب حکومت نااہل لوگوں کے حوالہ ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

معلوم ہوا کہ حکومتی عہدے مسلمانوں کی امانتیں ہیں' اس وجہ سے اس میں غدر اور بے احتیاطی کرنے کو اجتماعی خیانت سے تعبیر کیا گیا۔

(۵) اس طرح کسی بھی ڈیوٹی نوکری ملازمت میں مفوضہ کام کی ادائیگی میں گڑبڑ اور کوتاہی بھی خیانت ہے۔

ووٹ بھی ایک امانت ہے :

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ووٹ بھی امانت ہے کیونکہ جب کسی عہدے پر کسی شخص کو مقرر کرنے کا اختیار امیر کے پاس ہو تو امیر کے حق میں یہ امانت ہے اور اس امانت کی صحیح ادائیگی یہ ہے کہ اپنی رعیت میں خوب چھان پھٹک کر اس عہدے کے لئے اہل شخص کو اس پر مقرر کرے' اگر اس نے ایسا نہ کیا تو یہ خیانت ہے۔ پس جب کسی عہدے پر آدمی مقرر کرنے کا اختیار عوام کو دے دیا جاوے تو یہ حق اور امانت عوام کی طرف منتقل ہو گئی۔ اب عوام کا فرض ہے کہ عام مسلمانوں کے دینی اور دنیوی نفع کو مدنظر رکھ کر بہتر سے بہتر آدمی کو ووٹ دے کر اس منصب کے لئے منتخب کریں' پس کسی بھی مسلمان نے اگر اپنے ذاتی مفاد' خودغرضی اور اقربا پروری کی بنا پر یا صرف پارٹی بازی اور جماعت پروری کو ملحوظ رکھ کر غیر اہل شخص کو منتخب کرنے کے لئے ووٹ دے دیا تو اس نے عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔ اور اجتماعی خیانت جیسے عظیم جرم میں مبتلا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی خیانت سے بچائے۔ (آمین)

خذلان:۔ ولایخذله یہ خذلان سے ماخوذ ہے بمعنی ترک النصرة والإعانة ۔یعنی خذلان مدداور تعاون نہ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے ساتھ ظلم ہورہا ہےاوروہ دوسرے مسلمان سے اس ظلم کے دفع کرنے کے لئے مدد طلب کرے تو اس کے ذمہ اس کی مدد کرنالازم ہے۔بشرطیکہ وہ ظالم کے روکنے پر قادر ہواور کوئی عذر شرعی نہ ہو۔

حرمۃ مسلم: کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله و دمه :یعنی ایک مسلمان کاسب کا سب دوسرے پرحرام ہے' مسلمان کا کوئی جز'اور کوئی عضوحلال نہیں ہےاس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کے کسی بھی جزء کوضرر پہچانا جائز نہیں ہے۔اس کے ہاتھ پاؤں سراور تمام کے تمام اعضاء کو بھی اپنے ضرر سے محفوظ رکھےاوراس کے دل کو بھی نہ ستائے۔اس وجہ سے بعد میں فرمایا کہ اس کی آبروریزی کرنا بھی حرام ہے۔اورشرعی جواز کے بغیراس کا مال کھانا بھی حرام ہےاوراس کا ناحق خون بہانا بھی حرام ہے' یعنی کسی بھی طریق سے مسلمان کونقصان نہ پہنچائے۔

تقویٰ کامحل قلب: التقویٰ ھھنا: تقویٰ یہاں یعنی دل میں ہے۔یہاں اگر چہ یہ لفظ مذکورنہیں ہے لیکن مسلم کی روایت میں ہے: وَيُشِيْرُاِلٰی صَدْرِہٖ "یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کی تحقیراورتوہین جائز نہیں ہے کیونکہ تقویٰ دل میں ہوتا ہے جوکہ نظروں سے پنہاں ہے کسی کے دل کے احوال پراللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی علم نہیں رکھتا۔لہذاممکن ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ ہواورمتقی اللہ کے نزدیک مکرم ومعزز ہوتا ہے۔آیت کریمہ"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ " بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزتمند وہ ہے جوکہ تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو" پس جب کہ تقویٰ والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزتمند ہیں'اورتقویٰ کا محل قلب ہے جوکہ آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔توکسی کے دل پر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ اس میں تقویٰ نہیں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ اورخوف خدا موجود ہواوراس کی توہین کی صورت میں ایک ایسے بندے کی توہین وتحقیر لازم آئے جوکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معززاورمکرم ہو اور یہ بہت بڑاجرم ہے'اس وجہ سے آخر میں فرمایا :

"بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْتَقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ" یعنی کسی آدمی کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

مومنین کی عمارت کے ساتھ تشبیہ :

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَ اَبِيْ اَيُّوْبَ.

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا مؤمن دوسرے مومن کے لئے (ایک) عمارت (کے مختلف اجزاء) کی طرح ہے۔ کہ اس عمارت کا بعض حصہ بعض دوسرے حصوں کو مضبوط کردیتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس باب میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوایوبؓ سے بھی روایت ہوئی ہیں۔

توضیح وتشریح :

مسلمانوں کے استحکام اور بقاء کا راز: اس حدیث میں جناب رسول ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد اور آپس میں ایک دوسرے سے تعاون وتناصر اور ہر کار خیر میں ایک دوسرے کی مدد کرنے پر زور دے کر ایک مثال سے اس کی توضیح کی ہے' کہ جس طرح ایک عمارت جو کہ متفرق اجزاء پتھر خشت وغیرہ سے بنی ہوئی ہوتی ہے' جبکہ پتھر اور خشت خاص نظم وضبط کے ساتھ کچھ نیچے اور اوپر رکھے گئے اور ان متفرق اجزاء نے ایک دوسرے کو برداشت کر کے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا۔ اور ہر جزء نے دوسرے جزء سے چمٹ کر اس کو مضبوطی سے پکڑلیا۔ خود بھی مضبوط ہوا اور اس کو بھی مضبوط بنالیا۔ اور اس طرح ایک مضبوط' مستحکم' خوبصورت اور بلند عمارت ظہور پذیر ہوئی۔ وہ تنہا خشت جس کو اس سے پہلے ایک بچہ بھی توڑ پھوڑ کر تہس نہس کرسکتا تھا۔ اب وہ جڑ جانے سے آہنی دیوار کی طرح مضبوط بن گیا جس کا توڑنا کسی کے بس میں نہیں۔ مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے سے افتراق اور ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنا درست نہیں بلکہ

آپس میں نرمی، رحمدلی اور محبت کے ساتھ مل کر رہنا چاہیے۔ نظم وضبط اور اتفاق واتحاد سے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جس طرح کہ دیوار کے نچلے حصہ کے خشت، اوپر والے خشتوں کو اپنے اوپر رکھ کر ان کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو اپنے استحکام اتفاق واتحاد قائم کرنے اور پھر اپنی منظم قوت وشوکت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے آپ کو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے پیش کرنا ہوگا۔ یادر ہے کہ جو قوم اپنے اجتماعی نظام، قوت واستحکام اور نظم وضبط قائم کرنے کے لئے اپنے بھائی کا بوجھ خوشی اور محبت کے ساتھ اٹھا کر برداشت نہیں کرتی تو دشمن ان پر مسلط ہو کر زبردستی ان کے سروں پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور پھر جبراً و کرھاً ناگواری کیساتھ دشمن کا بوجھ اٹھاتی پھریگی۔

بلاشبہ سچ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کا اکمل طریقے سے حق ادا فرمایا ہے۔ اور کسی بھی قوم کو کسی نے اس سے زیادہ اسباق نہیں پڑھائے ہونگے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ لیکن کاش کہ امت محمدی ﷺ خواہشات نفسانی کی پیروی اور یہود ونصاریٰ کا اتباع چھوڑ کر جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے بنیاد بنادے اور امت کی کامیابی اور فلاح کے لئے جدوجہد کرے تو امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں پر چھائے ہوئے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں کا جلد خاتمہ ہو اور مسلمان طلوع سحر کی نوید سن لیں۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی
نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویران سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بخاری میں اس حدیث کے ساتھ یہ اضافہ بھی موجود ہے' وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ' یعنی جناب رسول اللہ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں دے کر ملایا۔ یہ اس مثال کی مزید توضیح کے لئے کہ مسلمان ایک دوسرے کو اسی طرح مضبوط بنادیتے ہیں جس طرح کہ انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مضبوط مُکّا بن جاتا ہے۔

هذا حديث صحيح. یہ حدیث صحیح ہے۔ بخاری اور مسلم نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ثنا يَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَى بِهِ أَذًى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ وَيَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ .وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ.

ترجمہ : حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تم میں سے ایک (مسلمان) اپنے بھائی (دوسرے مسلمان) کا آئینہ ہے پس اگر اس نے اس مسلمان میں کوئی بری اور تکلیف دہ چیز دیکھی تو اس چیز کو اس سے دور کر دے۔ راوی یحییٰ بن عبید اللہ کو حضرت شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اس باب میں حضرت انسؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔

توضیح وتشریح :

مؤمنین کی آئینہ کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں :

اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو دوسرے کا آئینہ قرار دیا ہے۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ آئینہ اپنے کام حقیقت نمائی میں کسی سے دوستی یا کسی سے دشمنی نہیں کرتا، جو بھی شخص اس میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔ تو آئینہ اسے اسکا چہرہ اس طرح دکھاتا ہے، جس طرح کہ وہ حقیقت میں ہو یعنی اگر چہرہ صاف ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو تو آئینہ اس کو اپنی طرف سے عیب دار نہیں بنا دیتا بلکہ اسی طرح صاف اور بے عیب دکھاتا ہے۔

(۲) اگر اس میں کوئی عیب ہو تو آئینہ اس کو نہیں چھپاتا بلکہ اس عیب کو اس پر صاف ظاہر کر دیتا ہے۔ لیکن اس عیب کو اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر بھی نہیں دکھاتا۔ بلکہ جو میل کچیل ہو، یا کوئی داغ دھبہ ہو، جتنی مقدار میں ہو اتنا ہی دکھاتا ہے۔

(۳) آئینہ جب کسی کو اس کا عیب دکھاتا ہے تو صرف اسی دیکھنے والے کو دکھاتا ہے کسی اور پر ظاہر نہیں کرتا، چیختا چلاتا نہیں بلکہ خاموشی سے دکھاتا ہے۔

(۴) پس جبکہ آئینہ اسی طرح حقیقت نمائی کرتا ہے تو پھر لازم ہے کہ جس شخص کو آئینہ اس کے چہرے میں کوئی عیب دکھائے' وہ اس عیب کے ازالے کے لئے فکر مند ہو جائے نہ یہ کہ آئینہ کے ساتھ دشمنی کر کے اسے توڑ ڈالے کہ اس نے کیوں میرے چہرے کو عیب دار ظاہر کیا ہے؟ بلکہ آئینہ کی صفتِ حقیقت نمائی کی وجہ سے عقلاً وشرعاً انسان اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آئینہ کے ساتھ دشمنی نہ کرے بلکہ اس کو محبوب سمجھے' کیونکہ عیب کسی کو بھی پسند نہیں ہوتا اور کوئی بھی یہ نہیں چاہتا ہے کہ میں عیب دار رہوں لہٰذا جو چیز اس کو اس کے وہ عیوب دکھاتی ہو جو عیوب وہ خود نہیں دیکھ سکتا تو وہ ضرور اس چیز کو محبوب سمجھے گا۔ کہ اس کی بدولت میں اپنے عیوب کو معلوم کر کے اس کا ازالہ کر سکوں گا۔ اِلاّ یہ کہ کوئی شخص حد درجہ بے وقوف ہو تو وہ مخلص خیر خواہ سے بھی دشمنی کرتا ہے۔ تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ کی طرح ہو جائے۔ اگر اس میں کوئی ایسا عیب دیکھے جو خود اس عیب والے کے لئے ضرر رسان اور نقصان دہ ہو یا اس عیب کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو ضرر ہو' تو اس مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی خیر خواہی ہرگز نہ چھوڑے یعنی اس عیب کے ساتھ نہ رہنے دے' بلکہ اس مسلمان کو پورے اخلاص' نرمی اور خیر خواہی سے سمجھا دے تا کہ وہ اپنے آپ سے اس عیب کا ازالہ کرے' اور سمجھانا ایسا نہ ہو کہ برسرِ محراب ومنبر عام مجمعوں میں اس کے عیب کو بیان کر کے اسے رسوا کرے' یا اس کے تھوڑے عیوب ونقائص کو بڑھا چڑھا کر زیادہ ظاہر کرے' یا اس کے عیب بتانے میں اپنا ذاتی غصہ نکالے' ایسا کرنے سے وہ اپنے عیب کے ازالے کے بجائے جوابی کاروائی کی فکر میں پڑ جائے گا۔ اور اپنے عیب کی طرف توجہ دینے کی بجائے اس ناصح کے عیوب کو بیان کرنے لگے گا۔ اور اس طرح ایک انتشار اور افتراق پیدا ہو جائے گا۔ فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا۔

دوسری طرف جس مسلمان سے کوئی خیر خواہی کی بات کرے اس کے لئے شرعی تعلیم یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اس بات پر نظر ڈال دے جو بات اس سے کہی جاتی ہے۔ اگر بات درست ہے اور اس کے ماننے میں اس کی بھلائی ہے تو اسے اس بات کی قدر کرنی چاہیے اور اس کو ماننا چاہیے۔ اپنے اندر کے کسی عیب کی نشاندہی کی جائے تو اپنے اندر اس عیب کو پوری غور وفکر سے تلاش کر کے اس کا ازالہ کرے' اور اگر وہ اپنے اندر اس عیب کو نہ پاوے تب بھی اس پر فکر مند ہو جائے کہ کبھی آئندہ یہ عیب میرے اندر پیدا نہ

ہوجائے بلکہ اس نشاندہی کرنے والے کی مہربانی سمجھے کہ اس نے ایک عیب کی طرف توجہ دلائی جس سے بچنے کے لئے حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا :

"اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیَّ مَنْ اَهْدٰی اِلیٰ عُیُوْبِیْ" .

ترجمہ : یعنی مجھے سارے لوگوں میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو مجھے میرے عیوب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی آدمی نے ان کو کسی عیب کا نشانہ بنایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا کہ "اگر یہ عیب میرے اندر موجود ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے۔ اور اگر یہ عیب میرے اندر موجود نہیں تو اللہ تعالیٰ تجھے معاف کردے۔

"ان أحدكم مرآة اخيه" : مرآة میم کے کسرہ کے ساتھ اسم آلہ ہے۔ بروزن مفعال آلة الاراءة یعنی دکھانے کا آلہ جسے ہم آئینہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تم میں سے ہر ایک اپنے مسلمان بھائی کے لئے آئینہ ہے، یعنی وہ اپنے بھائی میں وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو کچھ وہ خود نہیں دیکھ سکتا، یعنی ایک مسلمان بسا اوقات اپنے عیوب کو نہیں سمجھتا جب تک کہ اس کا کوئی مسلمان بھائی اس کو اطلاع نہ دے۔ جیسا کہ وہ اپنے چہرے کے نقص کو آئینہ میں دیکھنے کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ پس اس دوسرے مسلمان کے لئے ضروری ہے اس کے عیب پر اس کو خبر دار کردے۔ لیکن دوسروں کو مطلع کئے بغیر نرمی اور رحم دلی سے۔ فليمطه عنه یعنی اس کا عیب اس سے دور کردے' کا یہی مطلب ہے کہ اس کو اچھے طریقے سے بتادے تاکہ وہ اس عیب کا ازالہ کرے اور اس برائی کو چھوڑ دے۔ نیز اس کے لئے دعا کرے کہ وہ عیب اس سے رفع ہوجائے۔

<u>سندی بحث :</u>

<u>ويحيٰى بن عبيد الله ضعفه شعبة :</u> یحیٰ بن عبید اللہ کو حضرت شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے اس وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

"التقريب" میں کہا ہے کہ یحیٰ بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن موہب التیمی المدنی' یہ متروک ہے' اور حاکم نے کہا ہے کہ وہ موضوع احادیث نقل کرتے تھے۔

نقل حدیث میں احتیاط اور نماز کی اہمیت :

حضرت شعبہ نے جو یحیٰی بن عبید اللہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سے متعلق علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں یحیٰی بن عبید اللہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے نقل فرمایا کہ حضرت شعبہؒ نے کہا ہے:

" رَأَيْتُهُ يُصَلِّيْ صَلَاةً لَا يُقِيْمُهَا فَتَرَكْتُ حَدِيْثَهُ " میں یحیٰی بن عبید اللہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ نماز کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا تھا تو میں نے اس سے حدیث نقل کرنا چھوڑ دیا۔

(تحفۃ الاحوزی)

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں انسان کے احوال کے صلاح و فساد کا دارومدار نماز پر ہے، جس کی نماز درست اور مکمل ہو تو اسکے دیگر معاملات بھی درست ہوں گے۔ اور جو شخص نماز صحیح طور پر ادا نہ کرتا ہو تو اس کے دیگر معاملات بھی صحیح نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عمال کو تحریری ہدایت نامہ لکھتے تھے، جس میں آپ تحریر فرماتے تھے :

"اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ اَلصَّلٰوةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَحْفَظُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ."

ترجمہ: یعنی میرے نزدیک آپ کے تمام امور میں سب سے اہم نماز ہے۔ پس جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی تو وہ دوسرے کام بھی اچھے طریقے سے انجام دینے والا ہوگا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا تو وہ دوسری ذمہ داریوں کو بطریق اولی ضائع کرے گا۔"

اسی طرح آخرت میں بھی دوسرے اعمال تب صحیح اور مکمل نکل سکتے ہیں جبکہ نماز مکمل ہو، چنانچہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ: قیامت کے دن (عبادات میں) سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ جب نماز صحیح اور مکمل نکل آئے تو دوسرے اعمال بھی مکمل اور صحیح شکل میں آئیں گے اور جب نماز غلط اور نا مکمل ہو تو دوسرے اعمال بھی غلط اور نا تمام ہوں گے۔

☆

۱۹: باب مَا جَاءَ فِی السَّتْرِ عَلَی الْمُسْلِمِین

مسلمانوں کی پردہ پوشی کا بیان

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ الْقُرَشِيُّ ثنا أَبِي ثنا الْأَعْمَشُ قَالَ حُدِّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ. مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ .وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ .هذا حديث حسن وقدروى أبو عوانة وغيرواحد ' هذا الحديث عن الاعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة عن النبي ﷺ نحوه ولم يذكروا فيه حدثت عن أبي صالح

ترجمہ : (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ) ہمیں عبید بن اسباط قریشی نے حدیث بیان کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد (اسباط) نے اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے اعمش نے حدیث بیان کی ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ مجھے ابوصالح سے یہ روایت بیان کی گئی ہے۔ اور ابوصالح نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت (تکلیف) دور کر دی' تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کر دے گا۔ اور جس نے دنیا میں کسی تنگدست و نادار کے ساتھ آسانی کر دی' تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دنیا و آخرت دونوں میں آسانی کر دے گا۔ جس نے دنیا میں کسی مسلمان (کے عیوب) پر پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت دونوں میں پردہ ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔ جب تک کہ یہ بندہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد میں لگا ہوا ہوتا ہے۔

اس باب میں حضرت (عبداللہ) ابن عمر اور عقبۃ بن عامرؓ سے روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے اور یقیناً ابوعوانہ اور بہت سے محدثین نے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے: ''عن الاعمش عن

أبی صالح عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ...... الخ". اورانہوں نے اس میں "حدثت عن أبی صالح" کاذکرنہیں کیا ہے۔

توضیح وتشریح :

مختلف روایات میں تطبیق: امام ترمذیؒ نے پہلے اس حدیث کی جو سند ذکر کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ قال حدثت عن أبی صالح'' یعنی اعمش کہتا ہے کہ مجھے یہ حدیث ابوصالح سے روایت کی گئی ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اعمش نے اس حدیث کو حضرت ابوصالح سے خودنہیں سنا بلکہ اعمش اور ابوصالح کے درمیان کوئی واسطہ موجود ہے لیکن اعمش نے اس واسطہ کاذکرنہیں کیا ہے کہ وہ کون ہے۔

پھرآخر میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابوعوانہ اور بعض دیگر روایان حدیث نے بعینہ یہی حدیث اس طرح روایت کی ہے' عن الاعمش عن أبی صالح عن أبی هريرة عن النبی ﷺ الخ ۔ یعنی ابوعوانہ اورکئی دوسروں نے سند اس طرح ذکر کی ہے کہ اعمش نے براہ راست بلاواسطہ اس حدیث کو ابوصالح سے نقل کیا ہے۔اوران کی روایت میں "حدثت عن أبی صالح" کاذکرنہیں۔جس سے ان دونوں کے درمیان واسطہ معلوم ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ عبید بن اسباط قرشی نے اپنے باپ سے جس سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے اس سند میں اعمش نے ابوصالح سے نامعلوم واسطہ کے ساتھ روایت کی ہے۔اورابوعوانہ وغیرہ نے جو سند ذکر کی ہے اس میں اعمش نے یہی حدیث بلاواسطہ ابوصالح سے نقل کی ہے۔ان دونوں طرق میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

پس ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ پہلے اعمش نے ابوصالح سے واسطہ کے ساتھ سن لیا تھا اوراس طرح انہوں نے اس کی روایت بھی کی ہے۔جیسا کہ عبید بن اسباط قرشی والی سند میں ہے۔اور پھراس کے بعد اعمش کی ملاقات ابوصالح کیساتھ ہوئی اور بلاواسطہ خودان سے یہ روایت سن لی اور پھر سننے کے بعد انہوں نے جس کو یہ روایت بیان کی ہے۔اس میں واسطہ کاذکرنہیں کیا بلکہ بلاواسطہ نقل کیا ہے۔

حدیث باب میں ستر پوشی اخوت وہمدردی کادرس :

اس حدیث کیلئے باب تواگرچہ ستر پوشی کاباندھا گیا ہے لیکن اس میں مسلمان کی ستر پوشی اوراس

پر پردہ ڈالنے کی فضیلت واہمیت کیساتھ ساتھ' مسلمان کے ساتھ ہمدردی' مصیبت میں اسکے کام آنے' اور اسکی محتاجی کی حالت میں اس کی مدد کرنے کی اہمیت وفضیلت کو بھی اجاگر کردیا گیا ہے۔اس حدیث میں یہ درس دیا گیا ہے کہ مسلمان کے ساتھ جس نے کسی بھی قسم کا احسان کیا' اللہ تعالیٰ اس کو اسی قسم سے اس احسان کا بدلہ عطا فرمادیتا ہے۔ مثلاً جب کوئی مسلمان کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسرا مسلمان اس کی مدد کرکے اس مصیبت کو اس سے رفع کرے' تو اس مسلمان سے اس دنیوی مصیبت کو دور کرنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی سخت اور ہولناک مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور فرماوے گا۔

اور جس نے کسی تنگ دست اور نادار مسلمان پر آسانی کردی مثلاً وہ تنگدستی کی وجہ سے اپنے اور اپنے بچوں کے نان' نفقہ کا محتاج تھا اور اس نے اس پر صدقہ کرکے ان کے نفقہ کا انتظام کیا اور یا اس نادار مسلمان پر اس کا کچھ قرضہ تھا' اور وہ فقیری کی وجہ سے اس کو ادا نہ کرسکتا تھا تو اس نے اس کی مہلت بڑھا کر اس کی مالداری تک اس سے مطالبہ کرنا چھوڑ دیا یا اس کو وہ قرضہ معاف کرکے اس کو بَری قرار دیا یا دوسرے کسی طریقے سے اس پر آسانی کردی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا وآخرت دونوں میں آسانی فرمادے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اور اس کے کسی عیب کو چھپا کر اسے رسوائی سے بچائے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا' اس کے عیوب چھپائے گا اور دنیا وآخرت دونوں کی رسوائی سے اسے محفوظ رکھے گا۔ بعض روایات میں یہ مضمون بھی ذکر ہے کہ جو شخص مومن کا پردہ فاش کرنے میں لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش کرنے لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو شرمندہ کرے گا۔ اور جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ تب تک اللہ تعالیٰ بھی اس (مدد کرنے والے) کی مدد کرتا ہے' یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مدد کرنا' اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کو دعوت دینا ہے۔ پس اس فرمان نبوی پر پختہ یقین کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مشکل پیش آئے اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس مشکل میں میری مدد فرماوے تو اسے چاہیے کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی مشکلات میں تعاون کرے تو اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی' اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے اس کا مشکل حل فرماوے گا۔

دیکھئے ایک مومن بندہ کی اللہ کے ہاں کتنی قدر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو کتنا پیارا ہے۔اس سے تکلیف دور کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور کردیں گے۔اس سے آسانی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی فرمادیگا اس کا پردہ رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا پردہ رکھے گا اور اس کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے لئے آپہنچتی ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کل کے مسلمان اپنے مذہب کی تعلیم سے غافل ہیں۔معمولی دنیوی لالچ کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔اس کے لئے رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔اس کی بے عزتی کرتا ہے اور اس کی تکلیف اور مصیبت کے وقت اسے بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے۔جس معاشرے میں مسلمان ایک دوسرے سے بیزار ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے گر جاتے ہیں اور بے اتفاقی وافتراق وانتشار کے عذاب میں مبتلا ہو کر ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں۔مسلمانوں کے آج کل کی پستی کا سب سے بڑا سبب یہی افتراق وانتشار ہے۔

تنبیہ:

تحفۃ الأحوذی میں ہے کہ امام ترمذیؒ نے ابواب الحدود میں ''باب الستر علی المسلم'' قائم کر کے مندرجہ بالا حدیث کو وہاں ذکر کیا ہے۔اور پھر یہاں بھی باب الستر علی المسلمین قائم کر کے اس حدیث کو لایا ہے۔جو کہ تکرار ہے۔

نوٹ: اگر تکرار سے مراد عنوان کا تکرار ہے تو پھر واقعی تکرار ہے لیکن حدیث بالا کا متن اور سند جو یہاں مذکور ہے وہ ابواب الحدود میں اس طرح نہیں بلکہ یہاں امام ترمذیؒ نے اپنے شیخ عبید بن اسباط قرشی ثنا ابی ثنا الاعمش قال حُدِّثْتُ عن ابی صالح عن ابی ھریرۃؓ کے الفاظ ہیں جس میں اعمش نے ابوصالح سے نامعلوم واسطہ سے نقل کی ہے (جیسے کہ ص 151 میں اسکی تفصیل آ گئی نیز یہاں متن حدیث میں وَمَنْ یَّسَّرَ علٰی مُعْسِرٍ ......الخ کا اضافہ ہے جبکہ ابواب الحدود میں امام ترمذیؒ نے یہی روایت اپنے شیخ قتیبۃ کے واسطہ سے اعمش عن ابی صالح کے الفاظ سے نقل کئے ہیں اعمش نے ابوصالح سے روایت کی ہے یعنی اسکا استاد معلوم ہوا حُدِّثْتُ کا لفظ نہیں اور اس سند کے متن حدیث میں ومن یسر علٰی معسر الخ کا اضافہ نہیں ہے۔لہٰذا حدیث میں سنداً و متناً حقیقی تکرار نہ رہا واللہ اعلم۔

۲۰ : باب مَا جَاءَ فِی الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

مسلمان کے دفاع کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عبدُ اللّٰهِ عَنْ أَبِی بَكْرٍ النَّهْشَلِيِّ عَنْ مَرْزُوقٍ أَبِی بَكْرٍ التَّيْمِيِّ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .وَفِی الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ .هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ : حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے اپنے بھائی کی آبرو اور عزت کا دفاع کیا۔ (یعنی اس کی غیبت کو روک دیا اور اس کی عزت کو بچالیا) تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو دفع کرے گا۔

اس باب میں حضرت اسماء بنت یزید سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

توضیح وتشریح:

اس حدیث میں مسلمان کی عزت وآبرو کے بچانے کا بڑا ثواب مذکور ہے۔ یعنی جہنم کی آگ سے نجات ملنا' اور بنص قرآن کریم یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

"فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ." (الایۃ)

ترجمہ: پس جو شخص جہنم کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہوا (اور اپنے مسلمان بھائی کی عزت بچانے سے یہ عظیم کامیابی مل سکتی ہے)۔

عزت کا دفاع اور غیبت سے روکنا :

من رد عن عرض اخیه : یعنی جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت وآبرو کا دفاع کیا' اس سے مراد غیبت کو روکنا ہے' مثلاً کسی مجلس میں ایک مسلمان کی غیبت ہو رہی تھی' اور دوسرے مسلمان نے اس کی غیبت کو روک کر اس کی عزت بچالی تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچالے گا۔

رد الله عن وجهه النار يوم القيامة:

چہرے کوآگ سے بچانا' کنایہ ہے اس کی ذات کو بچانے سے' یعنی اس بندے کو اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔لیکن ذات کی تعبیر چہرے کے ساتھ اس لئے ہوئی' کیونکہ چہرے کو عذاب دینا زیادہ دردناک اور رسوا کن ہوتا ہے۔اس وجہ سے چہرے کا ذکر ہوا۔

وفي الباب عن اسماء بنت يزيد:

اسماء بنت یزید کی روایت بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے۔اور اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے کہ حدیث مذکور فی الباب میں' مسلمان کی عزت کے بچانے سے مراد اس کی غیبت کو روکنا ہے۔چنانچہ اسماء بنت یزیدؓ روایت کرتی ہیں :

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ. (مشکوۃ عن البیهقی)

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مسلمان کے گوشت کو غیبت کے ساتھ کھانے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو جہنم کی آگ سے آزاد کردے۔

هذا حديث حسن: یہ حدیث حسن ہے اور اس کو احمدؒ ابن ابی الدنیا وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔اور اسکے الفاظ یہ ہیں :

"مَنْ ذَبَّ عَنْ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ".

ترجمہ: یعنی جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت وآبرو سے دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو دور کردے گا۔اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وكان حقا علينا نصر المؤمنين. یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنوں کی مدد کرنا ہم پر حق ہے۔

☆

۲۱: باب مَا جَاءَ فِی کَرَاهِیَةِ الْهِجْرِ

مؤمن کے ساتھ سلام وکلام چھوڑنے کی ممانعت کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ ثَنَا الزُّهْرِیُّ ثَنَا سَعِیدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَثَنَا سُفْیَانُ عَنْ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَزِیدَ اللَّیْثِیِّ عَنْ أَبِی أَیُّوبَ الْأَنْصَارِیِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ یَلْتَقِیَانِ فَیَصُدُّ هَذَا وَیَصُدُّ هَذَا وَخَیْرُهُمَا الَّذِی یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ قَالَ وَفِی الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِی هُرَیْرَةَ وَهِشَامِ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِی هِنْدٍ الدَّارِیِّ. هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صحیح

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ہجران (ترک سلام و کلام) کرے کہ جب ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں تو یہ بھی منہ پھیر لیتا ہے اور وہ بھی منہ پھیر لیتا ہے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو کہ سلام میں پہل کرے۔ اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت انسؓ حضرت ابوھریرۃ ھشام بن عامر اور ابوھند الداری (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح : تین دن سے زیادہ رنجش کی ممانعت :

لایحل للمسلم ان یھجر الخ : یہاں ہجرت سے مراد وطن چھوڑنا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات ہونے کے باوجود سلام کلام ترک کرے اور ہر ایک دوسرے سے ملنے کے وقت منہ پھیرے۔

فوق ثلاث: تین دن سے زیادہ رنجش کی وجہ سے سلام کلام چھوڑنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک رخصت ہے، کیونکہ شریعت مقدسہ نے اگرچہ غصہ اور بغض وحسد پر پابندی عائد کی ہے، لیکن انسان کی

طبیعت وجبلت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس میں غصہ اور بغض وغیرہ موجود ہے۔ پس گویا شریعت مقدسہ نے انسان کے اس فطری اور طبعی تقاضوں کا بھی کچھ نہ کچھ لحاظ رکھا کہ اگر کسی مسلمان کا اپنے بھائی کے ساتھ کسی وجہ سے تلخ کلامی اور جنگ وجدل وغیرہ ہو جائے اور اس وجہ سے ان کا ایک دوسرے پر غصہ اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اور پھر ایک دوسرے سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ تو اس حالت میں اگر وہ زیادہ سے زیادہ تین دن تک رہے تو ان کو مجرم اور گنہگار قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ گویا تین دن کی مدت تک اظہار لاتعلقی کو انسان کی فطری اور طبعی مجبوری قرار دے کر معاف کیا گیا' لیکن اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان تین دن کے اندر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے بھائی کے ساتھ غصہ فرو کرے اور نفرت کو ختم کرے' اس کے بعد اگر وہ ایک دوسرے سے مل جانے کے وقت اعراض کریں اور منہ پھیریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

وخیرهما الذی یبدأ بالسلام : اور ان دونوں میں بہتر وہ آدمی ہے' جو کہ سلام میں پہل کرے یعنی ملنے کے وقت جو پہلے' السلام علیکم' کہے وہ ان دونوں میں بہتر آدمی ہے۔ اس میں ترغیب ہے کہ ہر ایک کو چاہیے کہ وہ سلام میں پہل کر کے لاتعلقی کو ختم کر دے۔

☆

۲۲ : باب مَا جَاءَ فِی مُوَاسَاةِ الْاَخِ

بھائی کے ساتھ غمخواری کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ ثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ: فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ أُقَاسِمْكَ مَالِي نِصْفَيْنِ وَلِيَ امْرَأَتَانِ فَأُطَلِّقُ إِحْدَاهُمَا فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ. دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ. فَدَلُّوهُ عَلَى السُّوقِ فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهُ شَيْءٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ قَدِ اسْتَفْضَلَهُ. فَرَآهُ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ: قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَمَا أَصْدَقْتَهَا قَالَ نَوَاةً قَالَ حُمَيْدٌ أَوْ قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ. و قَالَ إِسْحٰقُ: وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ: اَخْبَرَنِیْ بِذٰلِکَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَ إِسْحٰقَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (ہجرت کے بعد) مدینہ تشریف لائے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ اور حضرت سعد بن الربیع (انصاریؓ) کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کرلیا۔ تو حضرت سعد بن الربیعؓ نے ان سے کہا کہ آؤ میں آپ کے ساتھ اپنا مال برابر تقسیم کر کے آدھا مال تم کو دیتا ہوں' اور میری دو بیویاں ہیں۔ پس میں ان دونوں میں سے ایک کو طلاق دے دوں گا پھر جب اسکی عدت گزر جائے تو اس کے ساتھ نکاح کرلو۔ تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو (دعا دیتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل میں آپ کے لئے برکت ڈال دے' مجھے بازار کا راستہ دکھلا دیجئے۔ تو انہوں نے آپ کو بازار کا راستہ بتلا دیا۔ پس اسی دن ہی جب بازار سے واپس ہوئے تو اپنے ساتھ کچھ پنیر اور گھی بھی لائے جو کہ انہوں نے کمایا تھا۔

پھر اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ آپ کو دیکھا کہ ان پر زرد رنگ کی خوشبو کا اثر تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کرلیا ہے (یعنی یہ زردی' شادی کی رنگدار خوشبو سے مجھے لگی ہوئی ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسکو مہر میں کیا کچھ دے دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا ایک نواۃ (نواۃ کھجور کی گٹھلی کو کہا جاتا ہے)۔ حمید کہتے ہیں کہ یا اس طرح کہا کہ: نواۃ کے وزن کے برابر سونا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کا انتظام کرو' خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا' تین دراہم اور ایک درہم کی ایک تہائی' (یعنی ۳ ۱/۳ درہم) کا وزن ہے اور اسحٰق نے کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے

برابر سونا پانچ دراہم کا وزن ہے مجھے اس کی روایت اسحاق بن منصور نے احمد بن حنبل اور اسحٰق سے کی ہے۔

حدیث کی توضیح وتشریح:

صحابہؓ کے درمیان عقد مواخات اور مثالی معاشرہ کی تشکیل

مواساۃ : غمخواری یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اس کے غم درد میں شریک ہونا اپنے آپ کو محتاج چھوڑ کر اپنے بھائی کی حاجتوں کو پورا کرنا اور اپنی ضرورتوں پر اس کی ضرورت کو ترجیح دینا۔

أخى رسول الله ﷺ بينه و بين سعد بن الربيع الخ: رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع ؓ کے درمیان عقد مواخاۃ بھائی چارہ قائم کیا۔ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چونکہ بے سروسامانی کی حالت میں گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر چکے تھے مال وجائیداد بیوی بچے اور دنیوی عیش وآرام کی چیزوں کو خیر باد کہہ کر زندگی کی سہولیات سے بظاہر محروم ہو چکے تھے اور جبکہ انصار مدینہ نے پورے خلوص، وفاداری اور جذبۂ محبت سے ان کی میزبانی کی ذمہ داری کو قبول کرلیا تھا اور ان کی تمام ضروریات کو پوری کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے یہ معاشرتی، سماجی اور سیاسی اقدام کیا کہ ایک ایک مہاجر صحابی کا ایک ایک انصاری سے عقد مؤاخاۃ قائم کرلیا کہ دونوں کے درمیان برادری اور بھائی چارہ ہوگا۔ اس طریقے سے مہاجرین کی غیر مانوسی کا بھی ایک حد تک ازالہ ہوگیا۔ اور ان کی کفالت کا بھی اچھا انتظام ہوا اور انصار کے لئے بھی ان کی خبر گیری اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں آسانی ہوئی۔ اور مہاجرین وانصار دو علیحدہ فریق ہونے کے تصور اور ان کے باہمی دوری کا بھی خاتمہ ہوا۔ اس طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک پرُامن خوشگوار اور مثالی معاشرہ کی تشکیل دی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ان کے انصاری بھائی سعد بن الربیعؓ نے کہا کہ آؤ میں تمہارے ساتھ اپنا مال برابر تقسیم کر کے آدھا مال تم کو دے دوں اور میری دو بیویاں ہیں ایک کو طلاق دوں گا جب اسکی عدت گزر جائے تو اس کے ساتھ تم نکاح کر دو۔ یہ تو انصاری کی قربانی اور ایثار کا جذبہ تھا۔ لیکن مہاجرین صحابہ بھی غیرت مند تھے وہ ایسا کب پسند کرتے تھے؟ وہ ایسے نہ تھے جیسا کہ پشتو میں کہاوت ہے۔

’’چې یو نیره ور کړې نو بل ئې د مونده اوباسي‘‘ یعنی ایک نے داڑھی پکڑا دی تو

دوسرے نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سلیم الطبع' باہمت اور غیرت مند نوجوان تھے' اپنے بھائی کے اس خلوص بھری پیش کش پر انہیں دعا دی کہ اللہ آپ کے مال اور اھل میں آپ کے لئے برکت دے۔ میں جوان ہوں' محنت مزدوری کر سکتا ہوں۔ مجھے بازار کا راستہ بتلا دے تا کہ محنت مزدوری کر کے کما کر کھاؤں۔

جیسا کہ افغان قوم بھی ایک مثالی قوم ہے جو کہ ہجرت کر کے پردیسی اور بے سروسامانی میں بھی کسی سے سوال نہیں کرتی۔ بلکہ ہمت کے ساتھ محنت مزدوری کر کے کما کر کھاتی ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو گلی کوچوں میں پھر کر لوگوں سے سوال کرتی' جیسا کہ ہم بچے تھے کہ روس میں انقلاب آیا تھا تو سمرقند اور بخارا وغیرہ کے لوگ اس طرح گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے اور سوال کرتے تھے اور ان کی عورتیں بھی گھروں میں جا کر پیسے دانے وغیرہ مانگا کرتی تھیں۔ اسی طرح ہم نے کئی قوموں کو دیکھا کہ تیس چالیس سال دربدر پھرا کرتے تھے۔ اور دنیا کی کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی۔

صحابی کی شادی اور زرد رنگ کا اثر :

یہ زرد رنگ' اس قسم کے رنگ والی خوشبو کا تھا۔ جو کہ زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور مرد کے لئے رنگ والی خوشبو لگانا درست نہیں۔ اور عورت کے لئے درست ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر یہ زرد رنگ اس کی بیوی کی لگائی ہوئی خوشبو سے لگا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کو چونکہ واقعہ کا علم نہ تھا اس وجہ سے حالت پوچھی اور فرمایا مھیم یہ کلمہ استفھام کا ہے اور مبنی بر سکون ہے' اور اس کا معنی ہے "ماھذا" یعنی یہ کیا ہے؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسکے مہر کے متعلق دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو مہر میں کیا دے دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "نواۃ"

قال حمید أو قال : وزن نواۃ من ذھب : راوی حدیث حضرت حمیدؒ کہتے ہیں کہ یا ایسا کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا۔ یعنی اس میں حمید کو شک ہے کہ حضرت انسؓ نے روایت اس طرح کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نواۃ یعنی کھجور کی گٹھلی کہا ہے۔ یا وزن نواۃ من ذھب۔ یعنی نواۃ کے وزن

کے برابر سونا کہا ہے۔

أولم و لو بشاة : حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری سے ہو۔ پس شادی کے بعد تکلفات کے بغیر حسب استطاعت ولیمہ کی دعوت کرنا مسنون ہے۔

لفظ ''نواۃ'' کی تحقیق :

نواۃ لغت عربی میں کھجور کی گٹھلی کو کہا جاتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں یہ لفظ وزن کی ایک خاص مقدار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس مقدار کے تعین میں فقہا کرام و محدثین کا اختلاف ہے۔ امام ترمذیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک وزن نواۃ کے برابر سونا' ۳ ۱/۳ دراہم کے وزن کے برابر ہے۔ اور امام اسحٰق کا قول یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مقدار پانچ دراہم کے وزن کے برابر ہے۔

بعض محدثین کے نزدیک وزن نواۃ سے مراد اتنا سونا ہے کہ جس کی قیمت پانچ دراہم کے برابر ہو۔ اور اس کے مطابق ایک روایت بیہقی میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے۔

اور بیہقی کی ایک روایت میں اس کی قیمت ۳ ۱/۳ دراہم کے برابر مروی ہے۔ اور اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر جزم (یقین) کیا ہے اور بعض مالکیہ سے منقول ہے کہ ''نواۃ'' اہل مدینہ کے نزدیک (۱/۴) یعنی ربع دینار کو کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ایک روایت طبرانی نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی نواۃ پانچ دراہم کے برابر ہے اور امام ابوعبید نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پانچ دراہم دیئے تھے۔ اور پانچ دراہم کو ''نواۃ'' کہا جاتا ہے جیسا کہ چالیس دراہم کو ''اوقیہ'' کہا جاتا ہے۔ (از تحفة الأحوذی)

☆

۲۳: بَابُ مَا جَاءَ فِی الْغِیبَةِ

غیبت کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْغِيبَةُ ؟قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَرْزَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (اے ہر مخاطب) تیرا اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرنا (غیبت ہے) جس کو وہ برا جانتا ہو (اگر اس کو اس کی اطلاع ہو جائے۔) تو اس (سائل) نے کہا کہ (اے اللہ کے رسول ﷺ) اگر چہ اس بھائی میں وہ عیب موجود ہو جسے میں بتا تا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں وہ عیب موجود ہو جو تُو بتا تا ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر اس میں وہ عیب موجود نہ ہو جو تُو بتا تا ہو تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا۔

اس باب میں حضرت ابوہریرۃؓ، ابن عمرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ سے روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

مسلمانوں کے ایذاء اور تذلیل کی ممانعت :

برّ اور صلہ کے ابواب میں دوستوں، رشتہ داروں، اور عام مسلمانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا ذکر ہوا۔ اب جو چیز مسلمان کے لئے ایذاء اور اس کی تذلیل ہو ایسی تمام چیزوں کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔ اور مسلمان کی ایذاء وتذلیل کے سلسلے میں ایک بڑی چیز غیبت ہے، پس اس باب میں غیبت کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

غیبة وزن فعلة ہے اور افتعال کے معنی میں آتا ہے یعنی غیبت بمعنی اغتیاب ہے۔ اغتاب

الرجل الوجل :ایک آدمی نے دوسرے کی غیبت کی اور غیبت کا معنی خود حدیث میں مذکور ہے۔یعنی کسی آدمی کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی ایسا وصف اور عیب ظاہر کرنا جس کی اگر اس کو اطلاع ہو جائے تو وہ خفا ہوگا۔پھر یہ عیب ظاہر کرنا عام ہے چاہے وہ اس کے جسم میں ہو یا اس کے کپڑوں میں۔اس کے دین سے متعلق ہو یا اس کے دنیوی معاملات سے' اس کے چال چلن سے متعلق ہو یا اس کے اخلاق سے' اس کے مال سے متعلق ہو یا اس کی بیوی سے متعلق۔اس کے بچوں کے بارے میں ہو یا اس کے ماں باپ اور خاندان کے بارے میں۔

پھر یہ بھی عام ہے کہ تو نے اس عیب کا اظہار زبان کے الفاظ کے ساتھ کیا ہو یا تحریر کے ساتھ۔ہاتھ' پاؤں کے اشارے سے کیا ہو یا سر اور آنکھوں کے اشارے سے۔حاصل یہ کہ جس طریقے سے بھی تو نے کسی اور کو کسی مسلمان کا عیب سمجھا دیا تو یہ غیبت ہے۔بڑا جرم ہے گناہ کبیرہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے غیبت کو منع فرمایا اور اس کی مذمت کو مثال سے اس طرح واضح فرمائی ہے: "اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتاً فَکَرِهْتُمُوْهُ"۔

مردہ بھائی کے گوشت سے تشبیہ :

یعنی غیبت کرنے کو اپنے مسلمان بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔حلال جانوروں کے گوشت کے بعض اقسام سے بھی بعض لوگ طبعی طور پر نفرت کرتے ہیں۔مثلاً بعض لوگ فارمی مرغی کا گوشت نہیں کھاتے۔اور حرام جانوروں مثلاً کتے' بلی' لومڑی وغیرہ کا گوشت تو مسلمان بالکل نہیں کھاتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے۔پھر حرام میں بھی جب وہ گوشت انسان کا ہو اگرچہ کافر یہودی اور نصرانی ہو لیکن ہم جنس ہونے کی وجہ سے انسان کے گوشت کھانے کو فطرت سلیم گھناؤنا سمجھتی ہے۔اور انسانوں میں بھی جب مسلمان ہو اور پھر بھائی ہو تو ہم مذہب اور ہم نسب ہونے اور قرابت کی وجہ سے وہ زیادہ قابل رحم اور اسکا گوشت کھانا زیادہ قابل نفرت ہوتا ہے۔پھر اگر زندہ ہو اور اپنا دفاع کرسکتا ہو اور مقابلہ کرسکتا ہو تو ایسی حالت میں غصہ وغیرہ وجوہات کی بناء پر اس کا گوشت کھانا دور کی کچھ معقولیت رکھتا ہے اگرچہ یہ بھی درندگی کی ایک بدترین مثال ہے۔لیکن جب کہ وہ بھائی مرا ہوا پڑا ہے کہ نہ تو وہ مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ اپنا دفاع کرسکتا ہے تو ایسی حالت میں اس مسلمان بھائی کے گوشت کو کاٹ کاٹ کر کھانا اس سے بڑھ کر ظلم' بے رحمی'

سنگدلی درندگی اور گھناؤنا کردار کیا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس قسم کی شنیع حرکت کو گوارا نہیں کرسکتا۔ پس بعینہ اس طرح غیبت کو بھی سمجھ لینا چاہیے' یعنی لوگ غیبت کو معمولی چیز سمجھتے ہیں اور لاابالی طور پر یہ گناہ کر گزرتے ہیں تو آیت کریمہ میں اسکی قباحت کو مثال کے ساتھ بیان کر کے واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ اس کو معمولی چیز نہ سمجھے بلکہ یہ اتنا قبیح عمل ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کی لاش سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتا ہو۔ مردہ کو کسی کام کا پتہ نہیں ہوتا' یہ ظلم و بربریت سے بے خبر ہے' اسی طرح کسی کی غیبت اس کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے اور وہ مغتاب مردے کی طرح لاعلم ہوتا ہے۔

یقیناً اس آیت کریمہ میں غیبت کی برائی اور قباحت کو پورے مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعض علماء اور طلباء حضرات کی بھی اس کے بغیر روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ وہ مولوی صاحب اور وہ طالب علم یقیناً بڑے ولی اللہ ہوں گے جو غیبت کے گناہ سے بچ سکے۔

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ کا کسی کی غیبت اور برائی سے مکمل احتراز :

ایک حضرت مولانا صاحبؒ والد محترم (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ) تھے جو کبھی بھی کسی کی برائی کو بیان نہ کرتے تھے۔ یہاں اکوڑہ خٹک میں ابتداء میں بہت سے لوگ ان کے مخالف تھے۔ بعض بدعتی لوگ ایسے تھے جو کہ اس دارالعلوم کو بھی یہاں برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور مخالفت میں بہت کچھ پروپیگنڈے کرتے تھے لیکن مولانا صاحب مثبت انداز میں اپنا کام کرتے رہے اور کسی کو بھی برا نہ کہتے تھے : وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ ۔(الآیۃ)

یہ خصلت نہیں مل جاتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ نہیں مل جاتی مگر اس کو جو بڑا ہی بختاور ہو۔

تین چار مرتبہ ہم الیکشن لڑ چکے ہیں۔ بڑی بڑی باطل طاقتوں کے ساتھ مقابلے ہو چکے ہیں۔ نیشنل اور پیپلز وغیرہ جماعتیں ہمارے خلاف متحد ہو جاتیں افغانستان کے شاہ ظاہر شاہ کے زمانے میں افغانستان کی تمام قوتیں اور سرحد کے عبدالغفار خان باچا نے متحد ہو کر ۷۰ء میں اجمل خٹک صاحب کو مولاناؒ کے خلاف کھڑا کر دیا۔ الیکشن عام طور پر اپنے مقابل کی برائی بیان کئے بغیر نہیں لڑا جا سکتا۔ کیونکہ جب اپنے حریف کو لوگوں کی نظر میں نااہل اور غیر معتمد ثابت نہ کرو گے تو جیت کس طرح حاصل کر سکو گے' لیکن حضرت مولانا صاحبؒ الیکشن کے موقعوں پر بھی کسی کے خلاف ایک جملہ بھی نہ کہتے تھے، ۷۷ء کے الیکشن میں نصر اللہ

خٹک جو کہ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور بھٹو صاحب وزیر اعظم تھے' حکومت ساری ان کی تھی۔اس حالت میں نصر اللہ خٹک نے حضرت مولانا صاحبؒ کے خلاف الیکشن کمیشن میں دستبرداری کے جعلی کاغذات داخل کرا دیئے کہ مولانا صاحب بیٹھ گئے ہیں وہ الیکشن نہیں لڑتے۔اس پر پھر ہم نے مقدمہ چلایا اور بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں آخری فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔

الیکشن میں مخالفین کے ساتھ حضرت مولانا صاحب کے اخلاق عظیمہ :

تو ایک مرتبہ نصر اللہ خٹک کے متعلق کسی نے ذکر کیا تو مولانا صاحب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں بھی پاس (کامیاب) کرے۔لوگ ہنس پڑے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ بھی پاس ہوں اور وہ بھی پاس ہوں۔لیکن مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو بددعا نہ دو۔اور نہ کسی کو مردہ باد کہو۔باہر میدان میں چونکہ الیکشن کیمپین کرتے تھے۔اس وجہ سے اگر ہم کسی کے پیچھے کچھ کہہ دیتے تو بھی مولانا صاحبؒ منع کیا کرتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ بس مثبت انداز میں اپنا کام کرو۔اوروں کو برا مت کہو۔لیکن مدمقابل نے حالات بہت خراب کرر کھے تھے۔ان ظالموں نے جعلی ووٹ ڈالنے کے لئے' بہت سی عورتیں برقعوں میں لائی تھیں۔پھر بھی ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔

نصر اللہ خان خٹک بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا صاحب کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتے تھے۔ان کی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ حضرت کے کردار پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔

حضرت مولانا صاحب جب الیکشن جیت گئے تو بھٹو نے نصر اللہ خٹک سے کہا کہ: وزیر اعلیٰ! تو ایک مولوی کا بھی مقابلہ نہ کر سکا تو نصر اللہ خٹک نے کہا: کہ اگر تمہارا شوق ہو تو تم خود ہی انکے مقابلے کیلئے میدان میں آ کر آزمالو۔تم نے (نعوذ باللہ) ایک پیغمبر کے مقابلے کیلئے مجھے کھڑا کر دیا تھا۔میں انکے بارے میں آخر لوگوں سے کیا کہتا۔

اخلاق عظیمہ کا یہی کمال ہے کہ وہ ساری دنیا کو مسخر کر دیتا ہے۔حضرت مولانا صاحبؒ گھر میں بیٹھا کرتے تھے۔ووٹ مانگنے کے لئے عموماً کسی کے پاس نہ جایا کرتے تھے' لیکن پھر بھی لوگ ووٹ انہیں کو دیا کرتے تھے۔کیونکہ ان کا کردار لوگوں کو معلوم تھا۔اس وجہ سے لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔

☆

٢٤: باب مَا جَاءَ فِی الْحَسَدِ

حسد کے بارے میں بیان

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِالْجَبَّارِ الْعَطَّارِ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَا ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا. وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَابْنِ عمر وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ : حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے قطع تعلق مت کرو اور ایک دوسرے کو پیٹھ مت پھیرو۔اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔اور ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو۔اور اے اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے (دوسرے مسلمان) بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ سلام کلام ترک کرے۔اور اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت زبیر بن العوام ؓ حضرت ابن عمر ؓ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہوئی ہیں۔

توضیح وتشریح :

دلوں کی ایک مہلک بیماری حسد بھی ہے۔یہ نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ایک حدیث میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ ''حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جیسا کہ آگ ایندھن کو کھا کر ختم کر دیتی ہے۔'' اگر بندہ بہت نمازیں پڑھتا ہے۔روزے رکھتا ہے۔اور دوسری نیکیوں کی بھی اس کے ہاں بہتات ہو لیکن جب وہ دل میں دوسرے بھائی کے ساتھ حسد اور بغض رکھتا ہے تو یہ چیز ان تمام نیکیوں کو برباد کر دیتی ہے۔

حسد کیا ہے ؟

جب کوئی شخص دوسرے کودی گئی نعمت کے زوال کی تمنا کرے تو یہ حسد کہلاتا ہے۔چاہےاس نعمت کا اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش کرے یا نہ کرے۔مثلاً کسی دوسرے کی عزت' قابلیت' اور لیڈری وغیرہ کو نہ دیکھ سکتا ہو۔کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی ہے۔اور یہ تمنا کرتا ہو کہ اس سے یہ نعمت چھین جاوے۔اللہ کے بندے! تجھے کیا تکلیف ہے' اس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے۔ مال دیا ہے۔کمال دیا ہے۔اور عزت دی ہے۔تو اس میں اس کی اہلیت ہوگی۔تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ سارے راستے کھلے رکھے ہیں۔ جب وہ دوسرا طالب العلم فسٹ نمبر حاصل کرسکتا ہے تو تم بھی محنت کروتم بھی فسٹ آسکتے ہو۔ جب تم نے محنت نہیں کی اور اس نے سارا سال محنت کر کے اعلیٰ نمبرات حاصل کیئے تو اب اس کے ساتھ تو حسد کرنے لگتا ہے۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔اور بڑا جرم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حسد کرنے والا دراصل اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ایک نعمت اپنے ایک بندے کو دے دی ہے۔لیکن حاسد کو اس پر اعتراض ہے کہ اس کو یہ نعمت' عزت اور دولت کیوں دی ہے یہ علم اور منصب وغیرہ کیوں ملا ہے۔تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی عطاءٗ اور تقسیم کو درست نہیں سمجھتا۔اس لئے وہ اس بندے سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔لہذا اس سے بچنا چاہیے ورنہ یہ ایک متقی اور نیکوکار بندے کی بہت ساری نیکیوں کو برباد کردیتا ہے۔

حسد کب جرم بن جاتا ہے ؟

پھر حسد کا جرم اور گناہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ جب اس کے دل میں کسی سے اس کو دی گئی نعمت کے زوال کی تمنا آجائے۔اور پھر وہ اس آدمی سے اس نعمت کو زائل کرنے کی کوشش بھی شروع کردے۔ تب تو یہ ظلم ہے اور اس کا جرم اور گناہ ہونا واضح ہے۔

اور اگر وہ اس سے اس نعمت کے زائل کرنے کی کسی قسم کی کوشش اور سعی نہ کرے اور اپنی اس بری تمنا کا اظہار بھی نہ کرے اور اس حسد کی وجہ سے اس آدمی کے ساتھ کوئی بھی ایسا رویہ اور طرز عمل اختیار نہ کرے جو کہ ایک مسلمان کے ساتھ شرعاً ممنوع ہے۔تو اب دیکھا جاوے گا کہ اس نے اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی' اور اس کے ساتھ غلط طرز عمل کیوں اختیار نہ کیا۔اس سے مانع کیا ہے؟ پس

اگر یہ مانع اس کی عجز و کمزوری ہے، یعنی اگر اس کی قدرت ہوتی تو وہ اس آدمی کو اس حالت پر نہ چھوڑتا بلکہ وہ اس سے اس عزت، دولت اور منصب وغیرہ کو زائل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس سے چھین لیتا تو یہ بھی جرم و گناہ ہے۔ اور اگر یہ مانع اس کی عجز و کمزوری نہیں ہے، بلکہ تقویٰ اور خوف الٰہی ہے، یعنی وہ اس آدمی سے اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش اس لئے نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نیز اس کے ساتھ قولاً و فعلاً کوئی غلط طرز عمل اس لئے اختیار نہیں کرتا کہ وہ اس کو گناہ سمجھتا ہے اور خوف الٰہی کی وجہ سے اس سے باز رہتا ہے۔ تو اس صورت میں یہ امید ہے کہ اس کو معذور قرار دیا جاوے۔ اور اس سے وہ گناہ گار نہ ہو، کیونکہ اس کے دل میں جو اس آدمی سے نعمت کے زوال کی تمنا آئی ہے۔ یہ نفسانی خیالات ہیں اور اس کو دفع کرنے پر انسان قدرت نہیں رکھتا۔ تو اس کیلئے گناہ سے بچنے کیلئے یہ مجاہدہ کافی ہے کہ وہ اس غلط خیال کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کا ارادہ اس لئے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اسے لاحق ہے۔ مصنّف عبدالرزاق میں ایک مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا، بدفالی، گمان اور حسد۔ کہا گیا کہ اے تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ! پھر اس سے نکلنے کا کیا راستہ ہوگا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تو بدفالی کرے تو دوبارہ اس کی طرف نہ آؤ اور جب تجھے گمان آجائے تو اس کی تحقیق و تفتیش میں نہ لگ جاؤ۔ اور جب تو حسد کرے تو ظلم اور فساد مت کرو''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ'' کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس میں حسد نہ ہو۔ پس یہ حسد جس آدمی کو گناہ فساد اور ظلم کی طرف نہ لے جائے تو اس حسد کا اس پر کوئی وبال نہیں ہے۔ **کذافی فتح الباری**

قطع تعلق بغض اور غیبت کی ممانعت :

لاتقاطعوا و لا تدابروا : یعنی ایک دوسرے کے ساتھ قطع تعلق مت کرو۔ بائیکاٹ مت کرو۔ اور بعض نے **ولا تدابروا** کا مطلب یہ لیا ہے کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی بیان مت کرو یعنی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

و لا تباغضوا : اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور بعض نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ مذاہب

مختلفہ اختیار کر کے اختلاف پیدا مت کرو۔

"وَقِيلَ لَا تَخْتَلِفُوا فِي الْأَهْوَاءِ وَالْمَذَاهِبِ لِأَنَّ الْبِدْعَةَ فِي الدِّيْنِ وَالضَّلَالَ عَنِ الطَّرِيْقِ الْمُسْتَقِيْمِ يُوْجِبُ الْبُغْضَ". (لمعات)

یعنی خواہشات کی پیروی کر کے مختلف مذاہب اختیار نہ کرو کیونکہ دین میں بدعت نکالنا (اور شریعت کے بتلائے ہوئے) سیدھے راستے سے بھٹک جانا (مسلمانوں کے درمیان) بغض اور نفرت پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

<u>وکونوا عباداللّٰہ اخوانا</u> : یعنی اے اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بنو! یعنی اصل میں یا عباد اللّٰہ...... الخ ہے۔حرف ندا حذف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔اور اِخوانا خبر ہے کونوا کے لئے یا لفظ عباد اللّٰہ منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ کونوا کے لئے خبر ہے۔اور اخواناً خبر ثانی ہے۔اس اعتبار سے عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ: اللہ تعالیٰ کے بندے بنو۔ بھائی بھائی بنو! اور اس سے اس بات پر تنبیہ ہوتی ہے کہ افعال مذکورہ' یعنی ایک دوسرے سے بائیکاٹ' قطع تعلق کرنا' ایک دوسرے سے بغض رکھنا اور ایک دوسرے سے حسد کرنا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی عبدیت کے منافی ہیں۔عبدیت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ دو تب جا کر اللہ تعالیٰ کے صحیح بندے بن جاؤ گے۔

<u>لایحل للمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث:</u> کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے اور اس کی مزید تفصیل وتشریح باب ماجاء فی کراھیة الھجرة میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث کے تحت گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ ثَنَا سُفْيَانُ ثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا.

ترجمہ: حضرت سالمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسد جائز نہیں ہے، مگر دو خصلتوں میں؛ ایک اس آدمی کی خصلت پر جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پس وہ آدمی اس مال میں سے رات کی ساعتوں میں اور دن کی ساعتوں میں خرچ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو پس وہ اس پر عمل کرتا ہے رات کی ساعتوں میں اور دن کی ساعتوں میں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اس حدیث کے موافق روایتیں جناب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔

توضیح وتشریح: حسد اور غبطہ:

لاحسد الا فی اثنتین: یعنی حسد جائز نہیں ہے مگر ان دو خصلتوں میں جائز ہے۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ حسد جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو ان دو خصلتوں میں جائز ہوتا۔ لیکن جائز نہیں ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ دو چیزیں اتنی محمود، محبوب اور مطلوب ہیں کہ اس کے حاصل کرنے کیلئے اگر حسد بھی کرنا پڑے تب بھی اس کو حاصل کرنا چاہیے، یعنی مبالغہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے ان کو حاصل کرنا چاہیے۔ یا حسد کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی غبطہ۔ کیونکہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حسد کا ایک معنی حقیقی ہے اور ایک معنی مجازی۔ حقیقی معنی میں حسد کسی صاحب نعمت سے اس کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنے کو کہا جاتا ہے، اور یہ بالاجماع حرام و ناجائز ہے اور حسد کا مجازی معنی یہ ہے کہ اس نعمت جیسی نعمت اپنے لئے حاصل ہونے کی تمنا کرے اس صاحب نعمت سے اس کے زوال کی تمنا کئے بغیر اسے غبطہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ غبطہ اگر دنیوی نعمتوں میں کیا جاوے تو مباح ہے اور اگر طاعت و عبادت میں ہو تو مستحب اور کار ثواب ہے۔ اس حدیث میں بھی یہی غبطہ مراد ہے، لیکن اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ اگر مراد غبطہ ہو تو یہ تو ہر قسم کی نعمت میں جائز ہے پھر ان دو خصلتوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ غبطہ اگرچہ ہر نعمت میں جائز ہے لیکن ہر قسم کی نعمت میں غبطہ کرنا شرعاً محمود اور مطلوب نہیں ہے اور مذکورہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کے متعلق شریعت مقدسہ بھی ترغیب دیتی ہے کہ انکے حاصل کرنے کیلئے غبطہ کرو۔ "فَبِذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ"۔

"رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ" ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو چاہے مال زیادہ ہو یا کم پس وہ اس مال کو خرچ کرتا ہو۔ دن اور رات کی ساعتوں میں۔ یہاں خرچ کرنے سے مراد فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے کیونکہ ایسا مال مبارک اور قابل رشک ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کی غرض سے امور خیر میں صرف کیا جاتا ہے۔ مثلاً مسکینوں، غریبوں کو دیا جاتا ہو، طالبان دین پر خرچ کیا جاتا ہو۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کیا جاتا ہو۔ اس کے مدمقابل جو مال ایسا ہو جس کی بدولت انسان شراب پیتا ہو، فحاشی کرتا ہو، ظلم اور بے دینی کے کاموں میں لگا دیتا ہو، یہ مال تو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت وعذاب ہے، اور آخرت میں بھی ایسے مال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنی چاہیے۔

"وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ" یعنی دوسرے اس آدمی کی خصلت قابل رشک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو۔ پھر وہ قرآن کے ساتھ برابر کھڑا ہوتا ہے۔ رات کی ساعتوں میں اور دن کی ساعتوں میں۔ یعنی ہر وقت اسکی تلاوت اور اسکے معنی ومطالب میں غور وفکر میں مصروف رہتا ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے :

قیام بالقرآن کا وسیع مفہوم :

قیام بالقرآن سے مراد اس پر عمل کرنا ہے۔ پھر یہ عمل کرنا عام ہے۔ یعنی قرآن پاک کو نماز میں پڑھنا اور خارج نماز اس کی تلاوت کرنا، قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرنا، اس کے منہیات سے اجتناب کرنا، قرآن پاک کے علوم کی نشر واشاعت کرنا، قرآن کے مطابق فتویٰ دینا۔ قرآنی قانون کے مطابق فیصلے کرنا یہ سب قیام بالقرآن سے مراد ہیں۔ پس جس آدمی کو حفظ قرآن کریم اور علم القرآن کی دولت نصیب ہوئی اور پھر وہ رات کے اوقات میں اور دن کے اوقات میں قرآن کریم کو نماز میں پڑھتا ہے اور خارج نماز بھی۔ اور قرآن کے مطابق عمل کرتا ہے اور قرآن کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو اس آدمی کی یہ خصلت قابل رشک ہے۔

☆

۲۵: باب مَا جَاءَ فِی التَّبَاغُضِ

ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھنے کا بیان

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْأَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ وَ فِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو سُفْيَانَ اسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ.

ترجمہ:۔ ''حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: یقیناً شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے (مومنین) اس کی عبادت کریں۔لیکن وہ مسلمانوں کے درمیان فتنے وفسادات برپا کرنے سے مایوس نہیں ہے۔'' اوراس باب میں حضرت انسؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔اور سلیمان بن عمرو بن الاحوص نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے۔اور ابوسفیان کا نام طلحہ بن نافع ہے۔

توضیح وتشریح: شیطان کی مایوسی :

ان الشیطن قد أیس ان یعبده المصلون : بعض کا کہنا ہے کہ یہاں شیطان سے مراد جنس شیاطین ہے۔لیکن ظاہر یہ ہے کہ ابلیس، رئیس الشیاطین مراد ہے۔یعنی شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں۔

نماز ایمان کی علامت ہے :

اور نماز پڑھنے والوں سے مراد مؤمنین ہیں۔لیکن مصلین کا ذکر اس وجہ سے ہوا کہ نماز تمام اعمال میں سے بہترین عمل اور ایمان کی علامت ہے،اس بناء پر مومنین کی جگہ مصلین ذکر ہوا۔جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے: نَهَيْتُكُمْ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ ۔میں نے تم کو نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے

منع کیا ہے۔اس سے بھی مراد مومنین ہیں۔یعنی کسی مومن کا قتل ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔اس میں یہ تنبیہ موجود ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ نماز پڑھے گا کہ جس طرح اسکو مومن کہا جاتا ہو اسی طرح اس کو مصلی (نماز پڑھنے والا) کہا جائے۔کیونکہ قرآن وحدیث میں کبھی ایمان کی جگہ نماز اور کبھی نماز کی جگہ ایمان لایا گیا ہے۔جیسا کہ آیت کریمہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيْمَانَكُمْ (الاية البقره) یہاں عام مفسرین نے ایمان سے مراد نماز لی ہے۔اس طرح : "قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ"۔میں بعض کے نزدیک مصلین سے مراد مومنین ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان اور نماز لازم اور ملزوم ہیں۔ایمان کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔اس طرح نماز کے بغیر ایمان کا برقرار رہنا بھی مشکل ہے۔

بُت پرستی شیطان کی عبادت ہے :

یعنی شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ مومنین اس کی عبادت کریں۔بعض محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں شیطان کی عبادت سے مراد۔بت پرستی یعنی بتوں کی عبادت کرنا ہے۔کیونکہ بت پرستی کی طرف شیطان دعوت دیتا ہے اور حقیقت میں یہ شیطان کی عبادت ہے۔جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ۔اے ابا جان شیطان کی عبادت نہ کر۔" حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ براہ راست شیطان کی عبادت نہ کرتا تھا بلکہ وہ بت پرستی میں مبتلا تھا۔اور اس حدیث کے ساتھ مسلم شریف کی روایت میں "في جزيرة العرب" کی قید بھی لگائی گئی ہے۔تو اس اعتبار سے حدیث کا مطب یہ ہوگا کہ جزیرۃ العرب میں دوبارہ بت پرستی ہونے سے شیطان مایوس ہو چکا ہے۔مسلم شریف کی روایت کے مطابق جس میں "في جزيرة العرب" کا اضافہ بھی ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔یعنی جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی کے مطابق جزیرۃ العرب میں بت پرستی نہیں ہوگی۔لیکن اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان جزیرۃ العرب میں بت پرستی ہونے سے مایوس ہو چکا ہے یعنی اسلام کی ترقی' اور استحکام کو دیکھ کر شیطان مایوس ہو گیا اور اس کو بالکل یہ امید نہ رہی کہ پھر کبھی جزیرۃ العرب میں بت پرستی ہوگی۔پس اگر خدانخواستہ کبھی جزیرۃ العرب میں بت پرستی ہو جائے بھی' تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا' کہ شیطان کا گمان اور اندازہ غلط تھا' وہ

مایوس ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ چیز وجود میں آئی جس کے موجود ہونے سے وہ مایوس تھا۔لہٰذا حدیث پاک میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ درست ہے چاہے شیطان کا تخمینہ درست ہو یا غلط اور اس اعتبار سے ترمذی کی حدیث باب، مسلم شریف کے اضافہ کے بغیر بھی درست رہے گی۔ کیونکہ حدیث باب میں تو ''فی جزیرۃ العرب'' کی قید نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ''مصلین'' نماز پڑھنے والے یعنی مومنین عام کا ذکر ہے اور اکثر محدثین نے شیطان کی عبادت سے ہر قسم کا کفر و شرک مراد لے لیا ہے۔ کیونکہ تمام اقسام کفر شیطان ہی کے بتلانے سے اختیار کئے جاتے ہیں جو کہ دراصل شیطان کی عبادت ہی ہے۔ پس اس اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ مومنین پھر کبھی کفر اور شرک اختیار کر کے اس کی عبادت کریں۔لیکن بسا اوقات اس طرح ہو جاتا ہے کہ بعض لوگ ایمان لانے کے بعد پھر کفر و شرک میں مبتلا ہو کر مرتد ہو جاتے ہیں۔پس دنیا میں کسی بھی مقام پر یا جزیرۃ العرب میں کسی کا مرتد ہو کر کفر اختیار کرنے سے شیطان کا اندازہ تو غلط ثابت ہوگا لیکن حدیث کے معنی میں کچھ نقص نہیں آئیگا۔

مسلمانوں میں افتراق انگیزی شیطان کی ایک خطرناک چال :

ولکن فی التحریش بینھم : لیکن شیطان اس بات سے مایوس نہیں ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور جھگڑے پیدا کر کے فتنہ و فساد برپا کر دے۔

امام ترمذیؒ نے تباغض (ایک دوسرے کے ساتھ بغض کرنا) کے باب میں اس حدیث کو ذکر کیا۔ یہی چیز ہے جس کی شیطان کو امید ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کیخلاف بحث مباحثہ و جنگ و جدل اور بغض و حسد میں مبتلا کر کے انکے درمیان جھگڑے اور فسادات برپا کر دوں گا۔اور اس طریقے سے ان کے دین و دنیا دونوں برباد کر دونگا۔مسلمانوں کے لئے اس ارشاد مبارک میں بہت ہی ضروری اور اہم سبق موجود ہے۔جناب رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) نے اپنی امت کو شیطان کی ایک خطرناک چال کی نشاندہی کی ہے کہ جب شیطان مسلمانوں کو واپس کافر و مرتد بنانے میں ناکام ہو جاتا ہے۔تو شیطان یہی چال اختیار کرے گا کہ ان کے درمیان اختلافات پیدا کر کے ان کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دے۔ پھر وہ آپس میں بحث و مباحثہ کریں گے۔ایک دوسرے کے خلاف حجت بازی کریں گے،امت مختلف

فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگی ہر گروہ اپنے جتھے کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہوگا' دوسروں سے نفرت کرنے لگیں گے۔ بغض حسد اور نفرت کی فضاء بن جائے گی اور جھگڑے وفساد پیدا ہوں گے۔ اس طرح مسلمانوں کی قوت' قابلیت اور صلاحیت ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگیں گی اور یہی چیز ان کے دین ودنیا کی بربادی کے لئے کافی ہے۔

امت مسلمہ کے موجودہ حالات پر ایک نظر دوڑایئے تو پتہ چلے گا کہ شیطان نے امت کے درمیان اختلافات پھیلانے اور ان کے درمیان بغض وحسد اور نفرت پھیلانے کے لئے کتنی مضبوط بنیادیں کھڑی کردی ہیں۔ دیکھئے یہ مذہبی اختلافات اور چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے امت میں مختلف فرقے بننا اور پھر آپس میں بغض وعداوت رکھنا پھر اس کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں نفرت پھیل جانا' کیا یہ شیطانی چال نہیں جس میں وہ کامیاب رہا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ شیطان کو خوشی کا موقع نہ دیں' آپس میں گروہ بندی فرقہ واریت کو ختم کریں اور ایک قوت بن کر باطل کا مقابلہ کریں۔

☆

۲۶ : بَابُ مَا جَاءَ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

آپس میں مصالحت کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ ثَنَا سُفْيَانُ وَ ثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُو أَحْمَدَ قَالَا ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ: وَ قَالَ مَحْمُودٌ فِي حَدِيثِهِ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ .

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ خُثَيْمٍ وَرَوَى دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ

يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا بِذَلِكَ ابو كريب ثنا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ دَاوُدَ بن ابى هند وَ فِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍؓ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزیدؓ روایت کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جھوٹ بولنا حلال نہیں مگر تین چیزوں میں حلال ہے۔ایک یہ کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جھوٹی بات کہے تا کہ اسے راضی کردے۔دوسرا یہ کہ کفار کے ساتھ لڑائی کے سلسلے میں جھوٹ بولے۔تیسرا اس لئے جھوٹ بولنا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرلیں......اور محمود نے اپنی حدیث میں اس طرح کہا ہے''لایصلح الکذب الخ''یعنی جھوٹ بولنا درست نہیں' مناسب نہیں۔

یہ حدیث حسن ہے۔ہم اسے حضرت اسماء کی حدیث سے نہیں جانتے' مگر ابن خثیم کی حدیث سے۔اور داؤد ابن ابی ھند نے یہ حدیث شھر بن حوشب سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔اور اس میں اسماء کا ذکر نہیں کیا ہے۔اسی طرح ہمیں ابو کریب نے بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی زائدہ نے اور اس نے داؤد ابن ابی ہند سے روایت کی ہے۔اس باب میں حضرت ابو بکرؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔

توضیح وتشریح :

تین چیزوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے :

اصلاح ذات البین یعنی آپس کی چپقلش اور ناراضگی دور کرنے کے لئے تا کہ مسلمانوں میں الفت ومحبت قائم رہے۔اتفاق واتحاد ہو' نفرت بگاڑ' تفرقہ وانتشار پیدا نہ ہو۔اس باب میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی احوال کی اصلاح اور ان کے آپس میں صلح مصالحت کرنے اور جوڑ پیدا کرنے کی کتنی اہمیت ہے۔اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرنے اور جوڑ پیدا کرنے کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔نیز کوئی مرد اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے جھوٹ بولے یہ بھی جائز ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ بیوی اور شوہر کے درمیان الفت ومحبت قائم رہے اور گھریلو ناچاقی پیدا ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اجیرن نہ ہو۔اس طرح مصلحت کی وجہ سے کفار کے ساتھ لڑائی میں جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔

جس سے مسلمانوں کو فتح اور کفار کو ضرر اور شکست دینا مقصود ہو۔

بعض حالات میں جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق، جھوٹ بولنا عام حالات میں تو حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ بعض صورتوں میں مکروہ ہے اور بعض صورتوں میں مباح ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جھوٹ بولنا فرض اور واجب بن جاتا ہے۔ مثلاً علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی آدمی کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور یہ مظلوم آدمی کسی جگہ چھپ گیا ہو جو کہ آپ کو معلوم ہو اور وہ ظالم اس کے متعلق آپ سے پوچھے کہ فلاں آدمی کہاں ہے؟ تو اس موقع پر اس مظلوم کی جان بچانے کی خاطر جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اور تم پر لازم ہے کہ مثلاً یوں کہو کہ یہاں تو کوئی آدمی نہیں آیا، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ وغیرہ تا کہ ظالم دوسری طرف رخ کرے۔ اور مظلوم کی جان بچ جائے۔ اس موقع پر سچ بتا کر اس ظالم کو مظلوم کی نشاندہی کرنا قتل ناحق میں اس کے ساتھ مدد کرنا ہے۔ اور یہ حرام و ناجائز ہے۔

البتہ ایسے موقع پر اگر توریہ کر سکتا ہو تو توریہ کرنا بہتر ہے۔ تا کہ حتی المقدور جھوٹ بولنے سے بھی بچ سکے اور مقصود بھی حاصل ہو اور اگر توریہ نہ کر سکتا ہو تو اس قسم کی ضرورت اور مصلحت کی خاطر صریح جھوٹ بھی درست ہے۔

توریہ کا معنی اور حضرت ابوبکرؓ کا توریہ کرنا :

توریہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا محتمل لفظ استعمال کرے کہ مخاطب کو خلاف واقع چیز سمجھ میں آئے اور کہنے والے کے نزدیک متبادر معنی سے ہٹ کر دور کے معنی کے اعتبار سے وہ واقع کے مطابق ہو اور سچ ہو۔ پس ''توریہ'' سننے والے کے گمان کے مطابق تو جھوٹ ہے لیکن کہنے والے نے اپنے الفاظ کو کسی دوسرے معنی پر حمل کر کے واقع کے مطابق اور سچ کہا ہے۔ اور یہ توریہ اور معاریض کہلاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے توریہ اختیار فرمایا اور عزیمت پر عمل کیا۔ یعنی جس وقت کفار مکہ نے ایک منظم منصوبے کے تحت مختلف خاندانوں کے چیدہ چیدہ جوانوں کو جمع کر کے ان کو یکبارگی حملے کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے کا کام سپرد کیا اور انہوں نے رات کے وقت جناب رسول اللہ

ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کیا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم پر جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے نکلے۔ نکلتے وقت جناب رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر ریت کفار کی طرف پھینک دی، اللہ تعالیٰ نے یہ ریت سب دشمنوں کی آنکھوں تک پہنچا دی، وہ اپنی آنکھیں ملنے لگے اور یہ دونوں راستے پر جا رہے تھے، مگر کفار ان کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور رسول اللہ ﷺ کے پاؤں کی آہٹ سنتے تھے اور یہ سمجھتے کہ کوئی راستے پر جا رہا ہے۔ تو کفار پوچھتے تھے کہ تم کون ہو؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا: ابو بکر۔ تو وہ پوچھتے تھے تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ یہی وقت عظیم امتحان کا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا اور سچ بولنا ان کا خصوصی شیوہ تھا۔ ہمیشہ سچ بولنے کی وجہ سے صدیق کا لقب پا چکے تھے۔ لیکن یہاں اگر صاف طور پر سچ بتاتے کہ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہیں تو جناب رسول اللہ ﷺ کی جان کو خطرے میں ڈال دیتے اور یقیناً یہ بڑا ظلم ہوتا (والعیاذ باللہ)

تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوری دلجمعی سے ایک حکیمانہ جواب دیا: اور فرمایا: "رجل یھدینی السبیل" "ایک آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ اس جواب سے مشرکین نے تو عام عادت کے مطابق یہ سمجھا کہ ابوبکرؓ کہیں دور کے سفر پر جا رہے ہیں اور راستہ معلوم کرنے کے لئے کوئی رہبر اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ اور خود حضرت ابوبکرؓ کا مطلب ان الفاظ سے یہ تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو کہ مجھے وصول إلی اللہ کا جادۂ حق اور صراط مستقیم دکھاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا توریہ:

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے جب کافروں کے سارے بت توڑ دیئے اور صرف بڑا بت چھوڑ دیا اس مقدمہ میں جب حضرت ابراہیمؑ مشرکین کے روبرو لائے گئے اور مشرکین نے اس بارے میں ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے بتوں کا یہ حشر کیا ہے؟ تو ابراہیمؑ نے جواب فرمایا: "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" (الایۃ) "بلکہ یہ تو ان میں سے اس بڑے بت نے کیا ہے۔" اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے ظالم بادشاہ سے اپنی بیوی کی آبرو بچانے کے لئے فرمایا "اِنَّهَا اُخْتِیْ" یہ میری بہن ہے۔

نیز جب مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے خوشی کے دن ساتھ جانے کا کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ تو حضرت ابراہیم نے کہا "اِنِّی سَقِیْم" (الایۃ) یعنی میں بیمار ہوں۔

ان مثالوں کی بنا پر بعض علماء کہتے ہیں کہ ضرورت اور مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا جائز ہے اور بعض نے جھوٹ بولنے کو علی الاطلاق ممنوع قرار دیا ہے۔ اور مذکورہ ارشادات کو معاریض اور توریہ پر حمل کیا ہے۔ اور ان آیات کریمہ کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔

بیوی راضی کرنے کیلئے جھوٹ بولنا :

یحدث الرجل امرء ته لیرضیها: بیوی کو راضی کرنے کے لئے جھوٹی بات کہنا جائز ہے مثلاً کوئی طالب علم پانچ چھ مہینے بعد گھر جائے تو ادھر بیوی ناراض ہے کہ اتنی طویل مدت کیوں گزاری، اللہ کے بندے! مہینہ میں ایک مرتبہ تو آیا کرو۔ تو یہ طالب علم اگر بیوی کو راضی کرنے کے لئے جھوٹ کہے کہ مثلاً میں نے تو بہت کوشش کی، گھر آنے کو دل بہت چاہتا تھا لیکن دارالعلوم کی طرف سے چھٹی نہیں مل رہی تھی تو میں کیا کرتا۔ مجبوری تھی، وغیرہ تو یہ جائز ہے اس سے وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

جنگ میں جھوٹ بولنا :

والکذب فی الحرب: اور کفار کے ساتھ جنگ میں جھوٹ بولنا بھی جائز ہے، مثلاً یوں کہے کہ ہمیں ابھی تیس ہزار لشکر کی مدد پہنچ رہی ہے۔ تا کہ کافروں کے حوصلے پست ہوجائیں۔ یا مثلاً مسلمانوں کا کوئی فوجی دستہ ایک طرف سے حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور لوگوں کو کسی دوسری طرف سے حملہ آور ہونے کا کہے تا کہ قبل از وقت کسی کو اطلاع نہ ہوجائے۔

مصالحت کیلئے جھوٹ بولنا :

والکذب لیصلح بین الناس: اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان کسی وجہ سے ناراضگی اور قطع تعلق واقع ہوجائے تو دوسرے مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادے تا کہ جھگڑا طول نہ پکڑے۔ مزید فساد پیدا نہ ہو۔ اور دونوں جانب

کے مسلمان قطع تعلق کے گناہ سے بھی بچ جائیں۔اس مقصد کے لئے اگر کوئی صلح کرنے والا جھوٹ بولے مثلاً ایک فریق سے یوں کہے کہ آپ کے مخالف آپ کے ساتھ ناراضگی پر نہایت شرمندہ اور پشیمان ہیں وہ آپ کیساتھ محبت کرتے ہیں اور آپکے ساتھ مصالحت کرنے کے خواہاں ہیں وغیرہ۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ ثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أُمِّهِ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عُقْبَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْرًا أَوْ نَمَا خَيْرًا. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا روایت کرتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: وہ آدمی جھوٹ بولنے والا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرنا چاہے۔پس وہ بھلائی کی بات کہے یا (اس طرح فرمایا کہ) جو خیر اور بھلائی کی بات پہنچائے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

غیر مذموم جھوٹ :

لیس بالکاذب : اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ لغت کے اعتبار سے تو ہر خلاف واقع بات کو جھوٹ کہا جاسکتا ہے لیکن جو آدمی لوگوں کے درمیان مصالحت کرنے کے لئے فریقین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچا دیتا ہو تا کہ ان کے دلوں سے ایک دوسرے سے متعلق کدورت دور ہو جائے،ان کے دل ایک دوسرے کے لئے نرم ہوں اور مصالحت کی راہ ہموار ہو جائے۔تو یہ آدمی شرع کی اصطلاح میں مذموم دروغ گو نہیں ہے۔کیونکہ جھوٹ عموماً فساد اور برائی کے لئے بولا جاتا ہے۔لیکن اس نے اصلاح اور بھلائی کے لئے جھوٹ کہا' پس یہ جھوٹ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔

☆

۲۷ : باب مَا جَاءَ فِی الْخِیَانَةِ وَالْغِشِّ

خیانت اور ملاوٹ وفریب کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ ثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ حَبَّانَ عَنْ لُؤْلُؤَةَ عَنْ أَبِی صِرْمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللَّهُ بِهِ ،وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَیْهِ وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی بَکْرٍ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ

ترجمہ: حضرت ابوصرمہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کوضرر پہنچایا تو اللہ تعالیٰ اس کوضرر پہنچائے گا۔اور جس نے کسی مسلمان کوسختی میں مبتلا کردیا اللہ تعالیٰ اس کوسختی میں مبتلا کردے گا۔اوراس باب میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی روایت ہے۔یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح :

<u>عن أبی صرمة</u>: صرمۃ صاد کے کسرہ اورراء کے سکون کے ساتھ'یہ انصاری صحابی تھے۔قبیلہ مازن سے تعلق رکھتے تھے۔ان کا اپنا نام مالک بن قیس ہے۔اوروہ ایک بہترین شاعربھی تھے۔

<u>والغش</u> : غِش کسرۂ غین کے ساتھ۔دراصل اس کا معنی ہے''جوکچھ درپردہ پوشیدہ ہےاس کے خلاف ظاہر کرنا''اس لئےغش کا معنی ملاوٹ' دھوکہ اورفریب سے کیا جاتا ہےاورکینہ اوربغض وحسد کے معنی میں بھی آتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ ثَنَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ الْعُکْلِیُّ ثَنِی أَبُو سَلَمَةَ الْکِنْدِیُّ حَدَّثَنَا فَرْقَدُ السَّبَخِیُّ عَنْ مُرَّةَ بْنِ شَرَاحِیلَ الْهَمْدَانِیِّ وَهُوَ الطَّیِّبُ عَنْ أَبِی بَکْرٍ الصِّدِّیقِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَکَرَ بِهِ.هَذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملعون (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور) ہے وہ آدمی جس نے کسی مومن کوضرر پہنچایا یا اس کودھوکہ دیا...... یہ حدیث غریب ہے۔

<u>ظاہری اورخفیہ ضرر پہنچانے کی ممانعت :</u>

من ضارّ مومنا کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً کسی مومن کوضرر پہنچائے اور أو مکر به کا مطلب

یہ ہے کہ خفیہ طور پر کسی فریب اور دھوکہ کے ذریعے اس کو ضرر پہنچائے دونوں ناجائز اور حرام ہیں۔

امام ترمذیؒ نے خیانت اور غش یعنی ملاوٹ اور دھوکہ کے نام سے باب قائم کر کے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے کسی مسلمان کو ضرر پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچا دے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کو سختی اور مشقت میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈال دے گا۔

ضرر اور مشقت :

1　من ضار الخ ۔اس پہلی حدیث کے پہلے جملہ میں من ضار استعمال ہوا ہے جو کہ ضرر سے ماخوذ ہے اور دوسرے جملہ میں من شاق الخ جو کہ مشقت سے لیا گیا ہے اور ضرر و مشقت دونوں قریب المعنیٰ الفاظ ہیں۔ لیکن ضرر مال ہلاک کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مشقت بدنی تکلیف کے لئے۔

ہر کام میں دھوکہ اور ملاوٹ حرام ہے:

کسی مسلمان کو دھوکہ دینا اور اس کو تکلیف اور ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا۔ اسی طرح گندم، سبزی اور فروٹ وغیرہ میں سے اچھی چیز کو ظاہر کرنا اور خراب حصہ کو چھپا کر فروخت کرنا یہ تمام صورتیں دھوکہ اور ملاوٹ کی ہیں جو کہ حرام اور ناجائز ہیں اور دھوکہ دینے والوں کو جناب رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔ چنانچہ فرمایا : مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا ’’جس نے ہم (مسلمانوں) کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘ پس مسلمان کی شان ہرگز یہ نہیں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے باوجود وہ دھوکہ اور فریب سے باز نہ آئے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کے عام معاشرتی زندگی میں ان ارشادات پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اکثر مسلمان دنیوی مال و متاع کی لالچ میں دھوکہ دہی، جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں اور اکثر چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ دودھ میں پانی ملا کر شہد میں چینی ڈال کر ملاوٹ کرتے ہیں۔ بعض لوگ گائے بکری کو بہت زیادہ چارہ کھلاتے ہیں تاکہ پیٹ زیادہ بھر جانے کی وجہ سے خریدنے والے کو گابھن ظاہر کر کے زیادہ روپے میں بیچ ڈالے۔ اسی طرح بعض لوگ جانور کے تھنوں سے ایک دو دن دودھ نہیں نکالتے تاکہ منڈی میں لے جائے تو دودھیاری سمجھ کر خریدنے والا زیادہ قیمت پر خریدے۔ اس قسم کے بہت سے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن کے ذریعے مسلمان

کودھوکہ دے کر ناجائز طریقے سے اس کا مال ہڑپ کر لیا جاتا ہے اور اس کو ضرر پہنچایا جاتا ہے۔

سیاسی دھوکے :

علاوہ ازیں بعض لوگ لیڈر بن کر سیاسی تقریروں کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے ہمنوا بنا لیتے ہیں۔ ان سے ووٹ حاصل کر کے اُن کے سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں۔ پھر ان سے کئے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو تلف کر کے اجتماعی خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس قسم کے بہت سارے مفاسد مسلم معاشرہ میں پائے جاتے ہیں؛ جن کی وجہ سے مسلم معاشرہ کی ساکھ بری طرح متاثر ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے زرین اصول اور اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی سکھائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے اور اس قسم کی برائیوں کا خاتمہ ضروری ہے تا کہ دنیا پر دین اسلام کا حقیقی رنگ ظاہر ہو جائے۔

اسلام ترقی کا مذہب ہے نہ کہ تنزلی کا: بعض نا سمجھ لوگ اسلام کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ آج کل مسلمانوں کی پسماندگی اسلام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسلام کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اسلام جب اپنے حقیقی شکل میں ظاہر ہوا تو مسلمانوں نے ترقی کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کی سپر طاقتوں کو مسخر کر دیا اور جب تک مکمل طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل ہوتا رہا اس وقت تک اسلام کا غلبہ واقتدار باقی رہا۔ اور جب سے مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں سستی کرنے لگے اس وقت سے مسلمانوں کا تنزل شروع ہوا ہے۔

ایک روایت میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی اس طریقے سے ہی ہوگی جس طریقے سے اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہو چکی تھی۔

پس مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کی طرز زندگی اختیار کرنی چاہیے اور امت کے علماء کرام اور دینی قائدین پر لازم ہے کہ وہ امت کی تربیت وتعلیم اور ان کی رہنمائی اس طریقے سے کریں جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امت کی رہنمائی کی تھی۔ تب ہی یہ امید کی جا سکتی ہے کہ امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لیں۔

۲۸ : باب مَا جَاءَ فِی حَقِّ الْجِوَارِ

حقوق ہمسائیگی کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ شَابُورَ وَبَشِيرٍ أَبِي إِسْمٰعِيلَ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِي أَهْلِهِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: أَهَدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوْصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ .وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ وَأَبِي شُرَيْحٍ وَأَبِي أُمَامَةَ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ : حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی تھی، پس جب وہ گھر آ گئے تو انہوں نے کہا' کیا تم نے ہمارے پڑوس والے یہودی کو (اس بکری کے گوشت میں سے) کچھ ہدیہ بھیج دیا ہے؟ کیا تم نے ہمارے پڑوس والے یہودی کو کچھ ہدیہ بھیج دیا ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسایہ کے حق کے بارے میں تاکید فرمایا کرتے تھے' یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس کو عنقریب (اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے پڑوسی کے مال میں)وارث قرار دیدے گا اور اس باب میں حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباس' حضرت عقبہ بن عامر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت مقداد بن اسود' حضرت ابو شریح اور حضرت ابو امامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔

یہ حدیث اس سند کیساتھ غریب ہے اور یہ حدیث ایک دوسرے طریق عن مجاهد عن عائشة و ابی هریرة عن النبی ﷺ" سے بھی روایت کی گئی ہے۔یعنی اس حدیث کو حضرت مجاہد نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

توضیح وتشریح :

حـق الـجـوار: جوار جیم کے کسرہ کے ساتھ فصیح لغت ہے۔اور جیم کے ضمہ کے ساتھ جُوار بھی مستعمل ہے۔اس کا معنی ہے ہمسائیگی کردن۔

سفیان: اس سے مراد سفیان بن عینیہ ہے اور داؤد بن شابور یہ ابوسلیمان مکی ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے اور شابور اس کے دادا کا نام ہے۔بہر حال یہ داؤد بن شابور ثقہ راوی ہیں۔ان سے شعبہ اور ابن عینیہ نے روایات نقل کی ہیں۔اور ابوزرعہ اور ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دے دیا ہے۔

وبشیر ابی اسماعیل: یہ ابن سلیمان کندی کوفی ہیں۔یہ بھی ثقہ ہیں۔

اس باب میں ہمسایہ کے حقوق کا بیان ہے' جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک غمخوارگی اور اس کے دکھ درد میں شریک ہونے سے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے۔

پڑوسی سے عموماً یہ طمع اور امید بھی ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ احسان کروں اور تکلیف میں اس کے کام آؤ تو کل وہ میرے ساتھ بھی احسان کرے گا۔اور میری تکلیف میں بھی وہ میرے کام آئے گا۔پس اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ایک ظاہری داعیہ بھی موجود ہے' مع ھذا جب کوئی آدمی ہمسایہ کے حقوق کی ادائیگی کا خیال نہ رکھے تو وہ دوسرے حقوق العباد کو تو بطریق اولیٰ ضائع کرے گا۔تو گویا یہ اس آدمی کی بدبختی کی علامت ہوگی۔

کافر پڑوسی کے بھی حقوق ہمسائیگی ادا کرنا لازم ہے:

حدیث مذکور کے راوی حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے پڑوسی سے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشادگرامی میں "جـار" ہمسایہ کو عموم پر حمل کیا ہے۔خواہ ہمسایہ مسلمان ہو یا کافر؟ ہر ایک کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا لازمی ہے۔اس وجہ سے انہوں نے اپنے یہودی ہمسایہ کو گوشت بھیجنے کی ترغیب دیتے ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی نقل فرمایا۔اس وجہ سے محدثین حضراتؒ فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔خواہ پڑوسی مسلمان ہو یا کافر۔عبادت گزار ہو یا فاسق و فاجر۔دوست ہو یا دشمن۔کوئی مسافر ہو یا اس شہر کا رہنے والا۔رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی۔نفع رسان ہو یا

ضرررساں۔اس کا گھر زیادہ قریب ہو یا کچھ دور۔ ہرقسم کے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اوراس کو اپنی ایذاؤں سے محفوظ رکھنا لازم ہے۔ پھرجس پڑوسی میں اعلی صفات جمع ہوجائیں وہ حسن سلوک کا زیادہ حقدار ہوگا' مثلاً کوئی پڑوسی ایسا ہو کہ مسلمان ہو' عبادت گزار ہو' رشتہ دار بھی اور مسافر ہو اور دوست بھی ہو اور گھر بھی زیادہ قریب ہو تو وہ زیادہ حقدار ہوگا حسن سلوک کرنے کا بہ نسبت اس پڑوسی کے جس میں یہ صفات نہ ہوں۔ اسی طرح جس پڑوسی میں اُولی صفات زیادہ جمع ہوجائیں تو اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اوراس طرح ہرقسم کے پڑوسی کو اس کے حسب حال حقوق دیئے جائیں گے۔

<u>پڑوسی تین قسم کے ہیں :</u>

طبرانی کی ایک روایت میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔

۱۔ ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے۔ یہ مشرک پڑوسی ہے۔ جس کیلئے صرف ہمسائیگی کا حق ہے۔

۲۔ ایک پڑوسی وہ ہے جس کے لئے دو حق ہیں۔ یہ مسلمان پڑوسی ہے جس کے لئے ہمسائیگی کا حق بھی ہے اور اسلام کا حق بھی۔

۳۔ اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے لئے تین حقوق ہیں۔ یہ وہ پڑوسی ہے جو کہ مسلمان اور ذورحم (قرابتدار) ہے اس کے لئے حقِ ہمسائیگی' حقِ اسلام اور حقِ قرابت (تینوں قسم کے حقوق) ہیں۔

<u>أهديتم لجارنا اليهودي:</u> کیا تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کو کچھ دے دیا ہے؟ چنانچہ بعض دفعہ مشترک معاشرہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو' سکھ' یہودی' نصرانی وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگ بھی رہتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان بننے سے پہلے ہمارے ہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ ہندو پڑوس میں ہوتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی رہتے تھے۔ دین اسلام سب کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم دیتا ہے۔

<u>میراث میں حقدار بننے کا گمان اور ایک شبہ :</u>

<u>مازال جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورّثه:</u> یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو کس طرح گمان ہوا کہ ہمسایہ کو میراث میں حقدار ٹھہرایا جاوے گا حالانکہ انبیاء

کرامؑ کے متعلق خود جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **نحن معاشر الانبیاء لا نورث. ما ترکناہ صدقۃ**۔ (الحدیث) یعنی ہم زمرہ انبیاء کرامؑ سے کوئی چیز بطور میراث نہیں رہ جاتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیتے ہیں وہ صدقہ ہی ہوا کرتا ہے۔ پس جبکہ انبیاءؑ کے رشتہ دار بھی ان کے مال میں وارث نہیں ہوتے تو ہمسایہ کے وارث ہونے کا گمان کیسا ہوا؟

جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسایہ کے حق میں تاکید فرماتے تھے کہ میں اپنی امت کو ہمسایہ کے حقوق کی رعایت کا حکم دوں اور حضرت جبرائیلؑ اتنی تاکید فرماتے تھے کہ مجھے گمان ہوا کہ میری امت کے ایک پڑوسی کے لئے دوسرے کے مال متروکہ میں وارث بننے کا بھی حکم نازل ہوگا۔

اور اگر **یوصینی بالجار ...... الخ** کا مطلب یہ لیا جاوے کہ حضرت جبریلؑ مجھے اپنے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اتنی تاکید کرتے تھے کہ مجھے گمان ہوا کہ یہ میرے پڑوسی میری میراث میں بھی عنقریب حقدار قرار دیئے جاویں گے۔ تو پھر مذکورہ سوال کا جواب یہ ہوگا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ علم حاصل نہیں ہوا تھا کہ انبیاء کرامؑ میراث نہیں چھوڑتے ہیں اس وجہ سے آپ ﷺ کو یہ گمان ہوا۔

أنه سیورّثه: اس توریث سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ گمان ہوا کہ دوسرے قریبی رشتہ داروں کی طرح پڑوسی کے لئے بھی مال متروکہ میں کچھ حصہ مقرر ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو بھی احسان اور حسن سلوک میں ان لوگوں کے برابر قرار دیا جاوے گا کہ جو کہ قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے میراث کے حقدار ہیں۔ لیکن پہلا معنی واضح اور صحیح ہے' کیونکہ خود اسی حدیث میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ حدیث میں مذکورہ توریث واقع نہیں ہوئی ہے' چنانچہ پڑوسی مال متروکہ میں وارث قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اور بر وصلہ یعنی حسن سلوک کا حکم پڑوسی کے ساتھ ہمیشہ سے جاری وساری ہے۔ پس اس چیز کا گمان کیا گیا جو نہ اس وقت موجود تھا اور نہ بعد میں واقع ہوا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي بَكْرِبْنِ مُحَمَّدٍ وهوا ابْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا زَالَ جِبْرِيلُ صلوات اللّٰه عليه يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ .

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں یہاں تک تاکید فرماتے تھے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ عنقریب پڑوسی کو (دوسرے پڑوسی کے ترکہ میں) وارث قرار دیں گے۔'' (عن ابی بکر بن محمد وھوابن عمرو بن حزم) یہ ابوبکر بن محمد حضرت عمرو بن حزمؓ کا بیٹا ہے۔ جو کہ انصاری' بخاری' مدنی ہے۔ ان کا نام اور کنیت ایک ہے۔ یہ عبادت گزار اور ثقہ ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(عن عمرة) یہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہؓ انصاریہ مدنیہ ہیں یہ بھی ثقہ راویہ تھیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بہت روایات نقل کی ہیں۔ (حدیث کی تشریح وتفصیل گذشتہ روایت کے ذیل میں گزر چکی ہے)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ساتھیوں میں اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ زیادہ بہتر ہو۔ اور پڑوسیوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر وہ ہے جو اپنے دوسرے پڑوسی کے ساتھ بہتر ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ابو عبدالرحمٰن حبلی کا نام عبداللہ بن یزید ہے۔

قریبی تعلق والوں سے حسن سلوک:

دین اسلام میں خصوصیت سے ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے جن کے ساتھ کسی بھی سبب سے قرب زیادہ ہو۔ اس وجہ سے دین اسلام میں خصوصیت کے ساتھ بیوی کے ساتھ حسن سلوک، نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ بچوں کے ساتھ محبت وشفقت اوران کی اچھی تعلیم وتربیت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز والدین کے ساتھ نیکی حسن سلوک اوران کے ادب و احترام کی تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح ذوی الارحام (قریبی رشتہ داروں) کے ساتھ صلہ رحمی اوراحسان کا حکم دیا گیا ہے۔ ان تمام تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان جس معاشرہ میں بھی رہے۔ وہاں محبت اور دوستی ہو نفرت اور دشمنی نہ ہو، شفقت اور نرمی ہو، درشتی اور تندخوئی نہ ہو، ایثار اور قربانی ہو، نفس پروری اور خودغرضی نہ ہو، ادب، احترام اور خوش اخلاقی ہو، بے ادبی، بے عزتی اور بداخلاقی نہ ہو۔ امن، اطمینان اور خوشی ہو، دہشت، اضطراب اور بے چینی نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے آس پاس کے لوگوں سے خوش اسلوبی سے پیش آنا اور اچھے تعلقات قائم رکھنا لازمی ہے۔ انہی اعلیٰ مقاصد کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمسفر، ساتھی، اور پڑوسی کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ترغیب دلائی ہے۔ اوراس کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ ساتھیوں میں بہترین ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر وہ ہے جو اپنے دوسرے پڑوسیوں کے ساتھ زیادہ بہتر ہو۔

خیر الاصحاب خیرھم لصاحبہ : اصحاب جمع ہے صاحب کا بمعنی ہمراہ ساتھی، پھر یہ عام ہے سفر میں جو ہمراہ اور ہمسفر مل جائے یا سیٹ پر آپ کے ساتھ جو آدمی بیٹھا ہے یا طالب علم حضرات ایک کمرے والے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ درس میں بیٹھے ہوئے ساتھی اورایک دارالعلوم میں پڑھنے والے یہ سب درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ نیز اپنی بیوی جو کہ رفیقہ ءحیات ہے، سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتری حاصل کرسکتا ہے۔

☆

٢٩ : باب مَا جَاءَ فِی الْإِحْسَانِ إِلَی الْخَدَمِ

زیردست افراد اور خادم کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

حَدَّثَنَا بندار ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ فِتْيَةً تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ وَلْيُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ وَلَا يُكَلِّفْهُ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. هذا حديث حسن صحيح

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (یہ تمہارے غلام اور خدمتگار) تمہارے بھائی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے زیردست غلام بنا رکھے ہیں۔ پس جس کا بھائی اس کے زیردست (مملوک اور خادم) ہو تو وہ اسے اپنے کھانے سے کھانا دیا کرے اور اپنے کپڑوں سے کپڑا دیا کرے اور اس پر ایسے کام کی ذمہ داری نہ ڈالے جس کو وہ نہ اٹھا سکے۔ اور اگر اس نے اس پر ایسے کام کی ذمہ داری ڈالی جس کو وہ پورا نہ کر سکتا ہو تو پھر خود اس کے ساتھ (اس کام میں) مدد کرے۔۔۔ اور اس باب میں حضرت علیؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایات ہوئی ہیں۔

توضیح وتشریح :

ماتحت طبقہ سے حسن سلوک :

اس باب میں ماتحت طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے۔ غلام اور خادم ہو یا شاگرد' مرید اور عقیدت مند ہو۔ گویا اس باب میں غلام' خادم' نوکر' ملازم اور ہر ماتحت کے حقوق کا بیان ہے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور ان پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے خصوصاً غلام اور خادم جن کا نان نفقہ بھی آپ کے ذمہ ہو اور وہ آپ کی خدمت کے لئے مختص ہوں۔ تو چاہیے کہ ان کو ویسا ہی کھانا دیا کرو جس طرح کھانا خود کھاتے ہو اور ویسے ہی کپڑے پہنایا کرو جس طرح کپڑے خود پہنتے ہو۔ نیز ان کو کسی ایسے کام پر مامور و مجبور کرنا جائز نہیں جس کے کرنے سے وہ عاجز ہو۔ اور اگر غلام و خادم اور مزدور کو کسی ایسے کام

پر مامور کرے جسے وہ اکیلا نہ کرسکتا ہوتو پھر خود اس کے ساتھ اس کام میں مدد کرے تاکہ وہ اس کام کو آسانی کے ساتھ پورا کرسکے۔ اور اسے زائد از استطاعت تکلیف بھی نہ ہو جائے۔

اخوانکم ای ممالیکم اخوانکم أو خدامکم إخوانکم ۔یعنی آپ کے غلام آپکے بھائی ہیں۔ یا آپ کے خادمین آپ کے بھائی ہیں۔ یعنی اصل میں تم ایک ہی آدمؑ کی اولاد ہو اس وجہ سے بنی نوع انسان سب آپس میں بھائی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو قابلیت، صلاحیت اور مال و دولت وغیرہ میں دوسروں پر فوقیت دی ہے۔

آں یکے را گنج و نعمت مے دہد　　دیگرے را رنج و زحمت مے دہد
آں یکے پوشیدہ سنجاب وسمور　　دیگرے خفتہ برہنہ در تنور

تفاوتِ درجات نظام عالم چلانے کا ذریعہ :

یعنی یہ اونچ نیچ اور تفاوت ایک فطری چیز ہے۔ اور نہایت ہی حکمت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام اس طرح بنایا ہے، کوئی نواب اور سرمایہ دار ہے اور اسے مارکیٹ اور بلڈنگ تعمیر کرانے کی ضرورت ہے تو معمار اور مزدور کار کے لئے محتاج ہے اور معمار اور مزدور اس فکر میں ہے کہ کوئی ان سے کام لے کر ان کو سو دوسو روپے دے دے۔ اسی طرح روٹی پکانے کے لئے تنور کی ضرورت ہے، تنور بنانے والا اور ہوگا، سالن پکانے کے برتن کیلئے علیحدہ کارخانہ ہے۔ اگر سارے لوگ طلب علم میں لگ جائیں تو ان طلبہ کے لئے روٹی اور سالن کون تیار کرے گا۔ مدرسہ کی عمارت کا کام کون انجام دے گا۔ طالب علم جو کتاب پڑھتا ہے اس کتاب کی چھپائی کیلئے بھی الگ افراد چاہئیں۔ الحاصل انسانی معاشرہ میں ایک آدمی دوسرے کے کام آتا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے محتاج ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ان کے حقوق اور ضروریات وابستہ ہیں اور اس طرح ان کا آپس میں ایک ربط اور جوڑ قائم ہے۔ مالک باغ کے لئے مالی اور باغبان کی ضرورت ہے۔ گاڑیوں کے مالک کے لئے ڈرائیور درکار ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے افراد پیدا فرمائے ہیں تاکہ دنیا کا نظام چلتا رہے۔

سوشلزم اور کمیونزم کے دعویدار سبق لیں :

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيًّا. (الزخرف : ۳۲)

ترجمہ: ''اور بلند کردیئے ہم نے درجے اور مراتب بعض لوگوں کے بعض پر، تاکہ وہ ایک دوسرے کیلئے خدمتگار ٹھہرائے۔'' پس یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے لہٰذا مزدور اور خادم طبقہ کو ہرگز حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر ایک کی حالت اس پر امتحان ہے۔

فليطعمه من طعامه وليلبسه من لباسه: اپنے کھانے کی طرح کھانا دینا اور اپنے ہی کپڑوں کی طرح کپڑے دینا یہ امر استحباب کیلئے ہے۔ اور مالک کے ذمہ عرف کے مطابق علاقوں اور اشخاص کے حسب حال معروف نفقہ دینا واجب ہے۔ خواہ سید اور مولیٰ کے اپنے نان نفقہ کے برابر ہو یا اس سے کم ہو۔ یا اس سے زیادہ ہو۔ مثلاً اگر مولیٰ زہد اور تقویٰ کی وجہ سے یا بخل وغیرہ کی وجہ سے خود معمولی لباس پہنتا ہو۔ اور معمولی کھانا کھاتا ہو۔ حالانکہ خادم اور مملوک کو اس سے بہتر کھانا اور بہتر لباس دینے کا عرف جاری ہو تو سید اور مولیٰ کے ذمہ معروف نفقہ دینا واجب ہے۔ اپنے برابر دینے سے وہ شرعاً بری الذمہ نہیں ہوگا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى عَنْ فَرْقَدٍ عَنْ مُرَّةَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّءُ الْمَلَكَةِ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وَقَدْ تَكَلَّمَ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِي فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اپنے غلاموں سے بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور امام ایوب سختیانی اور دیگر کئی (ائمہ حدیث) نے فرقد السبخی کے حافظہ کے بارے میں کلام کیا ہے۔

سیئی الملكة: جو آدمی اپنے مملوک اور ماتحتوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے بدخو ہو اس کو سیئی الملکۃ کہا جاتا ہے اور جو آدمی اچھا سلوک اور احسان کرتا ہے اس کو حسن الملکۃ کہا جاتا ہے۔

پس حدیث پاک میں مملوک اور خادم کے ساتھ اچھا رویہ اور حسن سلوک اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور ان کے ساتھ برے سلوک کرنے والے کے لئے یہ سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ کہ مملوک اور خادم لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

☆

۳۰: باب النَّهي عن ضربِ الخدّامِ وشتمِهِمْ

خادموں کو مارنے اور انہیں گالی دینے کی ممانعت کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ التَّوْبَةِ :مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بَرِيئًا مِمَّا قَالَ لَهُ أَقَامَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْحَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَفِي الْبَابِ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَابْنُ أَبِي نُعْمٍ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي نُعْمٍ الْبَجَلِيُّ يُكْنَى أَبَا الْحَكَمِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب ابوالقاسم ﷺ پیغمبر توبہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس آقا نے اپنے غلام پر (زنا کی) تہمت لگائی' حالانکہ وہ غلام اس چیز سے بری ہو جو یہ مولیٰ اس کے متعلق کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس آقا پر قیامت کے دن حد (قذف) قائم کرے گا۔ ہاں اگر وہ غلام ایسا ہی ہو جس طرح یہ آقا کہتا ہے۔ (تو پھر قیامت کے دن اس پر حد قائم نہ ہوگی) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اس باب میں سوید بن مقرن اور عبداللہ بن عمر اور ابن ابی نعم (جو کہ عبدالرحمٰن بن ابی نعم البجلی ہے اور اس کی کنیت ابوالحکم ہے) سے بھی روایات آئی ہیں۔

حدیث کی توضیح وتشریح :

اس سے پہلے باب میں خادم' نوکر اور ملازم کے حقوق کے مثبت پہلو کا بیان تھا کہ خادم کے ساتھ احسان کرو' اس کو معروف طریقے سے مناسب کھانا پینا اور لباس دیا کرو۔ اور اس باب میں حقوق خادم کا منفی پہلو بیان کیا جا رہا ہے۔ غلام' خادم اور ملازم کو مارنا پیٹنا ان کو گالی دینا اور ان پر غلط تہمت لگانا یہ تمام چیزیں حرام اور گناہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے متعلق قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو میرا غلام ہے اور میرا خادم ہے اور مجھے اختیار ہے کہ اس سے جس طرح کام لوں' اور جس طرح اس کی مار پیٹ کروں' اور جس طرح چاہوں نازیبا الفاظ سے اسے گالی دوں کوئی اس

غلط فہمی میں نہ پڑے کیونکہ ان کی حق تلفی کرنے والوں سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔

''پیغمبر توبہ'' حضرت محمد ﷺ :

قال ابو القاسم ﷺ نبی التوبة: اس روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کا اسم کنیہ (ابو القاسم ﷺ) ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کا لقب ''نبی التوبة'' (توبہ کا پیغمبر) ذکر فرمایا یہ اس لئے کہ جناب رسول اللہ بہت توبہ کرنے والے تھے اور دن میں ستر مرتبہ اور بعض روایات کے مطابق سو مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار فرمایا کرتے تھے (ان سے مراد کثرت استغفار ہے نہ کہ تحدید) نیز جناب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور دل وزبان کے ساتھ توبہ کرنے سے قبولیتِ توبہ کا حکم ساتھ لائے۔

توبہ کے بارے میں غلط نظریات کی اصلاح:

جناب رسول ﷺ سے پہلے گزشتہ ادیان میں توبہ سے متعلق عجیب وغریب نظریات اور عقائد لوگوں میں راسخ ہو چکے تھے۔ جو کہ قرون مظلمہ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم جو بھی جرائم کریں' اور ہم سے جتنے بھی بڑے گناہ سرزد ہو جائیں وہ سب کچھ ہمیں معاف ہوگا' اور ہمارے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سب کی طرف سے توبہ کر کے اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے سب کی طرف سے کفارہ ادا کر چکے ہیں۔ یہ نظریہ کہلاتا ہے۔ اور پھر توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے کسی اور کی توبہ قبول نہیں ہوتی اب ہمارے تمام جرائم کو حضرت عیسیٰ معاف کر دیں گے۔ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم واضح فرمایا کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی بندہ کا جرم معاف نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ خود اپنے جرم کی معافی مانگ کر پھر سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

احبار ورہبان کی پاپائیت :

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ بن چکا تھا کہ جرم معاف کرانے کے لئے مذہبی پیشواؤں' پادریوں اور پنڈتوں کی منت سماجت کرنا اور ان کو راضی کرنا ضروری ہے۔ اور خود اپنے طور پر توبہ کرنے کا ہر کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ عیسائی لوگ اپنے احبار ورہبان کے پاس جا کر اپنے تمام عیوب اور جرائم کو ان کے سامنے

بیان کردیتے تھے کہ آج رات مثلاً غلطی سے زنا سرزد ہوا' کل جھوٹ بولا ہے' فلاں جرم کیا ہے' فلاں گناہ کیا ہے۔ میرے یہ جرائم اللہ تعالیٰ سے معاف کرادو۔ اس طرح اپنے مذہبی پیشوا پادری' پنڈت وغیرہ کے سامنے اپنے سارے عیوب ظاہر کردیتے تھے۔ اور اس سے معاف کرانے کی درخواست کردیتے۔ اور پھر ان کو خوش کرنے کے لئے ان کو تحفے تحائف' نذرانے اور شکرانے بھی پیش کرتے تھے۔ یہ احبار ور ہبان اور علماء سوء بھی مال ودولت اور عزت کی لالچ میں لوگوں کو اندھیرے میں رکھتے تھے' ان پر حق واضح کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اور ان کو تسلی دیتے تھے کہ چلو آپ کا گناہ معاف ہوگا۔ اس طرح یہ احبار ور ہبان ہر لحاظ سے ان کے بڑے بن چکے تھے اور پاپائیت نے سارے لوگوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ حکومت اور ریاست بھی انہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور لوگ ان کے ہاتھوں مجبور تھے کہ یہ تو ہمارے بڑے ہیں' ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔ ہماری چوری ڈاکہ اور زنا وغیرہ جرائم سے باخبر ہیں۔ اور ہمارے گناہوں کو یہی معاف کرسکتے ہیں' ان غلط نظریات کی وجہ سے لوگ ان کے مطیع بن چکے تھے اور انکے ہر حکم ماننے پر مجبور تھے کہ اگر یہ راضی ہیں تو بیڑا پار ہے' نہیں تو بیڑا غرق۔ کیونکہ انہوں نے ان بڑوں کو خدائی کا مرتبہ دیا تھا۔ اور اس طرح شرک وکفر میں مبتلا ہوچکے تھے۔ وہ ان کے ظاہر کردہ عیوب اور خامیوں کی وجہ سے انہیں اور پورے ملک کو بلیک میل بھی کرتے رہتے ہیں۔

جاہل، بدعتی پیر اور پاپائیت :

چنانچہ آج کل بھی بعض جاہل اور بدعتی پیر اس طرح کرتے ہیں کہ اپنے مریدوں کو ذہنی طور پر مفلوج کرکے یرغمال بنادیتے ہیں اور انہیں یہ باور دلاتے ہیں کہ ہم ہی آپ کی شفاعت کریں گے اور آپ کو نجات دینگے۔ تم نے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ اب آپ کو کچھ غم نہیں' دین سے جاہل اور آخرت سے غافل عوام جب یہ سنتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے سارا بوجھ کندھوں سے اتر جاتا ہے۔ تو عوام جوق درجوق انکے درگاہوں میں حاضری دیتے ہیں اور ان سے بیعت کرکے مرید بن جاتے اور یہ ناعاقبت اندیش پیر بھی مریدوں کو یہ باور دلاتے ہیں کہ تم ہروقت ہماری نظر میں ہوتے ہو اور ہم آپ کے سب اعمال سے باخبر ہیں۔ الغرض ان بدعتی پیروں اور ان کے مریدوں کا بھی آپس میں وہی معاملہ ہوتا ہے جیسا کہ عیسائیوں کی عوام اور ان کے احبار ور ہبان اور پاپاؤں کے درمیان ہوا کرتا تھا۔ اور اس طرح یہ جاہل اور بدبخت حدیث مبارک (لتتبعن سنن من قبلکم الحدیث) کا مصداق بن جاتے ہیں (فھدا ھم اللہ جمیعًا)

حاصل یہ کہ ان احبار ورہبان نے عوام پر اس حد تک اپنا قبضہ جمالیا تھا کہ بادشاہ بھی ان کی گرفت میں ہوتے تھے۔اور حکومتیں بھی ان کے ہوس کا نشانہ بن جاتی تھیں۔

بے اعتدالی کا نتیجہ مذہب کی سیاست سے علیحدگی:

بالآخر حکمران لوگ ان سے تنگ آگئے اور یہ قانون پاس کیا کہ حکومت مذہب سے بالکل آزاد ہوگی اور ملاؤں احبار ورہبان کی مذہبی سرگرمیاں صرف ان کے گرجا گھروں تک محدود ہوں گی اور اس طرح انہوں نے مذہب کو سیاست سے علیحدہ کردیا۔یہی نتیجہ نکلا اہل کتاب کی اعتقادی نظریاتی اور عملی بے اعتدالیوں کا کہ کفروشرک میں مبتلا ہوئے اور مذہب کو سیاست سے الگ کردیا اور پھر عیسائی حکومتوں نے اس نظریہ کا خوب پرچار کیا۔اور دیگر اقوام میں بھی یہ نظریہ رائج ہوا کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔یہاں تک کہ مسلمانوں کے بعض سیکولر جماعتیں بھی ان کی بولی بولنے لگیں کہ مُلا کے لئے محراب ومصلی کافی ہے۔صدارت کی کرسی ان کے لئے مناسب نہیں۔اگر یہ نظریہ مسلمانوں میں جڑ پکڑ لیتا تو مسلمانوں کے دین ودنیا کی بربادی کے لئے یہی کافی تھا۔لیکن بحمداللہ علماء کرام نے اس پروپیگنڈا کا خوب توڑ کیا۔اور یہود ونصاریٰ کی اس خطرناک سازش کو مسلمانوں میں چلنے نہیں دیا۔

توبہ قبول کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے:

پس رحمت عالم ﷺ نے دنیا میں تشریف لاکر ان تمام غلط عقائد ونظریات کا خاتمہ کردیا۔ اور واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی کے گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ آل عمران) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔بلکہ ہر بندہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔اور توبہ تائب ہوکر اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کردے۔جو بھی بندہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔احبار ورہبان اور جاہل پیروں کو نذرانے اور شکرانے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔نہ تو کوئی کسی کا گناہ معاف کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی کسی کے گناہوں کا کفارہ بن سکتا ہے۔جسے اپنا عمل پیچھے چھوڑ دے۔اسے اس کا نسب (رشتے ناطے اور تعلقات وغیرہ) آگے نہیں بڑھا سکتے۔پس رسول اللہ ﷺ نے

توبہ سے متعلق افراط وتفریط کو ختم کر کے ہر بندہ کے لئے اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے کا آسان راستہ بتلا دیا۔
اس وجہ سے آپ ﷺ کو لقب "نبی التوبة" سے یاد کیا گیا۔

قذف مملوک اور حد کا مسئلہ :

من قذف مملوکه بریئاً مما قال له الخ. یعنی جس نے اپنے مملوک غلام یا لونڈی پر تہمت لگائی اور اسے بدکار ہونے کی گالی دی۔ مثلاً کہا کہ اے بدکار اے زنا کار حالانکہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے وہ غلام اور خادم اس سے بری اور پاک ہے تو اللہ تعالیٰ اس تہمت لگانے والے مالک پر قیامت کے دن حد قائم کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ غلام اور لونڈی کو قذف (زنا کی گالی) دینے سے قاذف (گالی دینے والے) پر اسلامی قانون کی رو سے حد قذف قائم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حد کے قائم کرنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ مقذوف محصن ہو۔ اور غلام لونڈی محصن نہیں ہے۔ لہٰذا اس شرط کی عدم موجودگی کی وجہ سے حد ساقط ہوگی۔ البتہ اس گالی دینے والے کو تعزیری سزا دی جاوے گی۔ حدیث باب میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ غلام کو قذف دینے والے پر حد قذف دنیا میں جاری نہ ہوگا اور یہ مسئلہ فقہاء کرام کا اتفاقی ہے۔ لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں حد قذف نہیں تو غلام کو ناحق زنا کی نسبت کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد قائم فرمادے گا۔ البتہ اگر واقعتاً وہ غلام ایسا ہی ہو جیسا کہ سید (مولیٰ) نے کہا ہے تو پھر قیامت کے دن بھی اس پر حد قائم نہ کی جاوے گی۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا مُؤَمَّلٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا لِيْ فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِنْ خَلْفِي يَقُولُ: اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَللّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوكًا لِي بَعْدَ ذَلِكَ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ شَرِيكٍ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے

پیچھے سے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے: ابومسعود صبر کرو! ابومسعود صبر کرو! جب میں نے مڑ کر اچانک دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ضرور اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت حاصل ہے اس قدرت سے جو کہ تجھ کو اس پر حاصل ہے۔ ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد اپنے کسی بھی غلام کو نہیں مارا۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابراہیم التیمی جو ہے یہ ابراہیم بن یزید بن شریک ہے۔

صحابہؓ کی کمال تابعداری:

حضرت ابومسعودؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ دی اور غلاموں کے بارے میں اسے قیامت کے دن کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کے مواخذہ سے ڈرایا تو پھر کبھی زندگی میں وہ کام نہ کیا جس سے رسول اللہ ﷺ نے خوف خدا یاد دلا کر منع فرمایا۔ حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد اپنے کسی بھی غلام کو نہیں مارا۔

آج کے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اتباع رسول ﷺ کے دعویدار ہیں۔ کتنے ہی ناجائز افعال اور نازیبا اقوال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بختی سے منع فرمایا ہے اور قرآن وحدیث میں ان پر وعیدیں ذکر کی گئی ہیں۔ اور ان وعیدوں کو سننے کے باوجود لوگ عام معاشرہ میں ان منھیات اور جرائم کو حد درجہ لاپرواہی کے ساتھ کر گزرتے ہیں اور انہیں یہ استحضار تک نہیں ہوتا کہ ان امور سے ہمارے خالق و مالک رب العالمین نے اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ان کے ارتکاب سے روز جزا کو رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سارے مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ کا اتباع اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔ (امین)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابومسعودؓ نے کہا کہ: اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ یہ غلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تو ایسا نہ کرتا (یعنی اس غلام کو آزاد نہ کر دیتا) تو جہنم کی آگ تجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

۳۱ : باب ما جاءَ فِی أدَبِ الْخَادِمِ

خادم کوادب دینے کا بیان

حَـدَّثَـنَـا أَحْـمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍثَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَـالَ رَسُـولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَـذَكَـرَ الـلّـهَ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ وَأَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ اسْمُهُ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ.و قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: ضَعَّفَ شُعْبَةُ أَبَا هَارُونَ الْعَبْدِيَّ قَالَ يَحْيَى وَمَا زَالَ ابْنُ عَوْنٍ يَرْوِي عَنْ أَبِي هارون حَتَّى مَاتَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارتا ہو پھر وہ خادم اللہ تعالیٰ کا نام لے لے تو تم اپنے ہاتھوں کو (اس کے مارنے سے کھینچ کر) اٹھالو۔

اور ابو ھارون عبدی کا نام عمارہ بن جوین ہے اور یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ شعبہ نے ابوہارون کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ ابن عون مرتے دم تک ابوہارون سے روایت کیا کرتے تھے۔

ماتحتوں کی تادیب وتربیت کیلئے سختی :

توضیح وتشریح: پہلے باب میں خادم غلام اور نوکر کو گالی دینا اوران کے زدوکوب کرنے کی ممانعت ذکر ہوئی۔ اس باب میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تربیت اور تأدیب کے طور پر مارنا بھی جائز ہے۔ غلام خادم شاگرد اور مرید یا بیوی بچوں کو ادب دینا بھی لازمی امر ہے۔ اور اسی تأدیب کے لئے کبھی کبھی تھوڑا بہت مارنا بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے عیال سے ادب کی لاٹھی نہ اٹھانا۔ لہذا آقا استاذ پیر باپ اور شوہر کو یہ حق حاصل ہے۔ دین اسلام چونکہ دینِ اعتدال ہے ہر چیز میں میانہ روی عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ اس وجہ سے پہلے باب میں بڑے طبقے آقا وغیرہ کو اپنے مملوکوں اور خادموں کے بارے میں

خوف الٰہی دلا کران کے ساتھ نرمی کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اور اس باب کا حاصل یہ ہے کہ تأدیب کے لئے مارنا بھی جائز ہے لیکن جب وہ خادم وغیرہ خود کو بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرلے تو پھر ان کے مارنے سے ہاتھ اٹھالو۔ نیز مارنے میں بھی اپنے جذبات پر چلنا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے چنانچہ سر اور چہرے پر مارنا جائز نہیں ہے۔ نیز اس طرح مارنا بھی جائز نہیں جس سے جسم کو زخم لگ جائے۔

سندی بحث :

احمد بن محمد یہ احمد بن محمد بن موسیٰ المروزی ہے۔ ثنا عبداللّٰہ یہ عبداللہ بن مبارک ہیں جو کہ حدیث کے مشہور امام ہیں۔ عن سفیان یہ حضرت سفیان ثوری ہیں یہ بھی مشہور ہیں۔

عن أبی موسیٰ ھارون العبدی۔ ان کا نام عُمارہ بن جوین ہے۔ جوین صیغہ تصغیر کے ساتھ ہے یہ راوی اپنے اسم کنیہ ''ابوہارون'' کے ساتھ مشہور ہے۔ بعض نے ان کو متروک کہا ہے۔ اور بعض نے ان کی تکذیب کرکے انہیں شیعی قرار دیا ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے کہا ہے کہ لوگ اس کو خارجی اور شیعی قرار دیتے ہیں۔ پس اس کی وہ روایت معتبر ہوگی جو حضرت سفیان ثوریؒ اس سے روایت کرتے ہیں۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے ''لیس بشئی'' اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبہؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا ادب کرنا لازمی ہے :

یعنی جب تم اپنے کسی خادم کو مار رہے ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو تم اس کے مارنے سے رک جاؤ۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے کہ اے اللہ تو میری مدد کر۔ تو مجھے بچا۔ یا اللہ تعالیٰ کا واسطہ تمہیں پیش کرکے جان چھڑانا چاہے۔ مثلاً کہے اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے نہ مار۔ اللہ کے واسطے مجھے چھوڑ دے۔ تو اللہ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے اب اس کو چھوڑنا اور اس کے مارنے سے رک جانا لازمی ہے۔

☆

۳۲ : باب مَا جَاءَ فِى الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

خادم کو معاف کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِي هَانِيءٍ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ الْجُلَيْدِ الْحَجْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ قَالَ: كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً .

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِي هَانِي ءِ الْخَوْلَانِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوًا مِنْ هَذَا.

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے خادم کو کتنی مرتبہ معافی دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔اس شخص نے پھر کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک دن میں ستر مرتبہ (بعض علماء کرام فرماتے کہ یہ تحدید نہیں بلکہ کنایہ ہے کثرت سے) یہ حدیث حسن غریب ہے۔اور اس حدیث کو عبداللہ بن وھب نے ابوھانیٔ الخولانی سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِي هَانِيءٍ الْخَوْلَانِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

ترجمہ : یعنی گزشتہ روایت حضرت قتیبہ نے رشدین بن سعد عن ابی ھانیٔ الخولانی الخ کی سند سے نقل فرمایا، اور اس روایت میں یہی حدیث حضرت قتیبہ نے عبداللہ بن وھب عن ابی ھانیٔ الخ کی سند

سے نقل کی ہے۔

وروی بعضهم الخ :

یعنی بعض نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ عبداللہ بن وھب سے روایت کی ہے لیکن اس میں عبداللہ بن عمر کی جگہ عبداللہ بن عمرو (واؤ کے ساتھ) ذکر ہے۔ (اور اس سے مراد حضرت عمرؓ کے بیٹے کے علاوہ دوسرے صحابیؓ ہیں)

نامناسب سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہے:

توضیح وتشریح:

فصمت عنه النبی ﷺ : یعنی اس شخص نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا کہ کتنی حد تک معافی کروں خادم کو تو رسول اللہ ﷺ ان کو جواب دینے سے خاموش رہے۔ اس خاموشی کی وجہ یا تو یہ تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ جواب دینے کے لئے وحی کا انتظار کر رہے تھے۔ اور یا اس خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ یہ سوال جناب رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ آیا۔ کیونکہ یہ تو مندوب اور مستحب امور میں سے ہے جتنا زیادہ ہوا اتنا ہی اجر وثواب زیادہ ہوگا۔ اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مثلاً کوئی یہ پوچھے کہ کتنا صدقہ کروں؟ کتنے نوافل پڑھوں وغیرہ۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ نفل پڑھنا ثواب ہے اور نفلی صدقہ ثواب ہے کوئی جتنا زیادہ کر سکتا ہے تو کرے اس میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب انہوں نے مکرر سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: **کل یوم سبعین مرةً** : یعنی روزانہ ستر مرتبہ خادم کو معاف کیا کرو۔ ظاہر ہے کہ دن میں ستر مرتبہ اگر کوئی اپنے خادم کو معاف کرے تو اس خادم کو کبھی جھڑکنے اور مارنے کی نوبت نہ آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نبی الرحمۃ ہیں۔ نوکر، ملازم، خادم اور ماتحت طبقہ کے ساتھ کتنے اچھے برتاؤ کی تعلیم دیتے ہیں۔

علماء اور طلباء کو چاہیے کہ یہ حقوق لوگوں سے بیان کریں کہ عوام اور مزدور طبقہ آگاہ ہو جائے کہ دین اسلام میں ان کے حقوق کا کتنا تحفظ کیا گیا ہے۔

☆

باب ۳۳ : مَا جَاءَ فِی أَدَبِ الْوَلَدِ

اولاد کوادب دینے کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى عَنْ نَاصِحٍ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ هَـٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وَنَاصِحُ بنُ عَلَاءَ الْكُوفِيُّ لَيْسَ عند أَهْلِ الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ وَلَا يُعْرَفُ هَذَا الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَنَاصِحٌ شَيْخٌ آخَرُ بَصْرِيٌّ يَرْوِى عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِى عَمَّارٍ وَغَيْرِهِ هُوَ أَثْبَتُ مِنْ هَذَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : البتہ کسی آدمی کا اپنی اولاد کوادب دینا' ایک صاع (طعام) کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اور ناصح بن علاء الکوفی اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے اور یہ حدیث اس طریق کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے معلوم نہیں ہے۔ اور ایک ناصح ایک دوسرے بصری شیخ بھی ہیں جو کہ عمار بن ابی عمار وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے زیادہ ثبت ہے۔

نسبی اور روحانی اولاد کی اچھی تربیت کرنا لازمی ہے :

توضیح وتشریح :

اولاد کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اچھے طریقے سے ان کی تربیت کی جائے۔ ان کو اسی طرح بے لگام چھوڑ دینا کہ خراب معاشرے سے برے اخلاق وعادات پکڑتے رہیں، یہ ان کی حق تلفی ہے اور ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔ بعض لوگ جہاد بھی کرتے ہیں تبلیغ وتعلیم دین میں بھی مصروف رہتے ہیں لیکن اپنے اہل وعیال کی تربیت کا خیال نہیں رکھتے۔ ایسے بچے عموماً بڑے

ہو کر ماں باپ کے لئے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کی تربیت اسلامی طریقے سے کریں۔

اساتذہ کی ذمہ داری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کی عادت مبارکہ :

اور جس طرح نسبی اولاد کی تربیت فرض ہے اس طرح روحانی اولاد کی تربیت بھی لازم ہے۔ استاد کا فرض ہے کہ شاگردوں کی کڑی نگرانی کریں اور انہیں پاکیزہ اور عمدہ اخلاق و عادات کی تلقین کرتے رہیں۔ صرف کتاب پڑھا کر چلے جانے سے انکا فرض ادا نہیں ہوتا۔ تعلیم کتاب کی بنسبت تربیت زیادہ اہم ہے لیکن آج کل اساتذہ کرام نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ طلبہ کو ادب دینے اور ان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بسا اوقات نماز عصر پڑھانے کے بعد وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔

آخری دور میں جب بیمار ہوئے تو بیماری کی حالت میں بھی نماز عصر کے بعد گھنٹہ گھنٹہ سخت تکلیف کے باوجود طلبہ کو وعظ و نصیحت اور اچھے اخلاق و عادات کی تلقین کیا کرتے تھے۔ طلبہ میں کسی قسم کی غیر اخلاقی اور نامناسب طرزِ عمل دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے بعض حضرات ایسے بھی دیکھے گئے کہ پیشاب کرنے کے بعد شلوار میں ہاتھ دبائے ہوئے راستہ یعنی عام گذرگاہ پر چلتے ہیں اور ٹیلے کے ساتھ استنجاء کر رہے ہیں جیسا کہ عام رواج تھا حضرت مولانا صاحب فوراً تنبیہ فرماتے کہ یہ کتنا برا لگتا ہے کہ راستے پر چلتے ہوئے شلوار میں ہاتھ ڈالے ہوئے راستہ پر چھوٹے بڑے مرد عورت ہر قسم کے لوگ گزرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی غیر اخلاقی بات ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اسوقت کے شاگرد بھی اچھے تھے۔ ان پر دین کا رنگ چڑھا ہوا ہوتا تھا۔ آج کل اساتذہ کرام نے یہ کام چھوڑ دیا ہے تو شاگردوں میں بھی وہ باتیں نہیں دکھائی دیتیں۔

دینی مدارس میں طلبہ کی اصلاح اور تربیت پر توجہ دینی چاہیے :

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم اور تمام دینی مدارس کے اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کرام کے ذہنی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستگی کو اپنا دینی فریضہ سمجھیں۔ ان طلبہ کے والدین نے ان کو ہمارے سپرد کر کے اپنے آپ کو بری الذمہ کر دیا کہ ہم نے تو اپنا بیٹا دارالعلوم میں داخل کر کے اس کے دین کے تحفظ

کا پورا سامان کر دیا۔ اور دار العلوم کا استاذ کہتا ہے کہ میں تو اسے "الکلمة لفظ" کی ترکیبیں اور تقریریں سکھاتا ہوں اور شکل اول، شکل ثانی، اور شکل ثالث سکھاتا ہوں، باقی ان کو تربیت دینا اور ادب سکھانا یہ تو دار العلوم والوں کا کام ہے۔ تو ارے: اللہ کے بندے! دار العلوم کوئی ایسا کارخانہ تو نہیں ہے کہ طالب علم کو ایک طرف سے اس میں ڈالدیا تو دوسری طرف سے مہذب مولوی بن کر نکل جائے گا۔ دار العلوم تو انہی شیوخ واساتذہ کے ایک منظم تربیتی پروگرام سے عبارت ہے۔ انہی اساتذہ وشیوخ کی تعلیم وتربیت سے طالب العلم علم، تہذیب، اخلاق، معاشرتی آداب وغیرہ سیکھ لیتا ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تہذیب، تادیب وتربیت کا بھی پورا خیال رکھیں۔

لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع: محدثین حضرات لکھتے ہیں کہ "لأن يؤدب" میں لام موطیہ للقسم ہے، تو معنی یہ ہوا کہ: اللہ تعالیٰ کی قسم، کہ اپنی اولاد کو تادیب دینا اس سے بہتر ہے کہ کوئی ایک صاع طعام صدقہ کردے۔

اولاد کی تادیب کا صدقہ سے بہتر ہونے کی وجوہ:

بچے کی اچھی تعلیم وتربیت دینا ایک صاع صدقہ سے اس لئے بہتر ہے کہ اچھی تربیت اور تعلیم ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اس نیک تربیت کی وجہ سے وہ بچے جتنے نیک کام کریں گے والدین کے لئے بھی اس اندازے کے مطابق نیکیاں ملیں گی اور بہتر تعلیم وتربیت کا فائدہ آئندہ نسلوں کو بھی پہنچتا رہے گا۔

نیز اچھی تأدیب وتربیت علمی اور روحانی افادہ ہے۔ جو تم نے اپنی اولاد کو پہنچا دیا ہے۔ اور ایک صاع کا صدقہ، عملی اور مالی افادہ اور علمی وروحانی افادہ مالی افادہ سے بہتر ہے۔ نیز تعلیم وتربیت کا اثر دیرپا ہے۔ اور طویل مدت تک باقی رہنے والا ہے بخلاف صدقہ کہ اس کا اثر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

سندی بحث :

هذا حديث غريب و ناصح بن عبدالعلاء الكوفي ليس عند أهل الحديث بثقة الخ.

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ناصح بن عبدالعلاء کوفی، محدثین حضرات کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ لیکن یہاں امام ترمذیؒ کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں جس راوی "ناصح" کا

ذکر ہے، یہ ناصح بن عبدالعلاء الکوفی نہیں ہے، بلکہ یہ ناصح بن عبداللہ الکوفی ہے۔یعنی اس کے والد کا نام عبدالعلاء نہیں ہے۔ بلکہ عبداللہ ہے۔امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ ناصح بن عبدالله الكوفي المحملي الحائك ، جو کہ سماک بن حرب اور یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتا ہے، اس کو امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔فلاسؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن معینؒ کہتے ہیں کہ "لیس بشئی" پھر امام ذہبی نے حدیث باب کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند اس طرح ہے۔ يحيىٰ بن يعلي الأسلمي عن ناصح بن عبدالله عن سماك عن جابر بن سمرة مرفوعاً : لأن يودب الخ (یعنی ناصح بن عبداللہ ذکر کیا ہے۔) اسی طرح علامہ مزیؒ نے بھی اس کو امام ترمذی کا وہم قرار دیا ہے۔اور کہا ہے کہ ابن عبدالعلاء جو ہے وہ بصری ہیں کوفی نہیں۔حاکم نے کہا ہے کہ ناصح بن عبدالعلاء، بصری ہیں اور یہ ثقہ راوی ہیں۔اور جس پر طعن کیا گیا ہے۔وہ ناصح بن عبداللہ ہے جو کہ سماک بن حرب سے منکر روایات نقل کرتا ہے۔

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے سماک بن حرب سے روایت کرنے والے راوی کو ناصح بن عبدالعلاء کوفی قرار دیا ہے اور پھر ان کی تضعیف کی ہے حالانکہ نہ تو ناصح بن عبدالعلاء، کوفی ہے اور نہ یہ راوی ضعیف ہے۔ بلکہ ناصح بن عبدالعلاء بصری ہے اور ثقہ راوی ہے۔لیکن اس راوی نے یہ حدیث سماک بن حرب سے نقل نہیں کی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔ بلکہ اس حدیث کو ناصح بن عبداللہ نے سماک سے نقل کیا ہے اور یہ ناصح بن عبداللہ یقیناً ضعیف ہے۔لہذا یہ حدیث تو بہر حال ضعیف ہے کیونکہ اس کا یہ راوی ضعیف ہے اگر چہ امام ترمذیؒ نے غلط فہمی سے اس ضعیف راوی کی جگہ ایک دوسرے ثقہ راوی کا نام لیا ہے۔اور پھر اس ثقہ راوی کو ضعیف کہا ہے۔(از تحفۃ الاحوذی)

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِي ثَنَا عَامِرُ بْنُ أَبِي عَامِرِ الْخَزَّازُ ثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَامِرِ بْنِ أَبِي عَامِرِ الْخَزَّازِ.

وَأَيُّوبُ بْنُ مُوسٰی هُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِي. وَهٰذَا عِنْدِي حَدِيثٌ مُرْسَلٌ.

ترجمہ: حضرت ایوب بن موسیٰؒ اپنے باپ (موسیٰ) سے اور وہ ایوب کے دادا (عمرو بن سعید بن العاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: کسی بھی باپ نے اپنے بچے کو اچھی تہذیب وشائستگی (سکھانے) سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے عامر بن ابی عامر الخزاز کے بغیر کسی اور طریق سے نہیں جانتے ہیں۔ اور ایوب بن موسیٰ جو ہیں وہ ابن عمرو بن سعید بن عاص ہیں۔ اور یہ حدیث میرے نزدیک مرسل ہے۔

__نحل اور نحلة:__ عطیہ کے معنی میں آتا ہے یعنی اچھی تادیب وتعلیم، تہذیب اور شائستگی ماں باپ کی طرف سے اپنی اولاد کے لئے سب سے بہتر عطیہ ہے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں جو ماں باپ اپنی اولاد کو ہبہ اور عطیہ کے طور پر دے دے۔ تو ماں باپ اگر اپنی اولاد کو سب سے بہتر عطیہ دینا چاہتے ہوں تو ان کو بہتر اسلامی تعلیم وتہذیب کے زیور سے آراستہ کریں جو ان کو دین ودنیا کی کامیابی وسرفرازی سے ہمکنار کردے۔

☆

۳۴ : باب مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ وَالْمُكَافَأَةِ عَلَيْهَا

ہدیہ قبول کرنے اور اس پر بدلہ دینے کا بیان

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔ اور اس باب میں حضرت ابو ہریرۃ، حضرت انس، حضرت ابن

عمر اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہوئی ہیں۔...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔ہم اس کو حدیث عیسیٰ بن یونس کے علاوہ مرفوع نہیں پہچانتے ہیں۔

توضیح وتشریح :

یہ ابواب چونکہ بر اور صلہ کے ہیں ان میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی حسن سلوک' بھائی چارہ' محبت اور رواداری کا درس دیا جاتا ہے۔ایک دوسرے کو ھدیہ دینا' تحفے تحائف بھیجنا بھی ایک ایسی چیز ہے جس سے محبت بڑھتی ہے،دوستی اور برادری مضبوط تر ہوجاتی ہے۔لہٰذا اس باب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ ہدیہ کو قبول فرماتے تھے' اور اس ہدیہ دینے والے کو بدلہ کے طور پر واپس کوئی چیز ہدیہ میں دے دیتے تھے یعنی دوسروں سے بھی قبول کرلیا کرتے تھے۔اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ ہدیہ کو قبول کر کے اس کا بدلہ بھی ضرور دیا کرتے تھے۔

ہدیہ کا بدلہ دینے میں اختلاف ائمہ :

اخلاق کریمانہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ احسان کیا اس کے ساتھ احسان کرو ارشاد ربانی ہے: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الآیۃ) (یعنی احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے) اور حضور ﷺ کی شان یہ تھی کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔اس وجہ سے آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ ہدیہ دینے والے کو اس کے ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

آپ کی اس عام عادت کی وجہ سے بعض مالکیہ نے حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے ہدیہ کا معاوضہ دینے کے وجوب کا قول کیا ہے۔جبکہ واہب نے مطلقا (یعنی کسی قسم کی شرائط کے بغیر) ہدیہ دیا ہو۔اور واھب (ہدیہ وھبہ دینے والا) اس قبیل سے ہو کہ وہ اس ھدیہ سے عوض ملنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو جیسا کہ فقیر آدمی کسی صاحب حیثیت اور مالدار آدمی کو ہدیہ دیتا ہے۔تو اس سے بظاہر یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس صاحب حیثیت آدمی کی طرف سے اس کو عوض مل جائے تو اس صورت میں عوض دینا بھی لازمی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ کیلئے ہدیہ کا بدلہ دیا ہے۔اور اس سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔ اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہبہ کرنے والے نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس نے جو چیز ہدیہ کی ہے اس کے عوض میں اس کو اس سے زیادہ چیز مل جائے تو کم از کم اس کو اس چیز کے برابر اور مثل تو ضرور ملنا چاہیے۔

حنفیہ کا مسلک:

لیکن احنافؒ کے نزدیک (اور امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق) عوض ملنے کی نیت سے ہبہ کرنا اور کوئی چیز ہدیہ میں دینا باطل ہے۔ کیونکہ یہ بیع کے حکم میں ہے۔ جس میں ثمن مجہول ہے۔ نیز ہبہ اور ہدیہ کی بناء تبرع واحسان پر ہے اور جب اس میں (عوض ارادہ کرنے کی وجہ سے) تبرع واحسان نہ رہ جائے تو یہ بیع کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک ہبہ بشرط العوض بیع کے حکم میں ہے۔ لہٰذا فی الحقیقت اس کا ہدیہ اور ہبہ ہونا باطل ہو چکا ہے۔ نیز اس نیت سے ہدیہ دینا کہ عوض مل جائے اخلاق کریمانہ کے خلاف بھی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (سورۃ المدثر) یعنی ایسا نہ کر کہ تو احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے۔

مفسرین کرامؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے جناب رسول اللہ ﷺ پر یہ حرام کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ اس غرض سے کسی کو کوئی چیز ہدیہ واحسان کے طور پر دے دیں تا کہ بعد میں آپ کو اس سے زیادہ عوض میں مل جائے۔ اور حضورؐ کے علاوہ عام لوگوں کیلئے ایسا کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن پھر بھی کراہت سے خالی اور بہتر نہیں ہے۔

حاصل بحث: یہ ہے کہ اس نیت سے ہدیہ دینا کہ اس کا عوض مل جائے۔ اخلاق کریمانہ کے خلاف ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر ایسا کرنا حرام قرار دیا تھا۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جب آپ کو کوئی آدمی ہدیہ دے دے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہ سہی اخلاق کریمانہ کا تقاضا تو ضرور ہے۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کی عام عادت مبارکہ یہی تھی کہ ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اور پھر اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسا ہی کرنا مناسب ہے کہ ہدیہ کو قبول کر کے اس کے بدلہ دینے کا بھی اہتمام کیا جاوے۔

اگر ہدیہ کا بدلہ نہ دے سکتا ہو تو ہدیہ دینے والے کے لئے دعا کرو:

اور اگر اس ہدیہ کا مناسب بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو پھر اس محسن کے حق میں دعا کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ: جس نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی اور احسان کر دیا تو اس کا بدلہ دیا کرو۔ پس اگر

تمہارے ساتھ بدلہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کے لئے دعا کرو یہاں تک کہ تم سمجھ جاؤ کہ تم نے اس کا بدلہ ادا کر دیا' اور ایک روایت میں یہ مضمون ذکر ہے کہ جس نے احسان کرنے والے سے "جزاک اللّٰہ" کہا تو اس نے اس کا بدلہ ادا کر دیا۔

☆

۳۵ : باب مَا جَاءَ فِی الشُّکْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَیْکَ

جس نے تمہارے ساتھ احسان کیا اس کا شکریہ ادا کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ. هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ کرے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى و حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ ثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّؤَاسِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا۔ اور اس باب میں اشعث بن قیس اور نعمان بن بشیرؓ سے بھی روایات نقل ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح: اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اس وقت مکمل ہو جاتا ہے جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ

کے احکامات کی تابعداری کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تجھے جس بندۂ خدا کے ہاتھ سے مل جائے تو اس بندہ کا شکریہ بھی ادا کرو۔ پس جب اس نے اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہ کیا۔ نیز یہ کہ جس آدمی کی عادت اور طبیعت اس طرح بن چکی ہو کہ جب لوگوں کی طرف سے اس کو کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ ان کی ناشکری کرتا ہے۔ اور لوگوں کے احسانات کا شکریہ ترک کرتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اس کی یہ بھی عادت ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا نہ کرے گا' کیونکہ بندہ محسن تو آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور نظر آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔ نیز بندہ کی طرف سے تو احسان کبھی کبھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسانات کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا ہے۔ (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوْهَا) جس کو عادی سمجھ کر غافل انسان شکر کو خیال میں نہیں لاتا اور یا ''مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کے بدلے میں اس آدمی کا شکر قبول نہیں فرماتا جو آدمی لوگوں کے احسانات کا ناسپاس گزار ہو اور ان کی نیکی اور احسان کا شکر ادا نہ کرتا ہو۔

☆

۳۶ : بَاب مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ

مختلف قسم کے احسانات اور نیکیوں کا بیان

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ ثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَشِيُّ الْيَمَامِيُّ ثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا أَبُو زُمَيْلٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ. وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ. وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ

مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ. وَأَبُو زُمَيْلٍ سِمَاكُ بْنُ الْوَلِيدِ الْحَنَفِيُّ

ترجمہ : حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا: تیرا اپنے بھائی (مسلمان) کے سامنے مسکرانا تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیرا حکم کرنا نیکی کا' اور تیرا روکنا برائی سے تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیرا کسی گم کردہ راہ کو کسی انجان زمین میں صحیح راستے پر لے جانا تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیری آنکھیں کسی بیکار (نابینا) آنکھوں والے آدمی کے لئے (کام آنا) تیرے لئے صدقہ ہے' اور تیرا راستے سے پتھر' کانٹا اور ہڈی (وغیرہ) ہٹانا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی (مسلمان) کے ڈول میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے...... اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت جابرؓ' حضرت حذیفہؓ' حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی روایات ہوئی ہیں۔...... یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ابو زمیل جو ہیں۔

آسان نیکیاں اور مفت کے صدقے :

اس باب میں نیکی کی اہمیت کو اجاگر کر دیا گیا ہے کہ معمولی سی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اور اگر کسی آدمی کے پاس مال و دولت نہ ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو حج نہیں کر سکتا' قربانی نہیں کر سکتا' زکوٰۃ اور صدقہ نہیں دے سکتا' میں تو بے بس ہوں' اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھے۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے چند ایسے صدقات کی نشاندہی کی ہے جن پر کوئی لاگت نہیں آتی' کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا' اور اعمال نامہ میں صدقہ کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ پس غریب آدمی اگر مال خرچ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے تو ایسے صدقات کرے جن کے لئے مال لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور مفت میں اپنے اعمالنامہ کو صدقات کے اجر و ثواب سے بھر دے۔

وہ صدقات یہ ہیں :

(۱) اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے۔

(۲) کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ کیونکہ صدقہ سے عموماً کسی کو مالی خیر پہنچایا جاتا ہے اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دینی اعتبار سے اس کو خیر پہنچانا ہے۔ جو کہ بہترین صدقہ ہے۔

(۳) اور جو آدمی کسی بیابان میں یا پردیس اور ناآشنا جگہ میں راستے سے بھٹک جائے اسکو صحیح رہنمائی کرنا اور راہ راست دکھانا صدقہ ہے۔

(۴) کسی اندھے یا بوڑھے وغیرہ کو' جس کی آنکھیں بیکار ہو چکی ہوں' ہاتھ سے پکڑ کر کسی ندی' نالی اور گڑھے وغیرہ سے بچا کر گزارنا یا اس کو اپنی منزل مقصود تک پہنچانا صدقہ ہے اور یہ اس طرح ہوا جیسا کہ تیری آنکھیں اس کے لئے آنکھیں بن گئیں۔ گویا تو نے آنکھوں کا صدقہ کر دیا۔

(۵) راستے سے تکلیف دہ چیز' پتھر' کانٹا' ہڈی' پلاسٹک کے لفافے' کیلا' مالٹے' اور تربوز کے پوست اور چھلکے وغیرہ ہٹانا صدقہ ہے۔ ان تمام ایذاء پہنچانے والی چیزوں کو ہٹانے کا شریعت مقدسہ نے حکم دیا ہے اور اس کو ایمان کے اعمال میں شمار کیا ہے اسکے برعکس ان لوگوں کا دین اسلام میں کیا مرتبہ ہوگا۔ جو ان چیزوں کو اپنے گھروں' کمروں سے نکال کر راستے میں پھینک دیتے ہیں۔ یا بعض طلباء حضرات بھی غفلت کرتے ہیں کہ بھی غفلت کرتے ہیں کہ فروٹ وغیرہ کھا کر ان کے چھلکے گھٹلیاں وغیرہ کو کمروں کے سامنے پھینک دیتے ہیں۔ یہ حد درجہ کا اخلاقی وشرعی جرم ہے۔ ان چیزوں پر راستے میں کبھی کبھار آدمی کا پاؤں پھسل جاتا ہے۔ جس سے کبھی کبھی موت واقع ہونا بھی بعید نہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ان چیزوں کا پھینکنے والا قتل نفس کے لئے' سبب بن کر گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ نیز کمروں کے سامنے پھینکنے سے گندگی پھیل جاتی ہے' اس پر مکھی' مچھر جمع ہو جاتے ہیں' اور جراثیم پھیلا کر ملیریا وغیرہ بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ حدیث باب میں اگرچہ' پتھر' کانٹے اور ہڈی کا ذکر ہوا ہے' لیکن مراد ہر وہ چیز ہے جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اماطة الاذی عن الطریق مذکور ہے یعنی راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا' اور عواقب اور ضرر کے لحاظ سے یہ فروٹ کے چھلکے وغیرہ' پتھر اور کانٹے سے زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ پس ایسی چیزیں راستوں میں اور لوگوں کی گزرگاہوں میں پھینکنا بہت بڑا اخلاقی وشرعی جرم ہے۔ اسلام نے ان چیزوں کا راستے سے ہٹانے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

(۲) اور تو نے اپنی باری میں کنویں سے ڈول بھر کر نکالا اب اس پانی پر تمہارا حق ہے لیکن تم نے اس پانی سے دوسرے مسلمان بھائی کے برتن میں پانی ڈالا تو یہ بھی صدقہ ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ دوسرا مسلمان ضعیف اور بوڑھا ہو یا ناتواں بچہ ہو اور ان کے ساتھ ہمدردی کی تو اس میں بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

اس طرح دارالعلوم میں روٹی وغیرہ نمبر پر لینی ہو تو دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا مثلاً کوئی دوسرا طالبعلم تجھ سے عمر یا علم کے لحاظ سے بڑا ہے اور تم نے اپنے نمبر میں اس کو کھڑا کر دیا' یا کوئی دوسرا طالب علم ضعیف اور چھوٹا ہو اس پر شفقت کر کے اپنی باری اس کو دے دی۔ یا کوئی طالب علم استاد نے بھیجا ہو' اس کو مقدم کرنا تا کہ اس کا کام پہلے ہو جائے۔ یہ تمام چیزیں اخلاق حسنہ میں سے ہیں۔ اور آسان نیکیاں ہیں۔ جس پر کچھ رقم خرچ نہیں ہوتی اور صدقہ کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

☆

۳۷ : بَاب مَاجَاءَ فِي الْمِنْحَةِ

اونٹ' بکری وغیرہ کے عطیہ دینے کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرٍ ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْسَجَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةَ لَبَنٍ أَوْ وَرِقٍ أَوْ هَدَى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَقَدْ رَوَى مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ وَشُعْبَةُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ هَذَا الْحَدِيثَ. وَفِي الْبَاب عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ. وَمَعْنَى

قَوْلِهِ مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةَ وَرِقٍ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ قَرْضَ الدَّرَاهِمِ. وقَوْلُهُ أَوْ هَدَى زُقَاقًا قال انما يعنى بِهِ هِدَايَةَ الطَّرِيقِ وهو ارشاد السبيل.

ترجمہ: طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمان بن عوسجہ سے سنا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ سے سنا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سن لیا ہے کہ جس نے (کسی کو) دودھ (حاصل کرنے) کا' یا چاندی (روپے) کا عطیہ دے دیا' یا کسی گم کردہ راہ کو راستہ دکھا دیا تو یہ اس کے لئے (ثواب کے اعتبار سے) غلام آزاد کرانے کے برابر ہو جائے گا۔

یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابو اسحاق عن طلحہ بن مصرف کی روایت سے' ہم اسے اس طریق کے علاوہ دوسرے طریق سے نہیں جانتے ہیں۔۔ اور منصور بن المعتمر اور شعبہ نے طلحہ بن مصرف سے یہ حدیث روایت کی ہے۔۔ اور اس باب میں نعمان بن بشیر سے بھی روایت ہوئی ہے۔ اور ارشادگرامی "مَنْ مَّنَحَ مَنِيحَةَ وَرَقٍ" کا معنی یہ ہے کہ اس سے دراہم کا قرض حسنہ دینا مراد ہے۔ اور یہ ارشادگرامی "أَوْهَدَىٰ زُقَاقاً" کہتے ہیں کہ اس سے مراد کسی بھٹکے ہوئے (مسافر) کو راستہ دکھانا ہے' یا کسی (اندھے کو) منزل مقصود تک لے جانا ہے۔

منیحہ کیا چیز ہے؟

توضیح وتشریح: گزشتہ ابواب میں بر اور صلہ کے مختلف طریقے ذکر ہوئے۔ ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور خوش اخلاقی سے پیش آنا' نوکر اور خادموں کیساتھ نرمی اور خوش اخلاقی' اولاد کی اچھی تربیت اور اپنے محسن کی شکرگزاری وغیرہ مختلف حصے بیان ہوئے اب ایک خاص صورت احسان کا جسے منیحہ کہا جاتا ہے اس کا ذکر ہے۔ باب فتح یفتح اور ضرب یضرب دونوں سے آتا ہے بمعنی "أعطى" اور "منيحة" بروزن عظیمۃ اصل میں عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ منیحہ عرب کے نزدیک دو طریق پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی آدمی اپنے بھائی مسلمان کو کوئی چیز اس طرح دیتا ہے کہ وہ چیز پھر اس سے واپس نہیں لیتا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ کسی کو اونٹ' یا بکری وغیرہ کچھ مدت کیلئے دے دے تاکہ وہ اس کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور پھر اسے مالک کو واپس کر دے اور یہاں یہ دوسرا معنی مراد ہے اور منیحہ جب مطلق ذکر

ہوتا ہے تو متبادر معنی یہ ہوتا ہے کہ: اونٹ بکری' بھیڑ یا گائے کسی کو کچھ مدت کیلئے اسکے دودھ' اون اور گوبر وغیرہ سے فائدہ حاصل کرنے کیلئے دے دے اور عین چیز اصل مالک کی ہوگی جو کہ اس کو واپس دی جاویگی۔

منیحة لبن أو ورق : عطیہ دودھ کا یا چاندی کا (یعنی روپے کا)۔دودھ کا عطیہ سے یہی مراد ہے کہ عارضی طور پر منافع حاصل کرنے کیلئے دودھ والا جانور کسی کو دے دے اور چاندی کا عطیہ اس سے مراد قرض حسنہ ہے' یعنی کسی کو بلاسود قرض دے دے تو یہ بھی گویا اصل رقم آپ کو واپس ملے گی اور کچھ عرصہ کیلئے وہ اس سے فائدہ حاصل کریگا۔

او هدیٰ زقاقا: ہدیٰ ہدایت سے ہے' اور زقاق بروزن غراب راستہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی یا کسی کو راستہ دکھایا' کسی مسافر یا اندھے بوڑھے وغیرہ کو راستہ دکھانا بڑی نیکی ہے۔

مذکورہ بالا تینوں قسم کی نیکیوں کیلئے اس حدیث میں یہ اجر وثواب مذکور ہے کان له مثل عتق رقبة: یعنی دودھ کا عطیہ کسی نے کسی کو دے دیا یا روپے کا عطیہ یعنی قرض حسنہ پیسے دے دیئے یا کسی کو راستہ دکھایا تو اس کے لئے غلام آزاد کرانے کے برابر اجر وثواب ملے گا۔

درخت کھجور کا عطیہ دینا :

او هدی زقاقاالخ: زقاق جس طرح راستہ کو کہا جاتا ہے اسی طرح زقاق قطار میں لگی ہوئی کھجور کے چند درختوں کو بھی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ مراد لیا جاوے تو اس اعتبار سے پھر جملہ "هدّى زقاقاً" ہوگا۔ یعنی هدٰی میں دال کو تشدید کیساتھ باب تفعیل سے ہوگا جسکا معنی ہے تحفہ اور ھدیہ دینا۔ اس لحاظ سے اس جملہ کا معنی یہ ہوگا کہ یا کھجور کے کچھ درختوں کو ہدیہ کے طور پر دے دے تو یہ عمل بھی غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب رکھتا ہے اور حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے ھدٰی کی بجائے لفظ او أهدی زقاقا آیا ہے جو کہ مذکورہ بالا معنی میں بالکل صریح ہے اس اعتبار سے مذکورہ حدیث میں تینوں چیزیں عطیہ اور ھدیہ کے جنس سے ہونگی یعنی دودھ' اون اور گوبر وغیرہ حاصل کرنے کیلئے کسی کو

اونٹ' بھیڑ' بکری گائے وغیرہ کچھ مدت کیلئے دیدینا' یا دراہم (روپے) کسی کو بطور قرض دینا' یا کھجور کے چند درخت بطور عطیہ اور ھدیہ کے دینا' ان میں سے ہر ایک عمل' غلام آزاد کرانے کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ کھجور بھی لازمی نہیں دوسرے پھل مثلاً' سیب' مالٹا' کیلا' انار وغیرہ دینے کا بھی یہی حکم ہے۔

اسلام غلامی کے تصور کی حوصلہ شکنی کرتا ہے :

یورپین اقوام دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کر رہی ہیں کہ اسلام میں غلامی کا تصور موجود ہے۔ یہ خود اپنے آپ کو حقوق انسانی کا علمبردار بن بیٹھنے والے اور اپنے آپ کو مہذب کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ وہ اپنے زیردست اقوام کے ساتھ انسانیت کی حدود سے نکل کر چوپائیوں کا سا سلوک روا رکھتے ہیں' کسی قسم کے جواز کے بغیر ان کا کشت وخون کرنا ان کی شوکت وعزت کو تاراج کرنا' اور طاقت کے استعمال سے ان کے سیاہ وسفید پر قابض بن کر ان کو اپنے ماتحت غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا ان ظالموں کا شیوہ بن چکا ہے۔

اس کے برعکس دین اسلام میں غلاموں کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ احسان وہمدردی کیلئے زرین تعلیمات دی گئی ہیں' علاوہ ازیں غلاموں کو آزادی دینے کے لئے بہت سارے راستے کھلے رکھے ہیں' کفارہ قتل' کفارہ صوم' کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں غلام آزاد کرانے کو سرفہرست رکھا گیا ہے' غلام کو مکاتب بنانا' اور **مدبر وام ولد** کا مالک کے موت کے بعد خود بخود آزاد ہوجانا بھی اس قبیل سے ہیں۔

علاوہ ازیں ویسے بھی غلاموں کو آزاد کرنا دین اسلام میں بہترین نیکی اور افضل القربات قرار دیا گیا ہے۔ حدیث باب میں بھی چند دوسرے نیک اعمال کیلئے ثواب کے اعتبار سے غلام آزاد کرنے کو مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین اسلام کسی کو غلام بنانے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

☆

۳۸ : باب مَا جَاءَ فِی إِمَاطَةِ الْأَذَی عَنِ الطَّرِیقِ

راستے سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ. وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَرْزَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي ذَرٍّ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی راستے پر گزر رہا تھا' اسی اثنا میں اس نے ایک کانٹے دار شاخ (راستے میں پڑی ہوئی) پائی تو اس نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسکے اس عمل کی (اس حد تک) قدر دانی کر کے بڑھا چڑھا کر دیا کہ اس کی مغفرت فرمائی۔........... اس باب میں حضرت ابوھریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ذرغفاریؓ سے بھی روایات ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے

نیکی کو معمولی نہ سمجھا جائے :

توضیح وتشریح: گزشتہ ابواب میں ضمناً راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کی فضیلت ذکر ہوئی ہے کہ اس سے مقبول صدقے کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن عام طور پر لوگ اس قسم کی نیکیوں کو چھوٹی اور معمولی سمجھ کر ان سے غفلت برتتے ہیں اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے اس کے لئے مستقل باب باندھ کر حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد نقل فرمایا جس میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کی راستے سے کانٹے دار شاخ ہٹانے ہی کی وجہ سے مغفرت فرمائی۔ پس اس کو چھوٹا عمل سمجھنا نہیں چاہیئے' ہوسکتا ہے کہ اسی کو اللہ تعالیٰ ذریعہ مغفرت بنادے۔ کہ مغفرت را بہانہ مے طلبد بہا' نہ مے طلبد ...... جناب رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی بھلائیوں کی اہمیت کو خوب واضح فرمایا ہے' چنانچہ راستے سے کانٹا پتھر وغیرہ ہٹانے سے عام انسانوں کو راحت وسہولت ہو جاتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس بندہ کی مغفرت فرماتا

ہے۔اس طرح عام مخلوق کوضرر پہنچانے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے انسانوں کو ایذاء اور تکلیف دینا خواہ جسمانی ہو یا روحانی حرام ہے اس وجہ سے راستے میں کانٹے اور پتھر وغیرہ چیزیں پھینکنا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو ناجائز ہے۔اور جبکہ رسول اللہ ﷺ نے راستے سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کا حکم فرمایا ہے اور اس عمل کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ موذی چیزوں کا راستے میں ڈالنا مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔مسلمانوں کے لئے اس سے اجتناب لازم ہے۔

فشکر اللّٰہ لہ: اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی قدردانی کرتا ہے ظاہر لفظ کے اعتبار سے شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کا شکر کرتا ہے تو کتنا بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ وہ اپنے بندے کی شکرگزاری کرے۔

''الشکور'' کا معنی: علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ''شکور'' بھی ہے اور اس کا معنی ہے **اَلَّذِیْ یَزْکُوْ عِنْدَہٗ اَلْقَلِیْلِ مِنْ اَعْمَالِ الْعِبَادِ فَیُضَاعِفُ لَھُمُ الْجَزَاءَ فَشُکْرُہٗ لِعِبَادِہٖ مَغْفِرَتُہٗ لَھُمْ:** یعنی وہ ذات جو اپنے بندوں کے اعمال میں سے تھوڑے عمل کو اپنے ساتھ بڑھا دیتی ہے اور پھر ان کو کئی گنا زیادہ اجر وثواب عطا فرماتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا ہے۔

☆

۳۹ : بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

مجلس میں واقع ہونے والے افعال واقوال کے امانت ہونے کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَإِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب کوئی آدمی بات کرتا ہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے' تو یہ امانت ہے...... یہ حدیث حسن ہے۔ ہم اسے ابن ابی ذئب ہی کی حدیث سے پہچانتے ہیں۔

توضیح وتشریح :

یہ بھی اجتماعی آداب کا حصہ ہے کہ مجلس میں جو کچھ پیش آئے وہ امانت ہے' جیسا کہ سونا چاندی کوئی شخص آپ کے پاس رکھ دے تو وہ امانت ہے اس میں دخل اندازی کرنا اور خیانت کرنا حرام ہے' اسی طرح مجلس کی باتیں اور اس میں پیش ہونے والے حالات اور واقعات سب امانت ہیں۔ پس مجلس کی باتیں اور مجلس کے حالات دوسری جگہ بیان کرنا۔ مجلس کا راز فاش کرنا خیانت ہے۔ اور حرام ہے جبکہ کسی بھی شریک مجلس کو اس سے ناگواری ہوتی ہو' خصوصاً جبکہ کوئی صاحبِ مجلس صراحۃً کہہ دے کہ یہ بات راز کی ہے' اسے فاش نہ کرنا۔ یا وہ اشارۃً تم کو سمجھا دے کہ اس بات کو میں کسی اور پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ یا قرائن سے معلوم ہوتا ہو کہ صاحبِ مجلس اس بات کو راز میں رکھنا چاہتا ہے تو اس بات کا دوسروں سے بیان کرنا خیانت ہے' اور اس کو راز میں رکھنا واجب ہے۔

المجالس بالامانة: یہ عبارت بر تقدیر حذف مضاف اس طرح ہے۔ حُسْنُ الْمَجَالِسِ وَ شَرْفُهَا بِاَمَانَةِ حَاضِرِيْهَا عَلٰى مَايَقَعُ فِيْهَا مِنْ قَوْلٍ وفِعْلٍ: (تحفۃ الاحوذی) یعنی مجالس کی شرافت اور ان کا حسن اسی میں ہے کہ ان میں واقع ہونے والے قول اور فعل سے متعلق حاضرین مجلس امانت سے کام لیں۔

تو اس کا معنی یہ ہوا کہ صاحبِ مجلس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجلس میں جو کچھ سن لے یا جو کچھ دیکھ لے اس میں وہ امانت دار بنے۔

کسی جگہ شمائل ترمذی میں ایک حدیث گزری تھی اس میں حضور اقدسؐ کے آداب مجلس اور مجلس کی امانتوں کی مکمل تفصیل ہم نے بیان کی تھی۔ جو کہ دس بارہ صفحات "الحق" میں شائع بھی کئے گئے تھے۔ مجلس میں ایک دوسرے کی حرمتوں میں دخل اندازی کرنا اور توہین آمیز الفاظ کہنا' ایک دوسرے کی غیبت کرنا' ایک

دوسرے پرآوازیں بلند کرنا' ایک دوسرے کے کلام کو قطع کرنا' اور مجلس کی باتیں باہر پھیلانا' یہ تمام چیزیں آداب مجلس کے خلاف ہیں اور ناجائز ہیں۔

<u>اذاحدث الرجل الحديث ثم التفت فهي أمانة:</u> یعنی جب کوئی آدمی بات کر رہا ہو اور پھر وہ (دائیں بائیں) دیکھ لے تو یہ بات امانت ہے۔ ادھر ادھر دیکھنے سے بات کرنے والے کا مقصد مخاطب کو یہ سمجھانا ہے کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کوئی اور آدمی میری بات نہ سن لے' میں خاص تجھ (مخاطب) کو ہی یہ راز کی بات بتانا چاہتا ہوں' پس عاقل کو اشارہ ہی کافی ہے۔ اس نے مخاطب کو گویا یہ کہہ دیا کہ یہ میری بات مجھ سے سن لو اور پھر اسے بھید میں رکھو! یہ تیرے ساتھ امانت ہے' اس وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات امانت ہے' یعنی اب اس کی افشاء حرام ہے۔

☆

٤٠ : باب مَا جَاءَ فِي السَّخَاءِ

<u>سخاوت کا بیان</u>

حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى لُحَسَّانِيُّ الْبَصْرِيُّ ثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ ثَنَا أَيُّوبُ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي شَيْءٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ أَفَأُعْطِي قَالَ نَعَمْ وَلَا تُوكِي فَيُوكَى عَلَيْكِ يَقُولُ لَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ. وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا. وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا عَنْ أَيُّوبَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میرے ساتھ تو کوئی چیز اپنی (مال و دولت) نہیں' مگر وہ ہے جو کہ (میرا شوہر)

حضرت زبیرؓ لا کر مجھے دے دے تو کیا میں اس سے کسی کو دے دوں؟ (یعنی صدقہ کروں؟) تو رسول اللہ نے فرمایا "ہاں" (تھیلی کے منہ کو) بندھن نہ باندھ (یعنی دینے کی جگہ میں دیا کرو اور بخل مت کرو) ورنہ تجھ پر بھی (تھیلی کا منہ) باندھ دیا جاوے گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے تجھے ملنا بند ہو جائے گا اور) فرماتے تھے، گنا مت کر (حساب نہ لگاؤ) ورنہ تجھ پر بھی گنتی لگا دی جائے گی (اور پھر تجھے بھی حساب سے ملے گا زیادہ نہیں)......اس باب میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرۃ سے بھی روایت ہوئی ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض راویوں نے اس حدیث کو اسی اسناد کے ساتھ یعنی، عن ابن ابی ملیکة، عن عباد بن عبدالله بن الزبیر عن اسماء بنت ابی بکر ...... کے ساتھ روایت کیا ہے اور بہت سے راویوں نے اس روایت کو ایوب سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس میں عن عباد بن عبداللہ بن الزبیر ذکر نہیں کیا ہے۔

توضیح وتشریح :

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ: اس حدیث کی راویہ حضرت اسماءؓ ہے جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہے اور حضرت زبیر بن العوامؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی بیوی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت مصعب بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی ماں ہیں۔ ان کی بہت سی قربانیاں اور ایمان افروز واقعات تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

سخاء: بخل کی ضد ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لئے امور خیر میں مال لگانے کا نام سخاء ہے۔ اور امور خیر میں اور موافق شرع مناسب مقامات پر مال لگانے سے رک جانے کا نام بخل ہے۔ جیسا کہ اسی باب کی دوسری حدیث میں سخی اور بخیل ایک دوسرے کے مقابل ذکر کئے گئے ہیں۔

انہ لیس لی شئی الاما ادخل علی الزبیر أفأعطی؟ یعنی حضرت اسماءؓ نے کہا کہ میرے ساتھ تو اور کچھ مال نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی کچھ ہوتا ہے جو کہ مجھے میرا شوہر حضرت زبیر بن العوامؓ لا کر دے دے۔ تو کیا میں اس سے بھی صدقہ کروں؟

اس سے بظاہر یہ پوچھنا مقصود ہے کہ شوہر کے مال سے خرچ کرنا کیسا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ حضرت اسماءؓ کو یہ بھی خیال گزرا ہو کہ ہمارے نفقہ کے لئے شوہر نے جو تھوڑا کچھ دیا ہے اس سے اگر صدقہ

کروں تو پھر خود ہمارے محتاج رہنے کا اندیشہ ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نعم لاتو کی فیو کی علیک ' یقول لاتحصی فیحصیٰ علیک :

یعنی ہاں' صدقہ کرو اور تھیلی اور ھمیانی کے منہ کو نہ باندھو یعنی بخل نہ کر ورنہ تجھ پر بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا منہ باندھ دیا جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ پر رزق کے دروازے بند کر دے گا۔

وکاء: بندھن کو کہا جاتا ہے جس سے مشک یا تھیلی وغیرہ کا منہ باندھ دیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے **"العینان وکاء السہ"** لاتو کی اس سے ماخوذ ہے۔

یقول لاتحصی فیحصی علیک: اور گنا مت کرو (حساب نہ لگاؤ) ورنہ تیرے ساتھ بھی گنتی ہوگی اور حساب لگا لیا جائے گا۔ اس کا مطلب بھی یا تو یہ ہے کہ حساب لگا کر بخل مت کرو کیونکہ عموماً روپے کا حساب کتاب لگانا اور گن گن کر محفوظ کرنا ہی بخل کی علامت ہوتی ہے۔ اور گننے سے منع کرنے کا مقصد بھی دراصل اس بات سے منع کرنا ہے کہ ختم ہونے کے خوف سے صدقہ وخیرات سے باز نہ آؤ کہ مثلاً ہزار روپے ہیں اگر سو روپے صدقہ کرلوں تو ۹ سو روپے رہ جائیں گے۔ اس طرح اگر دوسری بار صدقہ کروں تو اور بھی کم ہوگا اور بالآخر ختم ہو جائے گا۔ اس طرح ہر وقت حساب کی فکر بخل کا دوسرا نام ہے' اس طرح کرنے سے برکت ختم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ پر تنگی آئے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے دینے والا ہے' اسی طرح تم بھی مال لگانے کے مواقع میں حسب ضرورت لگایا کرو اور انفاق فی سبیل اللہ سے منع نہ ہو جاؤ...... یا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی طرف سے احصاء جو کہ ناجائز ہے' یہ ہے کہ کوڑی کوڑی گن گن کر جمع کرلے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احصاء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا قیامت کے دن حساب لے گا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ وَ الْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مِنَ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ

سَعِيدِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَقَدْ خُولِفَ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ إِنَّمَا يُرْوَى عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَائِشَةَ شَيْءٌ مُرْسَلٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سخی قریب ہے، اللہ تعالیٰ کو قریب ہے جنت کو قریب ہے لوگوں کو دور ہے جہنم سے اور بخیل آدمی دور ہے اللہ تعالیٰ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے قریب ہے جہنم کو اور جاہل بے علم سخی آدمی اللہ تعالیٰ کو عبادتگوار (عالم) بخیل آدمی سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ ایک ایسی غریب حدیث ہے کہ ہم اسے یحییٰ بن سعید عن الاعرج عن ابی ہریرہؓ کی حدیث سے سعید بن محمد کی حدیث کے بغیر نہیں پہچانتے اور سعید بن محمد کے ساتھ اس حدیث کی روایت میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور یقیناً یحییٰ عن سعید عن عائشہ کی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مرسلاً کچھ روایت کی گئی ہے۔

توضیح وتشریح: اس روایت میں سخاوت کی مدح کا بیان ہوا ہے کہ سخاوت کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قرب حاصل ہوتا ہے جنت سے بھی اور لوگوں سے بھی قرب حاصل ہوتا ہے۔

السخي قريب من الله الخ : سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال لگاتا ہے صدقے اور خیرات کرتا ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو یہ قریب ہے۔ نیز سخی آدمی کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ مضبوط ہوتا ہے کہ میں خرچ کروں گا اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور جس آدمی کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کو قریب اور محبوب ہوگا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو قریب ہے تو جنت سے خود بخود قریب ہوگا۔ اور اسی طرح اللہ کی راہ میں مال لگانے والا چونکہ لوگوں کو طعام کھلاتا ہے۔ مہمان نوازی کرتا ہے غریبوں اور مسکینوں بے کسوں کی مدد کرتا ہے تو لازم ہے کہ ایسا آدمی لوگوں سے بھی قریب اور محبوب ہوگا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ سخی آدمی لوگوں کو محبوب ہوتا ہے اگرچہ بعض لوگوں کو اس کی سخاوت سے کچھ بھی حصہ نہ ملے۔

جو آدمی اللہ تعالیٰ کو محبوب بن جائے وہ لوگوں کو بھی محبوب بن جاتا ہے :

نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ شخص چونکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اس لئے لوگوں کو بھی وہ محبوب ہوگا کیونکہ ایک حدیث میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت

کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام اوپر کے آسمان والے فرشتوں کو یہ اعلان سنا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بن فلاں سے محبت کرتا ہے میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ اسی طرح یہ اعلان تمام آسمانوں سے گزر کر زمین تک پہنچتا ہے تو ساری مخلوقات اس آدمی سے محبت کرنے لگتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم:۹۶) یعنی بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب ان کے لئے رحمان ذات محبت ہی پیدا فرماوے گا۔

پس یہ آدمی چونکہ اللہ تعالیٰ کو قریب اور محبوب ہوتا ہے لہذا مخلوق خدا کو محبوب ہے۔ اور بالکل اسی طرح جو آدمی اللہ تعالیٰ کو مبغوض لگے وہ تمام فرشتوں اور انسانوں کو بھی مبغوض اور برا لگتا ہے' ساری مخلوقات اس سے نفرت کرنے لگتی ہے' اس وجہ سے بخیل آدمی جبکہ اللہ تعالیٰ سے دور ہے تو اس کی مخلوق سے بھی وہ دور ہی ہوتا ہے۔

اور عقلی وجہ بخیل کی دوری کی یہ ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کے خزانے دیے ہیں اور وہ اسے امور خیر میں اور مخلوق خدا پر خرچ نہیں کرتا' تو عموماً لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے کہ ایک موقع پر مال لگانے کی ضرورت ہے' اور عام لوگ چونکہ خود ضرور تمند اور محتاج ہوتے ہیں' لیکن ایک مالدار شخص جس کے صدقہ و خیرات سے مسلمانوں کی وہ عام ضرورت یا خاص ضرورت پوری ہو سکتی ہے لیکن یہ بخیل اس میں مال نہیں لگاتا' تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

<u>والجاهل السخي أحب إلى الله من عابد بخيل:</u> یعنی وہ جاہل آدمی جو کہ سخی ہو' اللہ تعالیٰ کو اس عابد سے زیادہ محبوب ہے جو کہ بخیل ہو اور عابد چونکہ یہاں جاہل کے مقابلے میں ذکر ہے لہٰذا مراد اس سے عالم ہے' پس جبکہ علم کے باوجود اس کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ مضبوط نہ ہوا اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان کا جذبہ پیدا نہ ہوا تو اس عالم سے وہ جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے امور خیر میں مال لگاتا ہے اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرتا ہے۔

۴۱: باب مَا جَاءَ فِی الْبُخْلِ

بخل کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ ثنا أَبُو دَاوُدَ ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسٰى ثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَالِبٍ الْحُدَّانِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ .وفی الباب عن ابی هریرة . هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَدَقَةَ بْنِ مُوسَى.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں ہیں کہ یہ دونوں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایک بخل، اور دوسری بداخلاقی۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صدقہ بن موسیٰ کی حدیث کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح:

بخل کیا ہے؟ شریعت کی اصطلاح میں انسان کے ذمہ جن مواقع میں مال خرچ کرنا شرعاً واجب ہے، ان مالی شرعی واجبات کو چھوڑنے کا نام بخل ہے۔ اور سخاء اس کی ضد ہے، گزشتہ باب میں سخاوت کا بیان تھا۔ اب اس کا منفی پہلو یعنی بخل کا بیان کیا جاتا ہے۔ گزشتہ باب میں سخاء کی فضیلت کے ضمن میں بھی بخل کی مذمت کی گئی تھی لیکن مزید وضاحت کی خاطر امام ترمذیؒ نے بخل کے مذموم ہونے کے بارے میں مستقل باب قائم کر کے اس باب میں تین روایات ذکر کی ہیں۔ پہلی روایت کا حاصل یہ ہے کہ بخل اور بداخلاقی مؤمن کی صفات میں سے نہیں ہیں۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں بخل اور بداخلاقی نہ آنے دیں۔

خصلتان لاتجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دو صفتیں، بخل اور بداخلاقی، مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس کا مقصد یا تو یہ ہے کہ یہ دونوں خصلتیں کمال ایمان کے منافی ہیں۔ یعنی یہ دونوں خصلتیں جس میں موجود ہوں تو وہ کامل مومن نہیں ہے، اگرچہ نفس مؤمن وہ بھی ہے۔

○ یا اسکا مطلب یہ ہے کہ لاتجتمعان الخ لفظاً خبر ہے لیکن معنیً انشاء ہے: ''یَعْنِی لَایَنْبَغِیْ اَنْ

يَّجْتَمِعَ الْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ فِيْ مُؤْمِنٍ" مناسب نہیں ہے کہ کسی مومن میں بخل اور بداخلاقی جمع ہوں' یعنی مومن کو چاہیے کہ اپنے آپکواس سے پوری طرح بچائے کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مؤمن بھی ہے اور بخیل بھی۔

o یا مراد یہ ہے کہ یہ دو خصلتیں اپنے کمال اور انتہائی درجہ کے ساتھ کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں کہ کسی بھی وقت بخل اور بداخلاقی اس سے علیحدہ نہ ہو۔ یعنی بخل اس درجے کا اس میں موجود ہو کہ کسی بھی وقت کوئی بھی شرعی مالی فرض وواجب کوادا نہ کرتا ہو۔ اور اس کو برا بھی نہ سمجھتا ہو تو پھر یہ درجہ بخل کا یقیناً ایمان کے ساتھ منافی ہے۔ اس درجہ کا بخیل مؤمن نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ بعض وقت بخل کرتا ہو اور بعض وقت نہ کرتا ہو بلکہ بعض مالی فرائض وواجبات کوادا کرتا ہو' اسی طرح بعض وقت یا بعض امور میں بداخلاقی کرتا ہو لیکن اس پر دوام واصرار نہ کرتا ہو' یا اس کا نفس تو بخل اور بداخلاقی کی طرف اسے دعوت دیتا ہو لیکن وہ ان باتوں پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہو تو یہ شخص مؤمن ہے اور یہ ایسا شخص حدیث کا مصداق نہیں ہے۔

حَـدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ثَنَا صَـدَقَةُ بْنُ مُوسٰى عَنْ فَرْقَدِ السَّبَخِيِّ عَنْ مُرَّةَ الطَّيِّبِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَّانٌ، هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ .

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق ؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں داخل نہ ہوگا' دھوکہ باز' بخیل اور احسان جتلانے والا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لایدخل الجنة خب الخ: خب خاَ کے فتح ساتھ ہے اور کسرہ خاَ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی ہے خداع۔ یعنی دھوکہ باز اور زیادہ دھوکہ دینے والا۔ یعنی چالاک' چارسو بیس۔ لالچی' مکروفریب کرنے والا۔ دھوکہ دینے والا۔ یعنی اس کی فطرت میں دھوکہ اور خداع موجود ہے۔ کبھی کبھی ایسا دھوکہ باز آدمی ظاہر میں بڑا شیخ اور صوفی معلوم ہوتا ہے۔ تبلیغ بھی کرتا ہے۔ جہاد میں بھی شریک ہو لیکن اس کی فطرت میں خداع اور دھوکہ دہی راسخ ہوتی ہے۔ جب بھی موقع پالیتا ہے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دے کر انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ کبھی دھوکہ دے کر ان کا مال لوٹتا ہے کبھی انہیں جانی نقصان دیتا ہے۔

و لابخیل و لامنان: بخیل اور احسان جتانے والا آدمی بھی جنت میں نہ جائے گا۔اس حدیث میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے متعلق جو یہ وعید ذکر ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے‘تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دخول أوّلی کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے۔ہاں ان جرائم کی سزا پانے کے بعد داخل ہوسکیں گے۔یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک ان قبیح صفات میں سے کوئی صفت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔اور جب وہ اس قبیح صفت سے پاک ہوجائے یعنی یا تو دنیا میں اس سے توبہ کرکے پاک ہوجائے۔یا آخرت میں اس کی مناسب سزا پانے کے بعد اس قبیح صفت سے پاک ہوجائے اور یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے اس کو معاف کرکے پاک صاف بنادے‘تو اب جنت میں جانے کا مانع موجود نہ ہونے کی وجہ سے داخل ہوسکے گا۔

اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی طور سے خود ان قبیح صفات کا اثر تو یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہو‘ لیکن یہ ذاتی خاصیت کبھی کبھی عوارض کی وجہ سے اثر انداز نہیں ہوسکتی۔مثلاً کوئی خاص جڑی بوٹی کسی خاص مرض کا علاج ہوتی ہے لیکن عوارض کی وجہ سے تخلف ہوسکتا ہے۔اس وجہ سے بعض دفعہ اس دوا کو استعمال کرنے کے باوجود مرض نہیں جاتا۔اسی طرح ان قبیح صفات کا ذاتی اثر تو یہ ہے کہ ان کا متصف آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ ایمان ودیگر اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کا یہ اثر ظاہر نہ ہو اور ان صفات کے باوجود (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) کوئی سبیل دخول جنت کا نکل سکے۔

و لامنان: یہ لفظ منۃ سے مأخوذ ہے اس اعتبار سے اس کا معنی ہے بہت احسان جتانے والا۔یعنی جو آدمی فقراء کو کچھ صدقہ وخیرات دینے کے بعد ان پر احسان جتاتا ہو کہ گزشتہ سال تجھ کو اتنا دیا تھا وغیرہ تو اس سے وہ صدقہ وخیرات برباد ہوجاتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** (الآیۃ) یعنی تم اپنے کئے ہوئے صدقات کو احسان جتانے اور طعن وتشنیع کرنے سے ضائع مت کرو۔

یا یہ لفظ منّ سے ماخوذ ہے جو کہ قطع کے معنی میں آتا ہے: **فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** (الآیۃ) أی غیر مقطوع۔یعنی ان ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ملے گا۔اس اعتبار سے لفظ ’’منان‘‘ کا معنی قاطع الرحم اور جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم فرمایا ہے ان تعلقات کو قطع کرنے

والوں کیلئے یہ وعید شدید مذکور ہے۔مثلاً کوئی آدمی دو تین دن کسی رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرے اور کچھ عطیہ وغیرہ دے دے اور پھران کی طرف سے کوئی ناگواری دیکھے تو فوراً ان کیساتھ احسانات کا سلسلہ قطع کردے کہ یار اس نے تو مجھے سلام نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب قسم کی کہ میں حضرت مسطحؓ کے ساتھ پھر کچھ مالی تعاون نہ کروں گا کیونکہ وہ بھی منافقین کا حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کے واقعہ میں لاشعوری طور پر کسی قدر شریک ہوا تھا۔اس بارے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی اور اس قسم کی حرکت سے منع فرمایا: ''وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی'' (الآیۃ) مالکین مال وجائیداد تم میں سے قریبی رشتہ داروں کو عطیات وصدقات دینے سے قسم نہ کریں۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ پشیمان ہوکر روئے اور احسانات کا سلسلہ برقرار رکھا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ بِشْرِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيمٌ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن سادہ لوح، سخی اور عزتمند ہوتا ہے۔اور فاجر دھوکہ باز اور بخیل ہوتا ہے۔یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے اس طریق کے علاوہ نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح :

غر: اس کا معنی ہے سادہ لوح۔اور ایک اور روایت میں آتا ہے: اَھْلُ الْجَنَّةِ بُلْه'' یعنی جنت والے بھی سادہ لوگ ہوتے ہیں۔یعنی جو ہر کسی پر حسن ظن رکھتا ہے۔اس کا دل پاک وصاف ہوتا ہے۔خود مکار اور فریب گر نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی چالاکیوں سے بھی ناواقف ہوتا ہے اس وجہ سے بسا اوقات دھوکہ کھاتا ہے۔

کریم: غر کے ساتھ کریم ملا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ مؤمن دونوں صفتوں کا جامع ہوتا ہے۔یعنی اس

میں جو سادگی ہوتی ہے اور وہ جو لوگوں کے دھوکہ میں آتا ہے۔ یہ اس کے جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کریم، خوش اخلاق ہوتا ہے اور سخاوت طبع کی وجہ سے دنیوی امور اور معاملات میں تسامح اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ پس یہ اس کے کریمانہ اخلاق ہیں، اس میں جہل اور بے عقلی نہیں ہے۔

خب لئیم: یعنی فاجر دھوکہ باز اور بخیل و بداخلاق ہوتا ہے۔ اس حدیث میں لفظ غر ' خب کی ضد ہے۔ اور لفظ کریم، لئیم کی ضد ہے۔ پس غر کا معنی ہے سادہ لوح، سادہ مزاج اور خب کا معنی ہے دھوکہ باز اور مفسد، خداع اور چالاک۔ اسی طرح کریم تمام حسنات کیلئے جامع لفظ ہے۔ اور لئیم تمام بری صفات کے لئے جامع ہے۔

☆

٤٦ : باب مَا جَاءَ فِی النَّفَقَةِ عَلَی الْأَهْلِ

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَىٰ أَهْلِهِ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔'' اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن امیہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایات ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

اہل وعیال پر خرچ کرنا: اس روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ترغیب دی ہے کہ آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے سے

صدقہ کا ثواب اس وقت ملتا ہے جب کہ آدمی کی نیت ثواب اور صدقہ کی ہو۔ اور اس سے آخرت کے اجر کا طلب گار ہو ورنہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا چونکہ دراصل اپنی استعداد کے مطابق واجب ہے۔ پس اگر اس کی نیت اجر وثواب حاصل کرنا نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ سے واجب تو ساقط ہوگا لیکن صدقہ کا اجر وثواب اس کو نہیں ملے گا۔

اپنے اھل وعیال پر حسب استعداد خرچ کرنا تمام مسلمانوں میں رائج ہے اور وہ اس کو اپنے دستور کے مطابق اپنا عرفی، اخلاقی اور شرعی فریضہ سمجھتے ہیں اور شرعاً یہ اس پر واجب بھی ہے۔ اور اس میں کوتاہی کرنے سے وہ گنہگار ہوگا۔ لیکن حدیث پاک میں اس کو صدقہ کہنے سے اس بات کی تنبیہ ہوتی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس واجب کو ادا کرنے سے ان کو اجر نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ بھی صدقہ ہے بلکہ نفلی صدقہ سے بہتر ہے۔ اس وجہ سے آنے والی روایت میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے والے دینار کو بہتر دینار کہا گیا ہے۔ اور شریعت مقدسہ میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو صدقات پر مقدم رکھا گیا ہے۔ لیکن اس میں یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان اس کو صدقہ اور ثواب کا کام سمجھ کر کرے کہ اہل وعیال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ان پر خرچ کرنا میرا مذہبی فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے صدقہ وخیرات کا اجر بھی عطا فرماتا ہے۔......اس معاملہ میں اب صرف اصلاح نیت کی ضرورت ہے جب صدقہ وثواب کی نیت سے کوئی مسلمان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا رہے۔ تو اپنی زندگی میں اپنا شرعی اور اخلاقی فریضہ ادا کرنے کے ساتھ مفت میں لاکھوں کروڑوں صدقات کا اجر وثواب بھی حاصل کرے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْضَلُ الدِّينَارِ دِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى عِيَالِهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى دَابَّتِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ بَدَأَ بِالْعِيَالِ ثُمَّ قَالَ: وَأَيُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ رَجُلٍ يُنْفِقُ عَلَى عِيَالٍ لَهُ صِغَارٍ يُعِفُّهُمُ اللَّهُ بِهِ وَيُغْنِيهِمُ اللَّهُ بِهِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر

دینار وہ دینار ہے جسے کوئی آدمی اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے' اور وہ دینار ہے جو کوئی اپنے دابہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حضرت ابوقلابہؒ نے فرمایا کہ (اس حدیث میں) سب سے پہلے اہل و عیال کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ابوقلابہ نے فرمایا کہ اس آدمی سے زیادہ بڑا اجر حاصل کرنے والا کون ہوگا' جو کہ اپنے چھوٹے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے' (اور) اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کا احتیاج ختم فرماتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے

توضیح وتشریح :

اس حدیث میں انفاق کے بعض مصارف کی نشاندہی کر کے اس میں مال لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا' جہاد کی نیت سے گھوڑا وغیرہ پال کر اس پر خرچ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرنا یہ تین مواقع مال لگانے کے بہترین مصارف ہیں۔ اور ان تینوں میں سب سے پہلے اہل و عیال پر خرچ کا ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مصارف میں بھی پہلا مصرف سب سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "وَابْدَأْبِمَنْ تَعُوْلُ" یعنی انفاق میں سب سے پہلے اپنے اہل و عیال پر شروع کرو۔ حاصل یہ کہ اپنے اہل و عیال بیوی بچوں پر خرچ کرنا آدمی کے ذمہ فرض ہے۔ ان کو اس طرح نان ونفقہ دیئے بغیر چھوڑنا کہ وہ دوسروں سے سوال کرنے یا ناجائز ذرائع معاش اختیار کرنے پر مجبور ہوجائیں، اس حالت میں دوسرے مصارف خیر میں مال لگانا شرعاً غلط ہے' پہلے اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کر کے اسکے بعد حسب استعداد پوری فیاضی کیساتھ دوسرے مصارف میں مال لگانا چاہیے۔

دابہ پر خرچ کرنا :

دوسرے نمبر پر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے پالے ہوئے گھوڑے پر خرچ کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ اُس زمانے کے اعتبار سے جہاد کے لئے گھوڑوں کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور اس زمانے میں کوئی آدمی دین اسلام کے تحفظ کے لئے جدید اسلحہ' مثلاً کلاشنکوف' راکٹ لانچر' ٹینک' ایٹم بم' اور میزائل وغیرہ بنانے میں مال لگائے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ یہ اجر عطا فرمائے گا۔ "وَاَعِدُّوْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ

قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ "(الآیۃ) میں اسی حکم کی ترغیب دی گئی ہے۔ بلکہ اسلامی حکومت کیلئے ایسے اقدامات کو عمل میں لانا انتہائی ضروری ہے اور یہ چیزیں مال لگانے کے بہترین مصارف میں سے ہیں۔

اللہ کی راہ میں ساتھیوں پر خرچ کرنا :

بہتر مال وہ ہے جو کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ مثلاً علم دین سیکھنے والے طلبہ کرام جو ہیں یہ سب اللہ کی راہ میں ہیں۔ ایک ہی دارالعلوم میں ہونے کی حیثیت سے یا ایک ہی درجے میں پڑھنے والے پھر بالخصوص ایک ہی کمرے میں رہنے والے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ کسی ایک طالب علم کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو اس کیلئے اللہ کی راہ میں مال لگانے کیلئے بہترین مصرف یہی ہے' کہ اپنے طالب علم ساتھیوں پر خرچ کریں خصوصاً جو ساتھی غریب اور نادار ہو اس کے ساتھ حصول علم کے مصارف میں مالی تعاون کرنا صدقہ جاریہ اور بہت ہی اجر وثواب کا کام ہے۔

اسی طرح جہاد میں جانے والے ساتھی خواہ فوجی ہوں یا رضا کار مجاہدین' ان کا اپنے ساتھیوں پر خرچ کرنا' کسی ساتھی کے لئے سفر جہاد کی ضروریات مہیا کرنا' تا کہ وہ غربت اور ناداری کی وجہ سے جہاد میں جانے سے نہ رہ جائے' بہت ہی بڑے درجے کی قربانی اور اجر وثواب کا باعث ہے۔ اسی طرح دعوت تبلیغ کے نام پر جو محنت ہو رہی ہے اس محنت کے لئے تبلیغی سفر کے لئے نکلنا بھی خروج فی سبیل اللہ ہے۔ اور جماعت کے ساتھیوں پر خرچ کرنا' اپنے خرچ سے کسی کو تبلیغ میں لے جانا اور تبلیغی سفر کی ضروریات کو پوری کرنا یہ بھی صدقہ جاریہ اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے یا کسی اجتماعی اور دینی مقصد کے لئے کوئی جلسہ منعقد ہوا ہو' دین اسلام کے تحفظ اور سر بلندی کی خاطر اس میں شرکت کرنا اور کسی دوسرے ساتھی کو اپنے خرچ سے لے جانا بھی یہی حکم رکھتا ہے' یہ تمام صورتیں مال لگانے کے بہترین مصارف ہیں۔ عام مصارف کے بنسبت ان مذکورہ مصارف میں مال لگانے سے زیادہ اجر وثواب ملے گا۔

☆

٤٣ : باب مَا جَاءَ فِی الضِّیَافَةِ وَغَایَةِ الضِّیَافَةِ إِلَی کَمْ هِیَ

ضیافت(مہمانی) کابیان اور یہ کہ ضیافت کی حد کب تک ہے؟

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ ثَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ أَبِی سَعِیدٍ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ أَبِی شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ أَنَّهُ قَالَ: أَبْصَرَتْ عَیْنَایَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَسَمِعَتْهُ أُذُنَایَ حِینَ تَکَلَّمَ بِهٖ قَالَ: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوا وَمَا جَائِزَتُهُ قَالَ یَوْمٌ وَلَیْلَةٌ وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ وَمَا کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَسْکُتْ هٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ.

ترجمہ: حضرت ابوشریح عدویؓ روایت کرتے ہیں کہ میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور میرے کانوں نے آپ ﷺ سے سنا جس وقت آپ ﷺ یہ کلمات ارشادفرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جوشخص اللہ تعالیٰ اور روزآخرت پرایمان رکھتا ہوتو وہ اپنے مہمان کواس کا عطیہ خوب باعزت طور پردیدے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اس کا عطیہ کتنا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن رات۔ فرمایا" اور ضیافت(مہمانی) تین دن ہے۔اور جواس کے بعد دینا ہے وہ صدقہ ہے۔اور جوشخص اللہ تعالیٰ اور روزآخرت پرایمان رکھتا ہوتو وہ نیکی کی بات کہے یاچپ رہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

مہمان نوازی بھی ایک مسنون عمل ہےاوراخلاق حمیدہ میں سے ہے۔مہمان کا حق ہے میزبان پر کہ وہ اس کی مہمانی کرےاورمہمان کے لئے بھی کچھ آداب ہیں۔اس باب میں مہمان اور میزبان دونوں کے حقوق اورآداب کابیان ہورہا ہے۔

ابصرت عینای رسول اللہ ﷺ وسمعته اذ نای الخ : حدیث کاراوی حضرت ابوشریح

عدویؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ یہ جملے ارشاد فرمارہے تھے تو اس وقت میری آنکھیں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں اور میرے کانوں نے آپ سے یہ جملے سنے' راوی کا اس حالت کو ذکر کرنے سے مقصود تاکید ہے کہ نہ تو اس میں جھوٹ کا شائبہ ہے اور نہ اس بارے میں مجھے وہم یا شک ہوا ہے بلکہ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ جملے ارشاد فرمائے ہیں اور مجھے وہ حالت پوری طرح یاد ہے کہ آپ ﷺ یہ جملے ارشاد فرمارہے تھے۔اور میں بقائمی ہوش وحواس سن رہا تھا۔

مہمان کی تکریم اور اس کا حق :

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفه جائزته: مہمان کی عزت واکرام کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے یہ انداز اختیار کیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے مہمان کے لئے اس کی مہمانی بہتر اور خوب بنادے۔یعنی جو شخص مؤمن ہو تو اس میں یہ صفت ہونی چاہیے کہ حسب استطاعت مہمان کی عزت واکرام کرے۔مہمان کا اکرام کئی طریقوں سے ہوسکتا ہے' مثلاً اس کے ساتھ فراخدلی' کشادہ جبین اور خندہ روئی سے پیش آنا' اس کے ساتھ میٹھی باتیں کرنا اور اس کو تین دن تک کھانا کھلانا۔ایک دن رات اس کو حسب مقدور اچھا اور پر تکلف کھانا تیار کرنا۔جس کو حدیث مذکورہ میں جائزہ کہا گیا ہے۔اور اس کے بعد تین دن تک تکلف کے بغیر جو کچھ میسر ہو دیا کرے۔مہمانی کا حق اب ختم ہوگیا۔اس کے بعد اگر میزبان اس کو کچھ نہ دے تب بھی اس پر شرعاً کوئی الزام نہیں ہے۔اور اگر دے دے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہے۔

کیا ضیافت واجب ہے؟

وما کان بعد ذلک فهو صدقة: بعض فقہاء کرامؒ نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ تین دن کے بعد جو کچھ دے تو وہ صدقہ ہے یعنی نفل ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک ضیافت کرنا واجب ہے' اس کے علاوہ بھی بعض روایات سے وجوب معلوم ہوتا ہے' لیکن جمہور اس کو سنت قرار دیتے ہیں کہ یہ مکارم الاخلاق کے قبیل سے ہے اور بعض تفصیل کرتے ہیں کہ اہل بادیہ اور گاؤں والوں پر ایک دن رات

تک واجب ہے اور شہر والوں پر واجب نہیں۔ اور بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ تین دن کے بعد اس کو ایک دن رات کا کھانا دے کر رخصت کرنا چاہیے تاکہ اس خرچہ پر وہ ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچ سکے۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اس مسافر کا جانا ایسے راستے پر ہو جس میں آبادی قریب نہ ہو اور سہولیات مفقود ہوں۔

من کان یؤمن باللّٰہ و الیوم الآخر فلیقل خیراً اولیسکت : یعنی جو شخص کامل ایمان والا ہو اور کامل ایمان چاہتا ہو تو وہ یا تو نیکی اور بھلائی کی باتیں کرے اور یا پھر خاموش رہے۔ کیونکہ بری باتوں میں نفع نہیں ہے بلکہ اس سے کی گئی نیکیاں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبِي عُمَرَ ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَمَا أُنْفِقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ .

و معنى قوله : " لا يثوى عنده " يعني الضيف لايقيم عنده حتى يشتد على صاحب المنزل. والحرج هو الضيق. إنماقوله" حتى يحرجه يقول: حتى يضيق عليه.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيُّ هُوَ الْكَعْبِيُّ وَهُوَ الْعَدَوِيُّ اسْمُهُ خُوَيْلِدُ بْنُ عَمْرٍو .

ترجمہ: حضرت ابو شریح کعبیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ضیافت (مہمانی) تین دن تک ہے۔ اور مہمان کا جائزہ (یعنی اس کیلئے طعام کی خصوصی اور پرتکلف تیاری) ایک دن رات ہے اور جو کچھ میزبان اس کے بعد اس پر خرچ کرے تو وہ صدقہ ہے۔ اور اس مہمان کیلئے حلال نہیں کہ وہ یہاں تک گھر والے کے پاس ٹھہرے کہ اس کو حرج اور تنگی میں ڈال دے۔ اور آپ ؐ کے ارشاد گرامی "لایثوی عندہ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہمان گھر والے کے پاس زیادہ نہ ٹھہرے کہ اس پر تنگی اور بوجھ پڑ جائے۔ اور "حرج" تنگی کو کہا جاتا ہے اور "حتی یحرجہ" کا مطلب یہ ہے کہ "یہاں تک کہ

وہ تنگ آ جائے''اوراس باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایات ہیں۔اور اس حدیث کو حضرت امام مالک بن انس اور حضرت لیث بن سعد نے بھی حضرت سعید المقبری سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوشریح الخزاعی، یہی ابوشریح کعبی اور یہی ابوشریح العدوی ہے اور اسکا نام خویلد بن عمرو ہے۔

میزبان کا حق ہے کہ مہمان بوجھ نہ بنے :

تشریح وتوضیح: گزشتہ روایات میں مہمان کا جو حق ہے، میزبان پر اس کا ذکر ہوا، اور اس روایت میں مہمان کے حق کے ساتھ ساتھ میزبان کا جو حق ہے، مہمان کے ذمے اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔میزبان کے ذمہ جو حق مہمانی لازم ہے اس کی تفصیل گزشتہ حدیث کے ذیل میں ذکر ہوئی اور مہمان کے لئے جس ادب کا خیال رکھنا لازم ہے وہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہے:

ولا یحل له ان یثوی عنده حتی یحرجه : یعنی مہمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اس حد تک ٹھہر جائے کہ اس کو حرج اور تنگی میں ڈال دے۔مہمان تو خود جنتی ہوتا ہے۔کیونکہ بے فکر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتا ہے اور پکا پکایا من وسلویٰ سامنے لایا جاتا ہے۔لیکن گھر والوں کا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔ایسا نہ ہو جیسا ایک آدمی دوسرے کے پاس ایک اونٹ کا ہدیہ لے کر آیا تھا اور پھر اس طرح پکا ڈیرہ لگا دیا کہ جیسا کہ اسے واپس جانا ہی نہیں اور بالآخر میزبان کو مجبوراً یہ کہنا پڑا۔

یا مبرما أهدی جملا، وانصرف الفی جمل

قال وما اوقارها قال زبیب وعسل (الخ)

تفصیل آپ نے نفحۃ العرب میں پڑی ہوگی۔

☆

٤٤: باب مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ

(بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کے لئے تگ و دو کرنے کا بیان)

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ ثَنَا مَعْنٌ ثَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: السَّاعِيُّ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ. حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ اخبرنا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ. هٰذَا الْحَدِيثُ صَحِيحٌ غَرِيبٌ. وَأَبُو الْغَيْثِ اسْمُهُ سَالِمٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ وَثور بن يزيد شامي. وَثَوْرُ بْنُ زَيْدٍ مَدَنِيٌّ.

ترجمہ: حضرت صفوان بن سلیمؓ نے جناب رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بیوہ اور غریب و نادار کے لئے محنت مزدوری کر کے کمانے والا (ثواب کے اعتبار سے) اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ یا اس آدمی کے برابر ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابو الغیث جو ہے اس کا نام سالم مولی عبید اللہ بن مطیع ہے۔ اور ثور بن یزید شامی ہے۔ اور ثور بن زید مدنی ہے۔

توضیح وتشریح:

بے سہاروں پر خرچ کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے:

ان روایات میں جناب رسول اللہ ﷺ نے برّ وصلہ کے بعض دوسرے پہلوؤں کی خاص طور پر

فضیلت بیان فرمائی ہے۔غریبوں' بے کسوں' بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی خبر گیری کرنا اوران کے لئے کما کران پر خرچ کرنا اجر وثواب کے لحاظ سے جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان (روح) کو قربانی کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔اور بیواؤں' ضعیفوں پر خرچ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال لگاتا ہےاور کہاجاتا ہے :

"المال شقیق الروح" یعنی مال' روح کا سگا بھائی ہے۔پس جن مواقع میں مال لگانے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ان مواقع میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مال کی قربانی پیش کرنا اسی طرح ہے۔جیسا کہ یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانی دیتا ہے۔اس لئے اس عمل کا اجر وثواب جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

دن رات عبادت کے برابر اجر :

او کالذی یصوم النہار و یقوم اللیل :

یا غریبوں بیواؤں' بے سہاروں پر خرچ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے' اور رات بھر نماز میں گزارتا ہے۔ چونکہ بیواؤں اور غریبوں کی خبر گیری کرنے والا آدمی جب دن میں محنت مزدوری کرتا ہے۔اوراس کی کمائی میں غریبوں کا حصہ ہوتا ہے۔اور جب رات کواپنے بستر پرآ کر سوتا ہے تب بھی اس کے ساتھ ہر وقت غریبوں مسکینوں اور بے سہاروں کی فکر لاحق ہوتی ہےاس وجہ سے گویا اس کا دن رات سب عبادت میں گزرتا ہے جیسا کہ وہ دن کو روزہ رکھتا ہےاور رات کو نماز پڑھتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ غریبوں اور بیواؤں پر خرچ کرنا اور بے سہاروں کی خبر گیری کرنا جہاد فی سبیل اللہ اور دن کو روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے کے برابر اجر وثواب کا باعث اور بہترین عمل ہے۔

☆

۴۵ : باب مَا جَاءَ فِی طَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ

(خندہ روئی اور بشاشت کا بیان)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا الْمُنْكَدِرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي ذَرٍّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے۔ اور یقیناً نیکی کے کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) سے بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ مل جائے۔ اور یہ بھی ہے کہ تو اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دے۔ اس باب میں حضرت ابوذرؓ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

معروفات کا وسیع اور ہمہ گیر دائرہ :

کل معروف صدقة : معروف کا معنی ہے جانا پہچانا، اور منکر اس کا ضد ہے، جو غیر معروف اور ناآشنا ہو، جیسا کہ کوئی غیر معروف آدمی دارالعلوم میں آجائے اور اس کی شکل وصورت اور اس کا وضع قطع، سب نیا ہو تو طلبہ اس کو دیکھ کر سمجھ جائیں، کہ یہ تو کوئی ناآشنا اور غیر معروف آدمی ہے۔ اور اگر اس کی وضع قطع لباس، اور شکل وصورت طالب علموں کی طرح ہو۔ تو پھر طلباء اس کو غیر معروف اور منکر نہ سمجھیں گے۔ پس معروف اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کا نیکی کا کام ہونا ادلہ شرعیہ اور عرف سے بھی معلوم ومعروف ہو اور منکر اس کے خلاف ہے۔ پس حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ ہر موافق شریعت نیکی کا کام صدقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقات کا اجر وثواب حاصل کرنا صرف مال لگانے پر موقوف نہیں، جو شخص نادار اور غریب ہو تو مختلف قسم کے نیک اعمال کر کے بغیر مال لگائے بھی ہزاروں صدقات کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ پھر ان نیکی اور موافق شرع افعال کے بعض مثالوں کو رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ وان

من المعروف ان تلقی اخاک بوجه طلق الخ یعنی نیکی کے کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملو۔اس سے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔ نیز اپنے ڈول سے اپنے بھائی مسلمان کے برتن میں پانی ڈال دو تا کہ وہ علیحدہ ڈول نکالنے کی تکلیف سے بچ جائے یہ بھی صدقہ ہے۔

☆

٤٦ : باب مَا جَاءَ فِی الصِّدْقِ وَالْکَذِبِ

سچائی (کی تحسین) اور جھوٹ (کی مذمت) کا بیان

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشِّخِّيرِ وَابْنِ عُمَرَ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سچائی کو تھامے رکھو' کیونکہ سچ بولنا انسان کو بھلائی کی طرف لے جاتا ہے اور بھلائی انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔اور ایک آدمی ہمیشہ کیلئے سچ بولتا رہتا ہے اور کوشش کیساتھ سچائی کو ڈھونڈھتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''صدیق'' (یعنی بہت سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔اور جھوٹ سے بچتے رہو۔ کیونکہ جھوٹ انسان کو (اللہ تعالیٰ کی) نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔اور (اللہ تعالیٰ کی) نافرمانی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور ایک آدمی ہمیشہ کیلئے جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے میں کوشش کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''کذاب'' (بہت جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے اور اس باب میں حضرت ابوبکر' عمر' عبداللہ بن شخیر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایات آئی ہیں۔...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

سچ بولنا تمام نیکیوں کی کنجی ہے:

علیکم بالصدق فإن الصدق یهدی إلی البر: ای الزموا الصدق ' یعنی سچائی کا التزام کرو۔ اور سچ بولنا اپنے اوپر لازم کرو۔ کیونکہ سچائی ایک ایسی خصلت ہے کہ یہ انسان کو نیکی اور بھلائی کی طرف لے جاتی ہے' ارشاد ربانی ہے۔ یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (الآیۃ) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچ وحق بات کہو تو اللہ تعالیٰ آپکے اعمال کو درست فرماوے گا۔ اور آپکے گناہوں کو بخش دیگا۔ اس آیت کریمہ میں بھی زبان کے درست استعمال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاح اعمال (یعنی دیگر اعمال کی درستگی) اور پھر اس پر گناہوں کی مغفرت کو مرتب کیا گیا ہے جسکا حاصل یہی ہے کہ سچائی انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکیوں کی وجہ سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے جو کہ دخول جنت کا سبب ہے۔

ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں اسلام قبول کرتا ہوں لیکن میں زنا بھی کرتا ہوں' شراب بھی پیتا ہوں' چوری بھی کرتا ہوں اور جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ اور میں تمام گناہوں کو دفعتاً یکبارگی نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ درجہ بدرجہ ایک ایک گناہ چھوڑتا جاؤں گا۔ پہلے کون سے گناہ کو ترک کردوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کو جھوٹ ترک کرنے کا حکم دے دیا۔ اس آدمی نے پورے عزم کے ساتھ جھوٹ کو ترک کردیا' جھوٹ ترک کرنے کی وجہ سے وہ آدمی تمام برائیوں سے چھوٹ گیا اور دوسرے گناہوں سے خود بخود منع ہوگیا۔

مقام صدیقیت:

حتی یکتب عنداللہ صدیقا: یعنی جب کوئی آدمی سچ بولنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے اور تلاش کے ساتھ سچ کا طلبگار رہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آدمی کو صدیقیت کا تمغہ مل جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''صدیق'' لکھ دیا جاتا ہے۔ صدیقیت وہ مقام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی

والدہ حضرت مریم کو عطا فرمایا' وَأُمُّـهُ صِدِّيقَةٌ (الایۃ) اور یا یہ مقام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان سے عطا فرمایا۔ اور یا یہ مقام ام المومنین حضرت عائشہؓ کو عطا کیا گیا۔ اور آیت کریمہ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰـهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ ۝ اور بعض دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے بعد صدیقیت کا مقام ہے جو کہ شہادت پر بھی مقدم ہے۔ اور یقیناً قرآن وحدیث میں جن ہستیوں کو صدیقیت کا مقام عطا ہوا ہے' وہ انبیاء تو نہیں ہیں' لیکن انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں پر مقدم اور افضل ترین ضرور ہیں۔ اور ہر نبی صدیق ہوتا ہے لیکن ہر صدیق کا نبی ہونا ضروری نہیں ہے۔

جھوٹ سے فرشتوں کو بدبو آتی ہے :

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ هَارُونَ الْغَسَّانِيِّ حَدَّثَكُمْ عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَذِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ قَالَ يَحْيَى فَأَقَرَّ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ هَارُونَ وَقَالَ نَعَمْ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ هَارُونَ .

ترجمہ: یحییٰ بن موسیٰ نے ہمیں بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالرحیم بن ھارون غسانی سے پوچھا کہ تم کو عبدالعزیز بن أبي رواد نے نافع سے اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت نقل کی کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس سے ایک میل کے فاصلے پر دور چلے جاتے ہیں' اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے جو اس نے بولا'' یحییٰ کہتا ہے کہ عبدالرحیم بن ہارون نے اس کا اقرار کیا اور کہا کہ ''ہاں'' (یعنی ہاں عبدالعزیز بن ابی رواد نے اس سند کے ساتھ ہمیں یہ حدیث بیان کی ہے) یہ حدیث حسن غریب ہے' ہم اسے اس طریق کے علاوہ نہیں پہچانتے ہیں۔ یہ حدیث عبدالرحیم ھارون کا تفرد ہے......

توضیح وتشریح :

اس حدیث میں بھی جھوٹ کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جھوٹ بولنے والے سے اللہ تعالیٰ کے

فرشتے دور ہوجاتے ہیں، کیونکہ جھوٹی بات سے ان کو بدبو آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے معزز اور نیک مخلوق کراماً کاتبین اور حفظہ کو اتنی تکلیف دینا کہ وہ اس کو برداشت نہ کرسکے، کتنی بری بات ہے۔ ان سے حیاء کر کے جھوٹ سے باز آنا چاہیے۔

☆

٤٧ : باب مَا جَاءَ فِی الْفُحْشِ وَالتَّفَحُّشِ

بدگوئی اور بے حیائی کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰی الصَّنْعَانِیُّ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوا ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ الْفُحْشُ فِی شَیْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا کَانَ الْحَیَاءُ فِی شَیْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَفِی الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِیسَی هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ.

ترجمہ : حضرت انسؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے حیائی اور بدگوئی جس چیز میں بھی موجود ہو تو یہ اسے عیب دار بنا دے گی۔ اور حیاء جس چیز میں بھی ہو تو اسے حسین اور مزین بنا دے گی۔...... اس باب میں حضرت عائشہؓ سے بھی روایت ہے۔ ابوعیسیٰ (امام ترمذیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے حدیث عبدالرزاق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح :

ماکان الفحش فی شیٔ الخ: گناہ کا ہر فعل اور قول جس کی قباحت زیادہ اور واضح ہو، وہ فحش کہلاتا ہے۔ اور عام طور پر فاحشہ کا اطلاق زنا پر ہوتا ہے۔ حدیث مذکور میں بدگوئی اور بدخلقی مراد ہے۔

فی شئی : اس میں مبالغہ ہے یعنی فحش اور بدگوئی اتنی بری چیز ہے کہ اگر فرضا یہ خصلت کسی بھی شئی میں موجود ہو تو اسے بھی عیب دار بنادے گی اور حیاء اور خوش خلقی اتنی اچھی خصلت ہے کہ اگر یہ کسی بے جان میں بھی ہو تو یہ اسے حسین اور خوبصورت بنادے گی۔ پھر یہ خوش خلقی اور حیاء جب انسان میں آجائے تو اسکے حسن وخوبی کا کیا کہنا ایک حدیث میں آیا ہے کہ: بدترین آدمی وہ ہے جس کی بدخلقی اور بدگوئی سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر لوگ اسے چھوڑ جائیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا أَبُو دَاوُدَ انَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں" اور رسول اللہ ﷺ بداخلاقی کے کام اور کلام کرنے والے نہیں تھے اور نہ آپ قصداً وتکلفاً بداخلاقی کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

فاحشا و لا متفحشا:

فاحش : وہ آدمی جس کے افعال واقوال میں عادتی طور پر بدخلقی اور بے حیائی موجود ہو۔ اور بلاتکلف اس سے قبیح افعال واقوال صادر ہوتے ہوں۔ اور متفحش وہ ہوتا ہے جس کی عادت تو بدخلقی اور بے حیائی کرنے کی نہ ہو لیکن قصداً اور تکلفاً بدخلقی کرتا ہو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہر قسم کی بدخلقی سے پاک تھے۔

لہٰذا اُمت کو بھی یہ عادات اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆

٤٨ : باب مَا جَاءَ فِى اللَّعْنَةِ

لعنت کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِهِ وَلَا بِالنَّارِ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی بددعا نہ کیا کرو اور نہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ اور نہ آگ کے ساتھ۔ اور اس باب میں حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

لعنت بھیجنے کی بددعا کرنا: ابواب البر والصلۃ میں تمام معروفات اور نیکیوں کی تحسین اور تمام منکرات اور قبائح کی مذمت ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا بھی ایک منکر اور قبیح فعل ہے۔ اس باب میں لعنت اور اس کے مترادف الفاظ کے ساتھ بددعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لعنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بُعد (دوری) کو کہا جاتا ہے۔ تو کسی پر لعنت بھیجنے والا گویا یہ بددعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت ہی وسیع ہے' تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ مسلمان' کافر' نصرانی اور یہودی سب کو شامل ہے۔ ''وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' (الایۃ) البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مسلمانوں کے لئے خاص ہے۔ کفار و مشرکین کے لئے نہیں ہے۔ تاہم کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ کسی معین شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا کرے ہاں مطلق کافروں اور جھوٹوں پر لعنت کی جا سکتی ہے

قرآن مجید میں ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْن ٥ لَعْنَةُ اللّٰه عَلَى الْكَاذِبِيْنَ٥ کیونکہ جس طرح مچھلیوں کی زندگی کے لئے پانی ضروری ہے اور پانی کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتیں اور بری مخلوقات کی زندگی کے لئے ہوا ضروری ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام مخلوق کے لئے ضروری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کسی پر بند کرنا بڑی شقاوت اور تنگ دلی ہے۔ اور اس مخلوق کے ساتھ ظلم ہے۔ البتہ کسی عام وصف کے ساتھ لعنت بھیجنا جائز ہے۔ مثلاً لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ' لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ .

لاتلاعنوا بلعنة الله: تلاعن باب تفاعل ہے اس میں جانبین سے شرکت ہوتی ہے یعنی ایک دوسرے پر لعنت نہ بھیجو۔ تلاعن اس بناء پر کہا گیا ہے کہ ایک آدمی جب دوسرے پر لعنت کہتا ہے تو جواب میں دوسرا آدمی بھی اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ یا اس بناء پر کہا گیا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی گئی ہے اگر وہ آدمی اس لعنت کا مستحق نہ ہو تو خود بخود یہ لعنت کہنے والے پر واپس ہو جاتی ہے تو معنوی لحاظ سے تلاعن اور تشارک موجود ہوا' لیکن درحقیقت مراد اس سے یہ ہے کہ کسی مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نہ بھیجو۔ مثلاً یہ کہو کہ علیک لعنة الله تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس قسم کی بددعا سے منع کرنا مقصود ہے۔

و لا بغضبه: اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی کسی کو بددعا نہ دو۔ یعنی کسی سے یہ نہ کہو کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

و لا بالنار: اور آگ کے ساتھ بھی بددعا نہ دو۔ یعنی ایسا نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ میں داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم میں ڈال دے وغیرہ۔

حاصل یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا ممنوع ہے۔ خواہ صراحۃً لفظ لعنت کے ساتھ ہو یا اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ سے ہو۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْأَزْدِيُّ الْبَصْرِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ : حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن لوگوں کی عیب جوئی کرنا والا لعنت بھیجنے والا بے حیائی کرنے والا بدگوئی کرنے والا نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور یہ حدیث حضرت عبداللہؓ سے اس طریق کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی روایت کی گئی ہے۔

توضیح وتشریح :

ليس المومن بالطعان: مؤمن طعن کرنے والا نہیں ہوتا۔ طعن دراصل نیزہ مارنے کے معنی میں آتا ہے۔ جس طرح کسی کو نیزہ سے مار کر مجروح کیا جاتا ہے اسی طرح کسی پر عیب لگانا بھی اس کی عزت وآبرو کو مجروح کرنا ہے۔ اور اس کے دل کو ایسا زخم لگاتا ہے کہ وہ کبھی مندمل نہیں ہوتا ....

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَايَلْتَامُ مَاجَرَحَ اللِّسَانُ

ترجمہ: تیر اور نیزوں کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان (یعنی طعن وتشنیع گالیوں) کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔

قولی اور فعلی فحش :

ولا الفاحش ولا البذی: اور مومن بے حیائی کرنے والا اور بدزبان (بے ہودہ گو) نہیں ہوتا۔

فاحش : فحش کام کرنے اور فحش بات کہنے والا۔ قبیح کام کرنے اور قبیح بات کہنے کو فحش کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہاں فحش سے ایسی گالی دینا مراد ہے جس کے ذکر کرنے کو قبیح سمجھا جاتا ہے۔ اور بذی فحش فی القول کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی بے ہودہ اور قبیح باتیں کرنے والا۔ مثلاً گالی دینا۔ جھوٹ بولنا غیر سنجیدہ خرافات بکنا۔

اس اعتبار سے یہ تخصیص بعد التعمیم ہوگی۔ یعنی فحش قبیح فعل اور قبیح بات دونوں کو عام ہے اور بذاء فحش فی القول کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی مزید تاکید کے لئے فحش فی القول کی مذمت اور برائی کو علیحدہ لفظ کے ساتھ دوبارہ واضح کر دیا۔ لہٰذا تکرار بلا فائدہ نہیں ہے اور اگر فاحش کو فحش فی الفعل کے ساتھ خاص کیا

جاوے۔تو بذاء سے فحش فی القول مراد ہے تو اس صورت میں تکرار نہیں آئے گا۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ الْبَصْرِيُّ ثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ ثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ هَذَا حَدِيثٌ حسن غَرِيبٌ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ بِشْرِ بْنِ عُمَرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آندھی پر لعنت کی۔تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔''آندھی پر لعنت مت کہو کیونکہ وہ تو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) مامور ہے اور بات یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجے جو اس لعنت کا مستحق نہ ہو تو یہ لعنت اس (لعنت بھیجنے والے) پر واپس ہوتی ہے۔یہ حدیث حسن غریب ہے' ہمیں بشر بن عمر کے علاوہ کوئی بھی (محدث) معلوم نہیں جس نے اسے مسند کیا ہو۔

اللہ کی کسی مخلوق پر بھی لعنت سے ممانعت :

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آندھی وغیرہ کی وجہ سے مثلاً کوئی تکلیف پہنچے تو آندھی پر لعنت نہ کہو کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔لہذا وہ مستحق لعن نہیں ہے۔اسی طرح ہواؤں' موسموں' گرمی اور سردی وغیرہ ارضی وسماوی تغیرات وتبدلات کو گالی دینا' یا ان پر لعنت کہنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ بڑا جرم اور گناہ ہے۔کیونکہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلتی ہیں۔

رجعت اللعنة عليه : جب کوئی آدمی کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجے جو اس لعنت کی مستحق نہ ہو تو یہ لعنت واپس اس لعنت کرنے والے پر آپڑتی ہے۔یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں جس پر لعنت بھیجوں تو وہ ضرور اس پر جا لگے گی' بلکہ جس پر لعنت بھیجی گئی ہے اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہ ہو تو اس کو اپنے کہنے والے کا راستہ معلوم ہے' وہ اسی راستہ پر واپس آکر کہنے والے پر نازل ہوتی ہے لہٰذا دوسروں پر لعنت بھیجنے والے کو پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے۔

☆

٤٩ : باب مَا جَاءَ فِی تَعْلِیمِ النَّسَبِ

نسب کا علم حاصل کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ عِیسَی الثَّقَفِیِّ عَنْ یَزِیدَ مَوْلَی الْمُنْبَعِثِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِکُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَکُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِی الْأَثَرِ هَذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَمَعْنَی قَوْلِهِ مَنْسَأَةٌ فِی الْأَثَرِ یَعْنِی بِهِ الزِّیَادَةَ فِی الْعُمُرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے نسب کا علم اس قدر حاصل کرلو کہ اس کے ذریعے تم قرابتداری کے حقوق ادا کرسکو۔ کیونکہ صلہ رحمی سے اپنوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال زیادہ ہوتا ہے اور اجل (موت) میں تاخیر ہوتی ہے۔...... یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔ اور اس قول (منسأۃ فی الاثر) کا معنی ہے" عمر میں زیادتی ہونا"۔

نیک مقاصد کیلئے تعلم نسب :

تعلموا من أنسابکم ماتصلون به أرحامکم : اپنے نسب اور آباؤ اجداد کو پہچاننا بھی ایک حد تک ضروری ہے، کیونکہ بر اور صلہ، اپنے اقرباء اور رشتہ داروں کے تعارف کے بغیر نہیں ہوسکتا، جبکہ صلہ رحمی کی اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے۔

اس وجہ سے اپنے باپ کی طرف کے آباؤ اجداد اور ماں کی طرف کے آباؤ اجداد کے نام ونسب وغیرہ معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ اپنے اقرباء اور رشتہ داروں کو پہچان سکو، اور صلہ رحمی اور حقوق رشتہ داری میں **أقرب فالأقرب** اور درجہ بدرجہ ہر ایک کو اس کا حق ادا کرسکو۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے انساب پہچاننے کی تعلیم دی ہے۔ کہ صلہ رحمی کے خاطر نسب کو معلوم کرو۔

نسبی تفاخر کی ممانعت :

فخر وغرور کے لئے اپنے آباؤاجداد کو یاد کرنا اور اپنے عالی نسب ہونے کی بناء پر دوسروں سے اپنے آپ کو بہتر سمجھنا یہ شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔اور ایک حدیث میں ہے کہ جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ دے' تو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ غیرت مندوہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو، آباء واجداد پر فخر وتکبر کرنا کہ'پدرم سلطان بود'' اس کو دین اسلام نے جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا ہے۔اور حدیث میں ہے کہ:

كُلُّكُمْ بَنُوْآدَمَ وَ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ. (الحدیث)

''تم سب آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔''

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں' کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں' اللہ کے نزدیک زیادہ عزت مندوہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

غرض فخر ومباہات کو اسلام نے ختم کر دیا ہے اور اپنے نسب کا علم حاصل کرنا اس ارادے سے کہ اپنے اقرباء کو معلوم کر کے ان کے ساتھ صلہ رحمی' اور حسن سلوک کرے یہ ایک عبادت ہے۔

صلہ رحمی کے بعض دنیوی فوائد :

فإن صلة الرحم محبة في الأهل' مثراة في المال' منسأة في الاثر: پس یقیناً صلہ رحمی سے قرابتداروں میں محبت بڑھ جاتی ہے۔مال زیادہ ہوتا ہے' اور اجل (موت) میں تاخیر ہوتی ہے۔

محبت کا بڑھ جانا :

محبت کا بڑھ جانا ظاہر ہے کیونکہ جب آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔بیمار پرسی کرتا ہے اور ان کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے تو لازم ہے کہ اس کے ساتھ ان رشتہ داروں کی محبت پیدا ہو گی۔اور جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی آپس میں محبت بھی بڑھتی چلی جائے گی۔اور اسی طرح امن ومحبت کا ایک خوشحال معاشرہ وجود میں آئے گا۔

مال میں اضافہ :

مثراۃ فی المال: یعنی صلہ رحمی سے مال زیادہ ہوتا ہے۔اگر ظاہری نظر سے دیکھا جاوے تو معاملہ برعکس ہونا چاہیے کیونکہ قرابتداروں کیساتھ حسن سلوک کرنے اوران کے حقوق ادا کرنے میں مال صرف ہوتا ہے' کیونکہ قرابتداری کے بہت سے حقوق ایسے ہیں جن کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہے۔اوران میں کافی حصہ مال کا خرچ ہوتا ہے' جس سے بظاہر مال کم ہوتا ہے' لیکن شریعت مقدسہ کی رو سے معنوی اور روحانی اثرات عموماً مادی اندازوں کے خلاف ہوتے ہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : **یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِیْ الصَّدَقَاتِ**' (الآیۃ)سود کے مال کواللہ تعالیٰ مٹاتا ہے۔اورصدقات سے مال کواللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور یہ بھی ظاہر کیخلاف ہے' کیونکہ ظاہر میں تو صدقات سے مال کم ہوتا ہے۔اورسود سے مال زیادہ ہوتا ہے' لیکن خزانہ غیب کی طرف سے اسکے برعکس صلہ مل جاتا ہے۔اور جواپنا مال صدقات میں خرچ کرتا ہے' وہ مال دن بدن بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے مال میں برکت ہوتی ہے' اورصدقہ کرنے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا ''مَا نَقَصَتْ مَالٌ مِنْ صَدَقَۃٍ'' اوراس کے برعکس سود کرنے والوں کے ساتھ اگر عارضی طور پر کچھ وقت کے لئے سرمایہ زیادہ بھی جمع ہوجائے' لیکن انجام کار اس کا' خسارہ اور ہلاکت ہے' جیسا کہ موٹاپے کے مریض کا بدن ورم کی وجہ سے موٹا اور تازہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ کوئی صحت مندی نہیں بلکہ موت اور ہلاکت کی تمہید ہے۔اس وجہ سے جن ملکوں میں سودی نظام رائج ہے وہ بھی کچھ عارضی ترقی کرنے کے بعد روبہ تنزل ہوجاتے ہیں اورانجام کاران کا دیوالیہ پن اورتباہی ہے۔

عمر زیادہ ہونے کا مطلب :

منسأۃ فی الأثر : یعنی صلہ رحمی کرنا اَجل (موت) کی تاخیر کا سبب ہے اورعمر کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔پھر عمر زیادہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ حدیث میں ہے' جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ'' یعنی جو کچھ ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہوچکا ہے۔پھر مزید کچھ نہیں لکھے گا؟ اور دوسری حدیث میں بھی حدیث باب کی طرح مضمون ذکر ہے' لَایَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّاالدُّعَا وَلَایَزِیْدُ فِی الْعُمْرِ اِلَّاالْبِرُّ'۔یعنی قضاء اور تقدیر کو دعا کے علاوہ کوئی چیز بھی رَد نہیں کرسکتا۔اور عمر میں صلہ رحمی کے علاوہ اور کوئی چیز زیادتی نہیں لاسکتی۔تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہوچکا ہے وہ تقدیر مبرم ہے اس میں تبدیلی

نہیں ہو سکتی۔ اور جس تقدیر میں دعا یا صلہ رحمی وغیرہ اسباب سے تبدیلی آتی ہے وہ تقدیر معلق ہے۔ لہٰذا صلہ رحمی کو جو اس حدیث میں زیادتی عمر کا سبب قرار دیا گیا ہے یہ تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے۔ یا عمر زیادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ آدمی محسن ہے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو جب ایسا آدمی مر جاتا ہے تو مرنے کے بعد بھی طویل مدت تک اس کا ذکر جمیل دنیا میں باقی رہتا ہے۔ اور لوگ اس کے محاسن اور بھلائی کو یاد کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد نیک نام باقی رہنے کو زیادت عمر سے تعبیر کیا گیا۔

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت　　نوشیروان نہ مُرد کہ نام نکو گذاشت　　(سعدیؒ)

ترجمہ: قارون باوجود کثیر خزانہ رکھنے کے ہلاک و برباد ہو گئے لیکن عادل نوشیروان (حقیقۃً) مرے نہیں کہ نیک نامی کی شہرت چھوڑ گئے۔

اور یا زیادت عمر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں برکت ڈال دیتا ہے اور اسکی عمر کو ضائع ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو خیر اور بھلائی کی توفیق زیادہ دیتا ہے۔ تو وہ آدمی قلیل عمر میں بہت سے نیک اعمال کرتا ہے اور ایسی ایسی دینی خدمات (اہم تصنیفات ذہین اور لائق تلامذہ) سرانجام دیتا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس آدمی کی عمر تو سوا ایک سو بیس سال ہو گی حالانکہ اسکی عمر چالیس، پچاس کے قریب ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے بہت ہی قلیل عمر میں بہت اہم تصانیف اور بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیئے۔ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف اس سلسلہ میں مشہور ہیں۔ یہی حال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ہے۔ تو زیادت عمر کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قلیل عمر میں دین کا بہت کام لے لیتے ہیں۔ یہ ہے عمر کا زیادہ ہونا۔ اور یہ بھی ہے کہ مستحق اور محتاج قرابتدار اور غریب اس کی زندگی کے لئے دعا گو رہتے ہیں تو ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دیتا ہے۔

جزیرہ مالٹا اور حضرت مدنیؒ کا دلچسپ واقعہ :

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں گرفتار ہوئے تھے۔ دراصل حضرت مدنیؒ گرفتاری سے بچ سکتے تھے لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے گرفتار ہونے پر حضرت مدنیؒ نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو ملزم قرار دے کر گرفتاری دے دی۔ تاکہ جیل میں

اپنے استاد کی خدمت کرتے رہیں۔اور پھر یقیناً حضرت مدنیؒ نے استاذ کی خدمت کا حق ادا کردیا۔اسی گرفتاری کے دوران حضرت مدنیؒ کے والد محترم بھی فوت ہوئے اور اہلیہ بھی اس فانی دنیا سے رحلت کرگئیں لیکن حضرت مدنیؒ نے ایسے کٹھن حالات میں بھی استاذ کو تنہا چھوڑ کر جیل سے نکلنے کو گوارا نہیں کیا۔ بلکہ بدستور حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ رہ کر خدمت کرتے رہے۔مالٹا میں سخت سردی ہوتی تھی حضرت مدنیؒ پانی سے لوٹا بھر کر رات کو بستر میں اپنے سینے سے لگائے رکھتے تھے۔جب حضرت شیخ الہندؒ رات کے آخری حصے میں اٹھتے تو اس وقت تک حضرت مدنیؒ کے بدن کی حرارت سے وہ لوٹا کچھ نیم گرم ہو چکا ہوتا تھا۔ حضرت مدنیؒ یہ گرم پانی اپنے استاذ کو وضوء کے لئے پیش کردیتے۔(ان خدمات اور خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا)

اسی سفر کے بارے میں حضرت مدنیؒ نے سفرنامہ ''اسیر مالٹا'' بھی لکھا۔اس میں ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ مالٹا میں ایک قبرستان تھا۔اس میں بعض قبریں لمبی اور بڑی ہوتی تھیں اور اس پر چار سال یا پانچ سال عمر لکھی ہوتی تھی۔اور بعض قبریں نسبتاً چھوٹی ہوتی تھیں اور ان پر عمر ۱۸'۲۰ سال لکھی ہوتی' دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ قبر بڑی ہے اور مردہ بڑی عمر کا آدمی معلوم ہوتا ہے اور اس پر عمر تین سال یا پانچ سال لکھی ہے۔یہ کیوں؟

سبب پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ قبرستان عیسائیوں کا ہے اور وہ صرف اس عمر کو عمر کہتے ہیں جو عیسائیت کی تبلیغ میں گزر چکی ہو'پس اگر کسی کی عمر سو سال ہو لیکن اس نے دین عیسائیت کی خدمت میں چار پانچ سال گزارے ہیں تو اس کی قبر پر صرف چار سال یا پانچ سال عمر لکھی جائے گی۔پس اصل عمر وہ ہے جو دین اسلام کی خدمت میں گزر جائے حدیث کا مطلب بھی یہ ہوا کہ جس کی عمر کو اللہ تعالیٰ ضائع ہونے سے بچائے اور اس سے تھوڑی عمر میں زیادہ دینی خدمات لے لے تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کو زیادہ کردیا .... ؎

دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے   جو تیری یاد میں گزر جائے

☆

۵۰: باب مَا جَاءَ فِی دَعْوَةِ الْاَخِ لِاَخِیهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ

ایک بھائی کا اپنے دوسرے (مسلمان) بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ ثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا دَعْوَةٌ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْأَفْرِيقِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ الْأَفْرِيقِيُّ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک غائب کا دوسرے غائب کے لئے دعا مانگنے سے کوئی اور دعا زیادہ جلدی قبول ہونے والی نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے اس طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔ اور افریقی جو ہے وہ حدیث کے سلسلے میں ضعیف بتایا جاتا ہے۔ اور وہ ہے عبدالرحمان بن زیاد بن أنعم الافریقي.

توضیح وتشریح: اس حدیث میں غائبانہ دعا کی فضیلت اور بہتری کا بیان ہے کہ غائب کی دعا' دوسرے غائب کے لئے بہت ہی جلد قبول ہوتی ہے۔ اور اس سے زیادہ کوئی دعا جلدی قبول ہونے والی نہیں۔

غائبانہ دعا کمالِ اخلاص کی علامت : اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ دعا زیادہ مقبول ہے جو کہ زیادہ خلوص اور صدق نیت سے مانگی جائے۔ اور کسی آدمی کا دوسرے کے لئے غائبانہ طور پر خیر کی دعا مانگنا خلوص نیت اور صدق دل سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے کسی کو دکھانا' سنانا مقصود نہیں ہوتا' اور نہ ہی مدعولہ کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تو نہیں دیکھتا ہے کہ یہ آدمی میرے لئے خیر کی دعا مانگتا ہے' پس ظاہر ہے کہ یہ آدمی دل کی تڑپ کے ساتھ اس آدمی کے لئے خیر پہنچانے کا طلبگار ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے خیر کی دعا مانگتا ہے' تو اس کمالِ اخلاص کی وجہ سے اللہ اس دعا کو سب سے زیادہ جلدی سے قبول فرمالیتا ہے۔ اگرچہ رُوبرُو دُعا کرنا بھی اچھا عمل ہے' لیکن غائبانہ دعا جلدی قبول ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اپنے اساتذہ' والدین' اور ساتھیوں' دوستوں کے لئے غائبانہ طور پر دعائیں مانگا کریں۔ مثلاً میرے فلاں ساتھی کو بھی اللہ تعالیٰ عالم باعمل بنادے۔

۵۱: باب مَا جَاءَ فِی الشَّتْمِ

گالی گلوچ (کی مذمت) کا بیان

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِیهِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِی مِنْهُمَا مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُومُ وَ فِی الْبَاب عَنْ سَعْدٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ هٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے دونوں آدمی جو کچھ بھی کہیں گے تو اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے۔ جب تک مظلوم آدمی نے تجاوز نہ کیا ہو۔ باب میں حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی روایات ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

المستبان: تثنیہ ہے مستب کا اور مستب اسم فاعل ہے استباب باب افتعال سے یعنی وہ دو آدمی جو ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوں ما قالا ' أی اثم ما قالا۔ یعنی ان دونوں نے جو کچھ بھی کہا تو اس سب کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہوگا۔ کیونکہ پہل کرنے والا اس مشاجرہ اور مخاصمہ کا سبب بن گیا ہے۔

کیا گالی کا جواب گالی سے دینا جائز ہے:

فعلی البادیٔ منهما الخ: پس اس کا گناہ ان دونوں میں پہل کرنے والے پر ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو جتنی بھی گالیاں دی تو ان سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوگا۔ اور جب تک کہ اس مظلوم آدمی نے حد سے تجاوز نہ کیا ہو اس وقت تک اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور جب وہ مظلوم تعدی وتجاوز کرے تو پھر گناہ صرف ابتداء کرنے والے پر نہ ہوگا۔ بلکہ یہ

دوسرا بھی حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہوگا۔تجاوز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو ایک گالی دے۔تو یہ جواب میں دو گالیاں دے یا جواب میں اس کو بھی گالی دے اور اس کے ماں باپ کو بھی گالیاں دے۔(جیسا کہ بعض پٹھان لوگ اس طرح کرتے ہیں)اس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔وہ گالیاں دینے کی وجہ سے اور یہ تجاوز کرنے کی وجہ سے۔اس تشریح کے مطابق گالی دینے والے کو برابر اور مساوی جواب دینے سے آدمی گنہگار نہ ہوگا۔اور گالی کا جواب اس کے برابر گالی سے دینا جائز ہوگا۔

دوسرا مطلب اس حدیث کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ **فعلی البادیٔ منهما** کا مطلب یہ ہے: کہ دونوں جو بھی کہیں اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا۔وہ خود جو گالی دے اس کا گناہ بھی اس پر ہے۔اور دوسرا آدمی جو اس کو جواباً گالی دیتا ہے اس کا گناہ بھی اس ابتداء کرنے والے پر ہے' کیونکہ یہ اُس کے لئے سبب بنا ہے۔لیکن یہ مطلب نہ ہوا کہ جواب میں گالی دینے والے پر اپنے قول کا گناہ نہ ہوگا۔بلکہ گنہگار تو یہ بھی ہے۔لیکن اسکا گناہ پہل کرنے والے کے بنسبت کم ہے جبتک کہ یہ تعدی نہ کرے اور جب اس نے تعدی کی تو پھر اسکا گناہ بھی پہلے کے برابر ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اگر تعدی زیادہ ہو تو اس کا گناہ پہل کرنیوالے سے بھی زیادہ ہوجائے۔(اس تفصیل کے مطابق گالی کے برابر جواب دینا بھی گناہ سے خالی نہیں ہے)فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: **"جَازَ رَدُّ كُلِّ شَتِيمَةٍ غَيْرَ الْحَدِّ"**. (درمختار) یعنی ہر گالی کا برابر جواب دینا جائز ہے' بشرطیکہ وہ گالی موجب حد (حد قذف) نہ ہو۔

پس انتقام اور بدلہ لینے کے اصول کے مطابق پہلا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔یعنی گالی کا برابر سے جواب دینا جائز ہے۔اور حدیث باب سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور جزئیہ فقہ کے مطابق موجب حد گالی کا جواب دینا جائز نہیں اس کے علاوہ جائز ہے' تاہم جواب نہ دینا اور عفوو درگزر کرنا عزیمت اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔جیسے کہ آیت **"وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰه"** میں اس طرف اشارہ ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ

سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ وَ قَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ سُفْيَانَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَرَوَى بَعْضُهُمْ مِثْلَ رِوَايَةِ الْحَفَرِيِّ وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ عِنْدَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو روایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم مُردوں کو گالی نہ دو کہ اس کی وجہ سے زندوں کو تکلیف پہنچاؤ گے۔ اور حضرت سفیانؒ کے شاگردوں کو اس حدیث میں اختلاف ہوا ہے پس بعض شاگردوں نے تو اسے حفری کی طرح روایت کیا ہے اور بعض نے **عن سفیان عن زیاد بن علاقة قال سمعت رجلاً یحدث عن المغیرة بن شعبة عن النبی ﷺ نحوه** (یعنی حضرت سفیان کے بعض شاگردوں نے زیاد بن علاقہ کا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے براہ راست سننا نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے زیادؒ بن علاقہ کا ایک اور آدمی سے سننا نقل کیا ہے جو کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتا تھا' کہ جناب رسول اللہؐ اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔)

توضیح وتشریح :

لاتسبوا الاموات فتو ذوالأحیا. مُردوں کو گالی نہ دیا کرو کہ جس کی وجہ سے زندوں کو تکلیف پہنچاؤ۔ مُردوں کو گالی دینا بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ شیعہ وروافض کی عادت ہے کہ انکے مذہب کی بنیاد ہی گالیاں دینے پر ہے۔

مُردوں میں عیب جوئی سے ممانعت :

تاریخ سے مردوں کو نکال کر انہیں گالیاں دیتے ہیں' حالانکہ مردوں کے عیوب کو بیان کرنے سے احادیث مبارکہ میں منع آیا ہے' قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ اسلاف کیساتھ دلوں میں کدورت نہ رکھے۔ ان کے ساتھ بغض وکینہ رکھنا خسارے کی بات ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے مغفرت کی' اور اپنے دلوں کو انکے ساتھ بغض وکینہ سے پاک رکھنے کی دعا کیا کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ (الایۃ) ''اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے تھے اور ہمارے دلوں میں (تمام) ایمان لانے والوں کے ساتھ بغض وکینہ پیدا نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار بے شک تو بہت مہربانی کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

مشاجرات صحابہؓ میں کفِ لسان :

بعض اسلاف سے کسی سائل نے مشاجرات صحابہ کرامؓ سے متعلق پوچھا کہ ان میں سے کون حق پر تھے؟ اور انکے اختلافات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے نیزوں اور ہمارے ہاتھ کو ان کے خون سے رنگنے سے محفوظ فرمایا ہے۔ تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی اس میں آلودہ نہ کریں۔

فتؤذو الاحیاء: یعنی مردوں کو گالی نہ دیں کہ اس سے تم زندوں کو تکلیف پہنچاؤ گے۔ یعنی مُردوں میں تو ادراک نہیں ہے۔ ان کو تو بظاہر کچھ تکلیف نہیں پہنچے گی۔ لیکن ان کے زندہ متعلقین، مثلاً ان کی اولاد، شاگردوں، مریدوں اور رشتہ داروں کو تکلیف پہنچے گی، کسی کی بھی ایذارسائی حرام ہے، یہ ایک اور برائی ذکر ہوئی، مردوں کو گالی دینے کی۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ ثَنَا وَکِیْعٌ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ زُبَیْدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ قَالَ زُبَیْدٌ قُلْتُ لِأَبِیْ وَائِلٍ: أَنْتَ سَمِعْتَہٗ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ لڑنا کفر ہے' حضرت زبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابووائل سے پوچھا کہ کیا تو نے یہ روایت حضرت عبداللہؓ سے سنی ہے۔ تو اس نے کہا ''ہاں'' (میں نے سنی ہے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسلمان کو گالی دینا اور قتل کرنا فسق اور کفر ہے:

سباب المسلم فسوق وقتاله کفر: مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ فسوق کا معنی ہے خروج' نکلنا۔ پس فسوق کا معنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نکلنے کا ہے۔ فسوق' عصیان سے شدید تر ہے' بدلیل قوله تعالیٰ. وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَان. (الایۃ) اس آیت کریمہ میں کفر کے ساتھ متصل فسوق کا ذکر فرمایا ہے اور عصیان کو اس کے بعد ذکر فرمایا۔ حاصل یہ کہ مسلمان کو گالی دینا بڑی نافرمانی ہے۔

وقتاله کفر: اور اس کے ساتھ لڑنا کفر ہے' اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفر ہے' یعنی کافرانہ فعل ہے' مسلمان کو لائق نہیں کہ مسلمان سے لڑے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مفضی الی الکفر ہے' کفر کی طرف پہنچانے والی چیز ہے۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ مستحل ہو اور اس کے ساتھ قتل و قتال کو حلال سمجھتا ہو تو پھر کفر ہے۔

☆

۵۲ : باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ الْمَعْرُوفِ

بھلائی کی بات کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرَ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرىٰ ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا: فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کچھ بالاخانے ایسے ہیں کہ ان کے باہر کو اندر سے اور اندر سے باہر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ تو ایک اعرابی نے اٹھ کر کہا:

اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یہ بالاخانے کس کیلئے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ اس کیلئے ہیں) جس نے اچھی بات کہی، اور کھانا کھلایا، اور ہمیشہ روزہ رکھا، اور رات کو نماز پڑھی جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے حدیث عبدالرحمٰن بن اسحاق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح :

جنت کے شفاف محلات کس کے لئے ہیں؟ اس باب میں بعض نیکی کے کام کرنے والوں کا اخروی اجر وصلہ بیان ہوا ہے کہ جنت میں کچھ ایسے بالاخانے ہیں جن کے اندر کو باہر کی طرف سے اور باہر کو اندر کی طرف سے دیکھا جا سکتا ہے اور یہ بالاخانے ان لوگوں کو ملیں گے جو اچھی اور نرم بات کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور روزے زیادہ رکھتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جبکہ عام لوگ سو جاتے ہیں۔

تری ظهورها من بطونها الخ: یعنی یہ بالاخانے ایسے شفاف ہوں گے کہ ان کے در و دیوار سے آگے کی چیزیں نہیں چھپ جائیں گی جیسا کہ آج کل اس کے کچھ نظائر دنیا میں بھی موجود ہیں۔ بعض محلات کے کمروں میں چاروں طرف ایسے صاف اور شفاف شیشے لگے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر کو باہر سے اور باہر کو اندر سے آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے، تو جنت کے محلات اس سے زیادہ شفاف اور خوبصورت ہوں گے۔ کیونکہ وہ خوبصورتی میں تو سونے اور چاندی کے بنے ہوئے ہوں گے اور شفافیت میں شیشے کی طرح ہوں گے، جیسا کہ جنت کے برتنوں کی صفت کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

کانت قواریرا o قواریرا o من فضۃ (الایۃ) یعنی وہ شیشے کے ہوں گے۔ ایسا شیشہ جو کہ چاندی کا ہو، یعنی خوبصورتی اور چمک دمک اس میں چاندی کی ہوگی، اور اس کے باوجود شیشے کی طرح شفاف بھی ہوں گے۔

لمن أطاب الكلام : یہ بالاخانے اس کے لئے ہوں گے جو نیکی اور بھلائی کی بات کرتا ہو یعنی جو اچھے اخلاق رکھتا ہو، خوش کلام ہو اور ہر کسی سے نرم، میٹھی اور وعظ ونصیحت کی بات کرتا ہو، تندخو اور بدزبان نہ ہو، فحش گوئی اور بے ہودہ گوئی سے اجتناب کرتا ہو۔

خذ العفو و أمر بعرف كما أمرت و أعرض عن الجاهلين
ولين في الكلام لكل الأنام فمستحسن من ذوي الجاه لين

ترجمہ: عفو وکرم کو اپنا معمول بنا اور نیکی کا حکم کر جیسے تجھے حکم کیا گیا ہے اور جاہلوں سے اعراض (روگردانی) کر اور سب مخلوق کیساتھ کلام کرنے میں نرمی کر۔ کیونکہ ذی شان لوگوں سے نرم برتاؤ پسندیدہ عمل ہے۔

و أطعم الطعام: اور جو کھانا کھلاتا ہو یہ عام ہے۔ اپنے اہل وعیال کو فراخدلی سے اور ثواب کے ارادے سے کھانا کھلانا' فقراء و مساکین کو کھلانا اور دوستوں' مہمانوں کو کھلانا سب اس میں داخل ہے۔ لوگوں کو کھانا کھلانا مسلمان کی ایک بہترین صفت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّ يَتِيْماً وَّاَسِيْراً٥" (الاية)

و أدام الصيام : اور ہمیشہ روزہ رکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے روزے رکھنے کی عادت بنالی ہو۔ اور فرض روزے کو ہمیشہ کے لئے رکھا ہو اور فرض کے بعد نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتا ہو اور بعض محدثین کے نزدیک اس کا کم سے کم اندازہ یہ ہے کہ ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی عادت ہو' چنانچہ احادیث میں ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کو صوم الدھر (دائمی روزہ) کہا گیا ہے۔ آیت کریمہ "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" بھی اسکی مؤید ہے یہ معنی اس لئے اختیار کیا گیا کہ حقیقتاً دوام کے ساتھ روزے رکھنے کو بعض روایات میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ نیز حقیقتاً دوام میں تو ایام منہیہ بھی داخل ہیں حالانکہ اس میں روزہ رکھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔

وصلى بالليل و الناس نيام : اور جو رات کو نماز پڑھتا ہو حالانکہ عام لوگ سور ہے ہوں اس کو جنت کے شفاف محلات ملیں گے' کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریا و نمود نہیں ہوتی۔ تنہائی اور رات کی تاریکی میں جبکہ عام لوگ سور ہے ہیں اٹھ کر نماز پڑھنا خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رات کی خاموشی اور اندھیرا نیند اور آرام کے لئے زیادہ مناسب ہے اس حالت میں خواب کو چھوڑ کر نرم بستر سے اٹھ کر نماز پڑھنے میں مشقت اور تکلیف بھی زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یقیناً ایسے شفاف محلات کا عطا ہونا ہی مناسب ہے جن میں روشنی ہی روشنی ہو اور آرام وسکون کے اسباب مہیا ہوں' کیونکہ انہوں نے اپنے آرام کو قربان کر کے رات کے اندھیرے میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجاتیں کیں۔ "فَاِنَّ الْجَزَاءَ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ".

۵۴ : بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ

نیک کردار غلام کی بہتری کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ وَيُؤَدِّيَ حَقَّ سَيِّدِهِ يَعْنِي الْمَمْلُوكَ: وَقَالَ كَعْبٌ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا: بہتر چیز (یعنی بہتر غلام) کسی آدمی کا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہو۔ اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ اور حضرت کعب الاحبارؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے سچ ہی فرمایا ہے۔ اور اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور ابن عمرؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

غلام پر مالک کے حقوق :

گزشتہ ابواب میں مالک کے آداب کا ذکر ہو چکا ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے غلام نوکر و خادم دیئے ہوں تو اس کے لئے اپنے مملوک غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کرنا چاہیئے اس باب میں غلام اور اسی طرح نوکر اور خادم کے آداب مذکور ہیں کہ غلام اور خادم کو چاہیے کہ پہلے اپنے خالق اور حقیقی مالک کے احکامات کو بجالائے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے آقا اور مجازی مالک کی خدمت کا حق بھی ادا کرے۔ تو یہ بہترین غلام اور خادم ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو غلام اپنے رب کی اطاعت و عبادت بھی اچھے طریقے سے بجالائے اور اپنے آقا اور مالک کی خدمت کا حق بھی ادا کرے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور اس باب کی دوسری حدیث میں بھی ایسے غلام کے لئے یہ اجر وثواب مذکور ہے کہ وہ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوگا۔

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں :

پس غلام خادم اور نوکر کے لئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کے حقوق کا لحاظ رکھے' ایسا نہ ہو کہ آقا اپنے غلام کو یا افسر اپنے نوکر اور خادم کو یہ کہے کہ نماز مت پڑھو اور بس صرف میری خدمت کرو اور میرا کام بجالاؤ تو غلام' نوکر اور خادم بھی اس کے حکم کو اپنے لئے سند جواز قرار دے کر یہ سمجھے کہ بس میرے لئے نماز معاف ہے۔

اپنے وقت پر نماز پڑھنا' یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' اپنے بندوں کو' پس کسی بھی مخلوق کے کہنے پر نماز کو ترک کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ :

"لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" (الحدیث) یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں' خواہ وہ مخلوق' حکمران اور امیر ہو یا ماں باپ۔ خواہ پیر ہو یا استاذ۔ خواہ آقا ہو یا افسر' البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کے علاوہ ہر حکم میں اولوالامر کی اطاعت واجب اور لازم ہے' اسی طرح ماں باپ' اساتذہ وشیوخ اور بڑوں کی فرمانبرداری کی دین اسلام تعلیم دیتا ہے' اور بڑوں کے احترام و فرمانبرداری کو مسلمان کا اخلاقی و دینی فریضہ قرار دیتا ہے' شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہ ہو۔

فرمودات رسول ﷺ کے ساتھ اللہ کا ذکر: قال کعب صدق اللہ ورسولہ:

حضرت کعب الاحبارؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے' اس جملہ میں لفظ "اللہ" اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعینؒ کا یہ پختہ یقین تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں فرماتے بلکہ تشریع سے متعلق ان کے تمام فرمودات وحی ہوتے ہیں۔

اگر چہ ظاہر میں تو یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں لیکن ....

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　　گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت کریمہ: "مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحىٰ" میں یہی بات مذکور ہے۔

یا اللہ تعالیٰ کا نام تبرکاً ذکر کیا' اصل مقصود یہ ذکر کرنا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سچ ہی فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "صدق اللہ ورسولہ" "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا"

اس سے صرف اس حدیث میں ذکر شدہ مضمون مراد نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں مذکورہ مضمون کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تمام فرمودات اور رسول اللہ ﷺ کے تمام ارشادات مراد ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے سچ فرمایا ہے اس اعتبار سے کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہے کہ مراد عام ہے لیکن چونکہ اس خاص موقع پر کعب الاحبارؒ نے یہ ارشاد فرمایا جس سے اس حدیث میں مذکورہ مضمون ''نیک کردار غلام کی اہمیت'' کی طرف اشارہ ہے۔

نیک کردار غلام اور خادم کی اہمیت اور مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور ذہنی غلامی:

حضرت کعب الاحبارؒ نے صدق اللّٰہ و رسولہ کہہ کر جناب رسول اللہ ﷺ کا نیک غلام رکھنے کی جو ترغیب دی ہے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا کیونکہ ان کے زمانے میں کافر اور بدکردار غلاموں کی وجہ سے بہت ہی فسادات ظاہر ہونے لگے تھے مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک نصرانی غلام مدینہ منورہ میں رہتا تھا اس کا نام فیروز تھا اور کنیت ابولولوتھی، اس بد بخت نے امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز پڑھانے کے دوران خنجر سے کئی وار کر کے زخمی کر دیا جس کے نتیجے میں کچھ دن بعد آپ شہید ہو گئے۔ ایک سیاہ بخت نصرانی غلام کے ہاتھوں امت مسلمہ حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ وامیر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔اور پوری امت کو بڑا صدمہ پہنچا۔امت مسلمہ کا اتنا بڑا نقصان ہوا کہ وہ قیامت تک اس کی تلافی نہ کر سکے گی۔

لہٰذا غلام اور خادم بھی ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو مسلمان ہو نیک کردار اور با اعتماد ہو۔جب غلام خادم اور نوکر کافر بدکردار اور بداخلاق ہو تو ان کی وجہ سے معاشرہ میں بدامنی بے اعتدالی اور فسادات پیدا ہوتے ہیں۔اِس زمانے میں بھی عالم اسلام میں نئی نسل اپنے مذہب اور عقیدے سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان میں خادم نوکر اور کام کرنے والے لوگ غیر مذاہب کے ہوتے ہیں۔ ذہنی غلامی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ انجینئر کو اگر امریکا یورپ اور روس سے نہ لایا جائے تو ان کے کام پر اعتماد نہیں کرتے اسی طرح ہر فن سے متعلق غیر ملکی اور غیر مذہب ماہرین پر اعتماد کیا جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں میں ہر قسم کے صلاحیتوں والے قابل ترین لوگ موجود ہیں لیکن ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی بلکہ حوصلہ شکنی ہو رہی ہے۔اور یہی حوصلہ شکنی پھر ان کے عملی میدان میں پیچھے رہنے کا سبب بن جاتی ہے ....

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
لائیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

مالدار عرب ممالک میں غیر مسلم ملازمین کی وبا اور نقصانات :

اکثر عرب اور جو مسلمان ممالک مالدار ہیں ان کا یہی رویہ ہے کہ نوکر اور خادم غیر مذاہب کے لوگوں' یہودی' عیسائی' ہندو اور بدھ مذہب والوں کو رکھتے ہیں' اور اکثر سرکاری عہدوں پر بھی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کے اقتصادیات پر قابض ہو گئے ہیں' نیز گھروں میں ایسی عورتوں کو نوکرانی رکھتے ہیں جو کہ فلپائن' تھائی لینڈ' سری لنکا' وغیرہ سے آئی ہوئی ہیں۔ بچوں کی پرورش بھی ایسی عورتیں کرتی ہیں' ایسے بچوں میں اسلامی سوچ اور اسلامی تہذیب کیسے آئے گی؟ جبکہ وہ ایسی عورتوں کی گود میں پرورش پا لیتے ہیں جنکا عقیدہ' اخلاق اور عمل خراب ہیں' وہ صرف اس پر خوش ہوتے کہ ہم نے تھوڑی سی تنخواہ پر نوکرانی رکھی ہے۔ اور معمولی تنخواہ پر گھر کا چوکیدار' باغ کا مالی' گاڑی کا ڈرائیور مل گیا ہے' وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان بد مذہب اور بد اخلاق لوگوں کا میرے گھر والوں' بیوی بچوں کے اخلاقیات پر' اور آس پاس کے ماحول کے لوگوں پر کیا اثر پڑے گا۔ اس ناعاقبت اندیشی کیوجہ سے ان کے معاشرے میں اسلامی تہذیب ختم ہو رہی ہے اور بد اخلاقی وفحاشی روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ زنا اور فحاشی کے مراکز قائم ہو گئے' حاصل یہ کہ ملازم وخادم اور نوکر رکھنے کے لئے ضرورت پیدا ہو رہی ہے' کیونکہ نہ سارے لوگ آقا اور مالک ومخدوم ہوتے ہیں' نہ سب غلام' مملوک اور خادم' بعض مالک ہوں گے' بعض مملوک ہونگے۔ بعض مخدوم ہوں گے بعض خادم۔ پس ان کے درمیان بے اعتدالی اور بے راہ روی ہونا نقصان دہ ہیں۔ ان کی اصلاح کی ضرورت ہے' اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کا حق ادا فرمایا' اور اچھے ملازم اور خادم رکھنے کی تعلیم دے کر آداب معاشرت کے ایک اہم پہلو کو واضح کر دیا' اور اس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کعب الاحبارؓ نے فرمایا' صدق اللّٰہ ورسولہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ اگر ہم نے اسے ملحوظ رکھا ہوتا تو حضرت عمرؓ کے قتل کا المیہ پیش نہ آتا۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ عَنْ زَاذَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ أُرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَرَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ وَأَبُو الْيَقْظَانِ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ قَيْسٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ (زاذان کہتے ہیں کہ) میرا گمان ہے کہ (ابن عمرؓ نے) فرمایا' قیامت کے دن۔ (پس اس گمان کی صحت کی بناء پر معنی یہ ہوگا کہ تین قسم کے آدمی قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہونگے) ایک وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی' دوسرا وہ آدمی جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کی امامت پر راضی ہوں' تیسرا وہ آدمی جو دن رات میں پانچوں نمازوں کیلئے (اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر) اذان دیتا ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے حدیث سفیان کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔......اور ابوالیقظان جو ہے ان کا نام عثمان بن قیس ہے۔

توضیح وتشریح:

علی کثبان المسک: کثبان کثیب کی جمع ہے۔ کثیب' ریت کی لمبی اور خمدار ٹیلے کو کہا جاتا ہے۔

موالی: مولیٰ کی جمع ہے' مولیٰ آقا اور مالک کو بھی کہا جاتا ہے' نیز مملوک غلام اور آزاد کردہ غلام کو بھی کہا جاتا ہے' حدیث میں مولیٰ اعلیٰ اور مولیٰ اسفل دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسری روایات سے مطابقت کی بناء پر ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولیٰ اعلیٰ مراد ہے کہ جو غلام اپنے آقاؤں کا حق اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرنے کے بعد ادا کرے تو وہ مشک کے ٹیلوں پر ہوگا۔

تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے:

اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لئے قیامت کے دن بڑے اعزاز کی خوشخبری سنائی گئی ہے کہ قیامت کے دن جو بڑی سختیوں اور ہولناکیوں کا دن ہے۔ اسی دن یہ لوگ مشک کے ٹیلوں پر سیر وتفریح کرتے ہوئے خوشی سے رہیں گے۔ ان میں سے ایک وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کا حق بھی ادا

کرے اور اپنے آقا کی خدمت کا حق بھی۔ دوسرے وہ عالمِ قرآن ہے جو کہ کسی قوم کی امامت کرے اور ایسے حسن وخوبی کے ساتھ کرے کہ وہ قوم اس کی امامت پر راضی ہو۔

امام مسجد کے لئے جائز حدود کے اندر اپنی قوم کی مرضی کا خیال رکھنا ضروری ہے:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محلہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز حدود کے اندر اپنی قوم کے جذبات واحساسات کا خیال رکھے۔ اور بلاضرورت قوم کو کسی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔ نماز اس طرح پڑھے کہ نماز کے فرائض واجبات وآداب کا بھی لحاظ رکھے اور بہت طویل ہونے کی وجہ سے قوم کے ضعیف اور کمزور افراد کو تکلیف بھی نہ ہو حضور کریم ﷺ نے غالباً حضرت معاذؓ کو بعض صحابہؓ کی اس سلسلہ میں شکایت کرنے پر اَفَتَّانٌ اَنۡتَ یَامُعاذُ او کما قال ﷺ کے الفاظ سے سخت تنبیہ کی۔ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ امام کے لئے نماز کو اتنا طویل کرنا کہ قوم کو تکلیف ہو یا قوم کی عجلت کی وجہ سے نماز کو بہت مختصر کرنا دونوں مکروہ ہیں۔ بعض لوگ موروثی طور پر مسجد پر قابض ہوتے ہیں۔ اور اہلیت نہ ہونے کے باوجود زبردستی مسجد کی امامت کو صرف اس وجہ سے اپنا حق سمجھتے ہیں کہ میرے باپ دادا اس میں امامت کرتے چلے آئے ہیں' بے علمی اور بد عملی کی وجہ سے نااہل ہونے کے باوجود ایسا کرنا بہت بڑا ظلم' یا تو اپنے آپ میں اہلیت پیدا کر کے محبت کے ساتھ لوگوں کو متفق کر کے جماعتی نظام کو درست رکھے' ورنہ امامت کو چھوڑ دے' تا کہ کوئی دوسرا اہل شخص اس دینی فریضہ کو انجام دے' بصورت دیگر ویرانئ مسجد اور جماعتی نظام کے خراب ہونے کا سارا وبال اس کے سر ہوگا۔ جس طرح اچھے طریقے سے امامت کرنا بڑا ثواب کا کام ہے اسی طرح اس منصب کے حقوق کو پامال کرنا بہت بڑا جرم بھی ہے۔

تیسرا وہ آدمی جو پنج وقتہ نماز کے لئے مسجد میں (اخلاص ورضامندی باری تعالیٰ کیلئے) اذان دیتا ہو یہ بہت بڑا اجر وثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلانے کی آواز سب سے اچھی آواز ہے۔ ایک حدیث میں یہ مضمون ذکر ہوا ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے میں کتنا اجر وثواب ہے اور پھر وہ اسے بغیر قرعہ اندازی کے حاصل نہ کر سکتے ہوں تو وہ اس کے لئے قرعہ اندازی بھی کریں گے۔

٥٤ : باب مَا جَاءَ فِی مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

لوگوں کے ساتھ برتاؤ کا بیان

حَدَّثَنَا بندار ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِیٍّ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِی ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِی شَبِيبٍ عَنْ أَبِی ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَأَتْبِعْ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ وَ فِی الْبَاب عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ترجمہ : حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو،اور برائی کے پیچھے نیکی کروتو یہ اس کو مٹادے گی۔اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ وَأَبُو نُعَيْمٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ : قَالَ مَحْمُودٌ وحَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِی ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِی شَبِيبٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ : قَالَ مَحْمُودٌ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِی ذَرٍّ.

ترجمہ : یعنی اس پہلی روایت والا مضمون امام ترمذی کو ان کے شیخ محمود بن غیلانؒ نے بھی دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ایک سند میں امام ترمذی کو محمود بن غیلان نے اور ان کو ابو احمدؒ اور ابو نعیمؒ نے حدیث بیان کی ہے۔اور وہ دونوں حضرت سفیانؒ سے روایت کرتے ہیں۔اور سفیانؒ کے بعد سند پہلی روایت کی طرح حضرت ابوذرؓ تک پہنچتی ہے۔اور حضرت ابوذرؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے مندرجہ بالا مضمون نقل کرتے ہیں۔اور دوسری سند اس طرح ہے کہ امام ترمذیؒ کو محمود بن غیلانؒ نے اسی طرح بیان کیا

ہے۔ کہ ہمیں وکیعؒ نے روایت کیا ہے اور وہ سفیانؒ سے وہ حبیب بن أبي ثابتؓ سے وہ میمون بن أبي شبیبؓ سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ جناب نبی کریم ﷺ سے اسی (درج بالا مضمون) کی طرح روایت کرتے ہیں۔

سندی بحث کا حاصل :

یہ ہے کہ حدیث اتق اللّٰہ حیث ما کنت ...... الخ. امام ترمذیؒ کو ان کے شیخ بندارؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ کے دوسرے شیخ محمود بن غیلانؒ نے بھی ایک سند کے ساتھ حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور دوسری سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن آخر میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں : قال محمود: والصحیح حدیث ابی ذر۔ محمود کہتے ہیں کہ صحیح جو ہے وہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث ہے۔

توضیح وتشریح: معاشرة الناس :

معاشرت' برتاؤ اور سلوک کرنے کو کہا جاتا ہے اور عشیرہ قبیلہ کو کہا جاتا ہے کیونکہ بندہ کی معاشرت' برتاؤ اور سلوک عموماً اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کے ساتھ ہوتا ہے اور معاشرت باہمی چیز ہے' افراد اور کثرت کے مابین متحقق ہوتا ہے۔ فرد واحد میں متحقق نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے معاشرت کی اضافت' الناس کی طرف ہوئی اور تقدیر عبارت اس طرح' فی معاشرتک الناس' یعنی تیری معاشرت لوگوں کے ساتھ۔

<u>اِتق اللّٰہ حیث ما کنت</u>: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! جہاں بھی تم ہو' اور جس حالت میں بھی ہو' یعنی لوگوں کے سامنے ہو یا تنہائی میں' رنج ہو یا راحت کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ظاہر اور پوشیدہ تمام امور سے باخبر ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض واوامر کو بجالاؤ' اور اس کی ہر قسم کی نافرمانی سے اجتناب کرو'

خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے کامیاب منصوبہ بندی:

<u>وأتبع السیئة الحسنة تمحها</u>: اور برائی کے پیچھے نیکی کرو تو یہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی۔ أتبع' باب افعال سے امر ہے اور متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف۔ السیئۃ' مفعول اول ہے اور الحسنۃ مفعول ثانی ہے۔ یعنی انسانوں سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد متصل نیکی کرنا چاہیے۔ مثلاً

دو رکعت نماز پڑھے یا صدقہ کرے یا استغفار کرے یا لا الہ الا اللہ سبحان اللہ پڑھے۔ تو اس سے وہ گناہ ختم ہوگا۔ کیونکہ صغیرہ گناہ نیکی سے ڈھل جاتا ہے۔ اور کبیرہ گناہ معاف ہونے کے لئے جمہور کے نزدیک استغفار اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرنا ضروری ہے۔ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے دل پر گناہ کا سیاہ دھبہ باقی نہ رہے گا۔ اور دل صاف رہے گا۔ جس کے نتیجے میں قلب کا میلان نیکی کی طرف رہے گا اور گناہوں سے پاک رکھنے کا ایک بہترین طریقہ ہے اور روحانی بیماریوں سے شفایاب ہونے کا ایک مؤثر علاج ہے۔ کیونکہ امراض کا علاج اس کی ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ إن الحسنات يذهبن السيئات . (الآیۃ) یعنی بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ایک ارشاد گرامی پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے سے پوری توقع کی جاسکتی ہے کہ انسان کا خاتمہ اچھا ہوگا خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے یہ ایک بہترین منصوبہ بندی ہے۔

<u>تمحها:</u> میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہو تو پھر معنی یہ ہوگا۔ "برائی کے متصل بعد نیکی کرو اس طریقے سے تو اس برائی کو مٹا دے گا۔"

<u>وخالق الناس بخلق حسن :</u>

اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ معاملہ کرو، حسن معاشرت اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کرنے کے لئے حسن اخلاق لازمی چیز ہے۔ ایک حدیث شریف میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" یعنی لوگوں کے ساتھ بات چیت، بیع وشراء اور دیگر معاملات میں نرمی اور اچھائی سے پیش آیا کرو، خندہ پیشانی اور خوش طبعی کے ساتھ ان سے ملو۔ رحم دلی اور تواضع اختیار کرو۔ ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کرو۔ اسی طرح اچھے اخلاق کے مختلف پہلو ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے حسن معاشرت وجود میں آتی ہے۔

☆

۵۵ : باب مَا جَاءَ فِی ظَنِّ السُّوءِ

بدگمانی کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ أَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیثِ هٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ. سَمِعْتُ عَبْدَ بْنَ حُمَیْدٍ یَذْکُرُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ سُفْیَانَ قَالَ: قَالَ سُفْیَانُ الظَّنُّ ظَنَّانِ. فَظَنٌّ إِثْمٌ وَظَنٌّ لَیْسَ بِإِثْمٍ فَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِی هُوَ إِثْمٌ فَالَّذِی یَظُنُّ ظَنًّا وَیَتَکَلَّمُ بِهٖ وَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِی لَیْسَ بِإِثْمٍ فَالَّذِی یَظُنُّ وَلَا یَتَکَلَّمُ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گمان سے (یعنی مسلمانوں پر بدگمانی کرنے سے) بچتے رہو کیونکہ گمان بہت جھوٹی بات ہوتی ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبد بن حمیدؒ سے سن لیا ہے کہ وہ حضرت سفیانؒ کے بعض شاگردوں سے نقل کرتے تھے کہ حضرت سفیانؒ نے کہا ہے کہ گمان (یعنی بدگمانی) دو قسم پر ہوتی ہے۔ایک قسم کی بدگمانی گناہ ہے اور دوسری قسم کی بدگمانی وہ ہے جو کہ گناہ نہیں ہے۔پس وہ بدگمانی جو گناہ ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی بدگمانی بھی کرے اور پھر اسے زبان سے بیان بھی کرے۔اور وہ بدگمانی جو کہ گناہ نہیں ہے۔وہ یہ ہے کہ کوئی شخص بدگمانی تو کرے (لیکن صرف دل میں آجائے) اور اس پر زبان سے تکلم نہ کرے۔

توضیح وتشریح :

کسی کے بارے میں بدگمانی قائم کرنے اور غلط اندازہ اور تخمینہ لگانے کی مذمت بیان ہو رہی ہے' کسی مسلمان کے بارے میں قرائن وغیرہ کی بناء پر بدگمانی قائم کرنا گناہ ہے۔مثلاً اس آدمی نے زنا کیا۔یہ اس طرف سے آیا' اس طرف تو شراب خانہ ہے' اس نے شراب پی لیا۔یہ اس طرف جا رہا ہے تو چوری کے

لئے جارہا ہے۔اس قسم کے خیالات اگر صرف دل میں گزر جائیں تو حسب تفصیل بالا اس کا گناہ نہیں ہے۔ لیکن اگر دل اس پر مکمل یقین کرلے یا زبان سے اس گمان کو بیان کرے تو یہ جرم ہے اور حرام ہے۔

علاوہ ازیں اعتقادیات کے بارے میں اگر کسی کو گمان ہو جائے۔مثلاً توحید‘رسالت‘ختم نبوت‘ بعث بعد الموت وغیرہ ان اعتقادیات کے بارے میں اگر کسی کو بدگمانی ہو جائے اور شک پیدا ہو جائے تو یہ بھی خطرناک ہے‘اس سے اجتناب لازم ہے۔استقرار قلب کے بغیر اگر کچھ اس قسم کے خیالات دل میں گزر جائیں تو یہ مضر نہیں۔بلکہ یہ وسوسہ ہے اور وسوسہ کو ایمان کی علامت کہا جاتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر قسم کا گمان حرام اور گناہ نہیں ہے۔جیسا کہ روایت میں حضرت سفیان کی تفصیل ذکر ہوئی۔نیز آیت کریمہ میں بھی بعض قسم کے گمان کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔آیت کا مفہوم اس طرح ہے۔ اے ایمان والو بہت (قسم کے) گمانوں سے بچو! کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے۔(الآیۃ)

فإن الظن اكذب الحديث.

کیونکہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔کیونکہ عام جھوٹ وہ ہوتا ہے کہ جو بات خلاف واقع ہو اور جب پتہ چل جائے کہ یہ بات جو ہوئی تھی واقع کے خلاف تھی۔تو اس کی تردید خود بخود ہو جائے گی۔ لیکن گمان کی صورت میں کسی چیز کے واقع ہونے کا سرے سے ذکر نہیں بلکہ ویسے ہی خیالات اور گمان کو ایمان کا درجہ دیا گیا ہے۔تو اس کی تردید مشکل ہے۔نیز کہنے والا بھی خلاف واقع بات کرنے سے ڈرتا ہے۔کہ اگر ثابت ہو جائے کہ میری بات خلاف واقع ہے تو قلعی کھل جائے گی۔اور میں شرمندہ ہوں گا اور مظنون چیز کو بیان کرنا کہ مثلاً میرا گمان ہے کہ فلاں نے زنا کیا (والعیاذ باللہ) تو اس کی تردید کرنے والا زیادہ عار اور ڈر محسوس نہیں کرتا۔اس وجہ سے جزمی باتوں کی بنسبت ظنی باتوں میں جھوٹ اکثر بولا جاتا ہے۔اس وجہ سے اس کو اکذب الحدیث کہا گیا۔

☆

٥٦ : باب مَا جَاءَ فِي الْمَزَاحِ

رسول اللہ ﷺ کی خوش طبعی کا بیان

○ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَضَّاحِ الْكُوفِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى إِنْ كَانَ لَيَقُولُ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ.

○ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَأَبُو التَّيَّاحِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ الضبعي .

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بہت ہی میل ملاپ رکھتے تھے، یہاں تک کہ میرے ایک چھوٹے بھائی سے فرمایا کرتے تھے کہ اے ابوعمیر! نغیر (بلبل) کا کیا ہوا؟

دوسری حدیث بھی متناً اور سنداً پہلی حدیث کی طرح ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں پہلے دو راوی ادل بدل ہیں (پھر حضرت شعبہ تا آخر میں شریک ہیں)۔پہلی حدیث کو امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن الوضاح کوفیؒ سے اور انہوں نے عبداللہ بن ادریسؒ الخ سے نقل کیا ہے۔اور دوسری حدیث کو امام ترمذیؒ نے ھنادؒ سے اور انہوں نے وکیعؒ الخ سے روایت کیا ہے۔

توضیح وتشریح :

مزاح کے معنی ہے خوش طبعی۔ ہماری اصطلاح میں مذاق (قاف کیساتھ) کہا جاتا ہے۔تاہم اصل میں یہ مزاح ہے۔لیکن ہمارے معاشرے میں جس چیز کو مذاق کہا جاتا ہے وہ اور بکواس الفاظ میں کچھ نرمی اور شدت کے فرق کے ساتھ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔کیونکہ مذاق کے ساتھ بے ہودہ گوئی کسی کی تذلیل وتحقیر اور دروغ گوئی وغیرہ منکرات کی ملاوٹ ذہن میں ضرور آجاتی ہے۔اور اس قسم کا مذاق شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

کثرتِ مذاق کے مضرات :

نیز زیادہ مذاق کرنا اور اس کو عادت اور مداومت کے طور پر کرنا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ ہنسی کا سبب بنتا ہے اور حدیث میں ہے کہ زیادہ ہنسنے سے قساوت قلب (دل کا سخت ہونا) پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز اسکی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین کی فکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اسمیں کسی کی ایذا رسانی یا کسی کی تحقیر و تذلیل بھی ہوتی ہے جو کہ گناہ بھی ہے اور اس سے بغض و کینہ بھی دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے جو کہ بہت سے دینی و دنیوی فسادات کا باعث بن سکتا ہے۔ نیز اس سے انسان کا رعب اور وقار بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کثرتِ مذاق بھی بہر صورت ناجائز ہے۔ بعض لوگ ہنسی مذاق کو اپنا مشغلہ اور پیشہ بناتے ہیں۔ جیسا کہ پشتو زبان میں "میراوس" اور اردو زبان میں "معین اختر" وغیرہ قسم کے لوگ مشہور ہیں۔ اس قسم کے بےہودہ گوئی اور دروغ گوئی پر مشتمل کثرت مذاق کا کتنا وبال ہوگا؟ بعض روایات میں یہ مضمون ذکر ہے کہ زبان سے بُری باتیں اور ہفوات بولتے رہنا بہت ہی سہل اور آسان کام ہے اور اس میں کچھ مشقت اٹھانا نہیں پڑتی۔ لیکن اس کی لغزشوں اور گناہوں کا بوجھ بہت بھاری اور خطرناک ہے۔ ناعاقبت اندیشی میں زبان سے گوناگوں ہفوات نکالنا قیامت کے دن کا بہت بڑا خسارہ ہے۔ **(اعاذنا الله تعالیٰ منها)** (آمین) ع وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا

حضور ﷺ کا مزاح :

ہاں جناب رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی اور شاذ و نادر ظرافت اور خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ اور اس میں کسی قسم کی بےہودہ گوئی اور منکرات نہ ہوتے تھے۔ بلکہ وہ ظرافت اور خوش طبعی بھی ہزاروں دینی فوائد اور حکمتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بہت ہی رعب اور جلال عطا فرمایا تھا۔ ایک حدیث میں ہے : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ۔ (الحدیث) یعنی ایک مہینے کی مسافت کے اندازے پر اللہ نے رعب سے میری مدد فرمائی ہے۔ بقدر ایک مہینہ کی مسافت دور تک دشمن آپ ﷺ کے رعب سے کانپتے تھے۔ نیز احادیث میں ہے کہ جب کوئی آپ ﷺ کو پہلی نظر دیکھ لیتا تو اس پر رعب طاری ہو جاتا تھا، اور جب قریب آ کر آپ ﷺ سے کلام کرتا تو آپ کو بہت ہی مہربان اور سراپا رحمت

پاتا۔ بہرحال حضور اکرم ﷺ کبھی کبھی مخاطبین کی مؤانست پیدا کرنے اور ان میں محبت والفت پیدا کرنے کے لئے اپنے رعب وجلال کے مقام سے کچھ تنزل فرمایا کرتے تھے۔ تا کہ کوئی آپ ﷺ کو محض ایک ہیبت ناک اور دہشت ناک شخصیت تصور نہ کرے۔ اور اس وجہ سے لوگ آپ ﷺ سے ضروری استفادہ کرنے میں جھجک محسوس کر کے محروم نہ رہیں۔

حاصل یہ کہ مزاح اور خوش طبعی میں جب افراط نہ ہو اور عادت و دوام کے طور پر بھی نہ ہو اور ہر قسم کے منکرات سے بھی خالی ہو۔ اور اس میں مخاطبین کے ساتھ انس پیدا کرنے اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کی مصلحت بھی موجود ہو تو یہ عمل مسنون اور مستحب ہے اور ایک امیر' لیڈر اور داعی کے لئے اس امر کی بہت ہی ضرورت ہوتی ہے۔

ان کان رسول اللّٰہ ﷺ لیخا لطنا حتی الخ: یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بہت ہی بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے گھر کے بچوں کے ساتھ بھی خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ اور ان سے ان کے پرندوں کے احوال تک پوچھا کرتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی سے فرمایا:

یا أبا عمیر مافعل النغیر: یہ حضرت انسؓ کا اخیافی (ماں شریک) بھائی تھا جو کہ چھوٹا تھا اور اس نے ایک پرندہ پال رکھا تھا۔ **نغیر:** چڑیا یا اس کے ہمشکل پرندہ کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ اس کو بلبل کہتے ہیں۔ دوسری روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس بچے کا یہ پرندہ مر چکا تھا۔ حضور ﷺ کا مقصد اس کلام سے اس بچے کو تسلی دینا تھا کیونکہ وہ اس کے مرنے کی وجہ سے غمگین تھا۔ حاصل یہ کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی بچوں کے ساتھ خوش طبعی کرتے تھے۔ لہٰذا کبھی کبھار اپنے بچوں' خادموں' شاگردوں اور دوستوں کے ساتھ ظرافت اور خوش طبعی کرنا بھی چاہیے۔ لیکن اس میں بے ہودہ گوئی' دروغ گوئی اور غیر مہذب الفاظ نہ ہوں۔

بچوں کو کنیت سے یاد کرنا اور پرندوں کا پالنا جائز ہے:

یا أبا عمیر مافعل النغیر الخ: اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو اسم کنیہ کے ساتھ پکارنا

جائز ہے۔ جیسے 'ابونقط' ابو بیاض' ابوسواد' ابوتراب وغیرہ' حالانکہ وہ چھوٹا بچہ کسی کا باپ نہیں ہوسکتا۔ ایسے مقامات پر عموماً ''ابو'' بمعنی صاحب کے آتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندوں کا پالنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کا پورا خیال رکھا جائے اوران کے پالنے اور رکھنے کیلئے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے جس سے انکی تعذیب ہوتی ہو۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینہ کا حرم' مکہ کی طرح نہیں ہے یعنی حرم مدینہ کا شکار جائز ہے' بخلاف حرم مکہ کے کہ اس کا شکار جائز نہیں ہے۔

تنبیہ :

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابوالعباس احمد بن ابی احمد الطبری الشافعیؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء میں لکھا ہے کہ بعض لوگ محدثین پر اس حدیث أبی عمیر کی وجہ سے عیب لگاتے ہیں اور طعن کرتے ہیں کہ محدثین ایسی چیزوں کو بھی روایت کرتے ہیں کہ جسمیں کوئی فائدہ نہ ہو۔ (یعنی محدثین نے اس حدیث کو نقل کر کے عبث کام کیا ہے اور اس کو نقل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے) حالانکہ یہ صاحب نہیں سمجھتا کہ اس حدیث میں فنون ادب اور فقہ کے ساٹھ (۶۰) مسائل ذکر ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے ان ساٹھ مسائل کو بسط وتفصیل کیساتھ ذکر کیا ہے۔ تو میں (صاحب الفتح) نے ان تمام مسائل کو تلخیص واختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعد میں ان فوائد ومسائل پر میں نے جو کچھ مجھے میسر ہوا اس کا اضافہ بھی کیا ہے۔ پھر حافظ ابن حجرؒ نے وہ تلخیص اور اضافہ سب کچھ تحریر فرمایا ہے جو تفصیل دیکھنا چاہتا ہو تو ''باب الكنية للصبي قبل أن يولد له'' کے تحت حضرت انسؓ کی اس حدیث کی تشریح کی طرف رجوع کرلیں۔ (از تحفۃ الاحوذی) الغرض جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک مختصر سا جملہ جو کہ آپ نے ایک بچے کیساتھ ظرافت اور خوش طبعی کے طور پر ارشاد فرمایا تھا۔ اس سے بھی سو کے قریب احکام' مسائل اور فوائد مستفاد ہوتے ہیں......

بأبي وأمي ناطق في لفظه ثمن تباع به القلوب وتشترىٰ

ترجمہ : میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کہ آپ ﷺ کی گفتگو ایسی قیمتی ہے کہ اسکے ذریعہ دلوں کو مول لیا جا سکتا ہے۔

o　حَدَّثَنَا العَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ الْبَغْدَادِيُّ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَمَعْنَى قَوْلِهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا إِنَّمَا يَعْنُوْنَ إِنَّكَ تُمَازِحُنَا.

ترجمہ :حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ: صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ: کیا آپ ہمارے ساتھ مزاح کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں صرف حق ہی کہتا ہوں...... یہ حدیث حسن ہے۔ اور یہ قول: انک تداعبنا اس کا معنی ہے انک تمازحنا یعنی کیا آپ ہمارے ساتھ مزاح کرتے ہیں الخ

توضیح وتشریح :

انک تداعبنا: یہ دعابة سے ماخوذ ہے اور اسکا معنی ہے مزاح کرنا۔ صحابہؓ کا مزاح کے بارے میں پوچھنے کا سبب یہ ہے کہ بعض روایات میں اس سے منع بھی آیا ہے اور کبھی کبھی حضور ﷺ سے مزاح کی بات سننے میں آتی۔ تو انہوں نے سوال کیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: لااقول إلاحقا. یعنی میں اگر کوئی بات مزاح کے طور پر کرتا بھی ہوں تو وہ حق اور سچ بات ہوتی ہے۔ یعنی منع کا محمل یہ ہے کہ مزاح میں بے ہودہ گوئی، جھوٹ، تذلیل وتحقیر وغیرہ شامل ہو یا مزاحیہ باتیں کثرت سے ہوں اور جب مزاح تمام محظورات سے خالی ہو اور حق وصدق پر مشتمل ہو، شاذونادر ہو اور حاضرین ومخاطبین کی دلجوئی اور مؤانست وغیرہ مصالح اس میں ہوں تو یہ مزاح صحیح اور جائز ہے۔

اس قبیلے سے ہے وہ روایت جس میں رسول کریم ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ ''بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی'' تو وہ عورت روتی ہوئی واپس جانے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے یہ آیت سنادیں: ''اِنَّا اَنْشَانَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا'' (الآیۃ) یعنی ہم ان عورتوں کو ایک نئی تخلیق سے پیدا کردیں گے اور انہیں کنواریاں بنادیں گے۔'' یعنی جنت میں دخول کے وقت وہ بوڑھی نہیں رہیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو کنواری لڑکی بنا کر جنت میں داخل فرماوے گا۔

○ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ إِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ أَنَّهُ يُمَازِحُهُ.

ترجمہ : حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان الفاظ سے مخاطب کیا: "یَا ذَاالْاُذُنَیْنِ" اے دو کانوں والا: محمود کہتے ہیں کہ ابو اسامہ فرماتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت انسؓ کے ساتھ مزاح اور خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔

توضیح وتشریح:

یَاذَا الْاُذُنَیْنِ: اے دو کانوں والا! یہ بھی حضور ﷺ کی مزاحیہ باتوں میں سے ایک ہے۔ امام ترمذیؒ اور ان کے شیوخ میں سے ابو اسامہ نے بھی یہ معنی مراد لیا ہے کہ یہ جملہ حضورؐ نے خوش طبعی کے طور پر ارشاد فرمایا: اور یہ سچ اور حقیقت ہے کیونکہ ہر آدمی عموماً دو کانوں والا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مزاح اور خوش طبعی کا پہلو بھی خوب نمایاں ہے۔ جیسا کہ ہماری اصطلاح میں بھی بچوں کے ساتھ لوگ اس قسم کی مزاحیہ بات کرتے ہیں کہ مثلاً عامر بچہ! بھلا تجھ کو پتہ ہے کہ تیرے باپ کا سر دونوں کانوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ نہیں! تیرے باپ کا سر دونوں کانوں کے درمیان پھنسا ہوگا' میرے باپ کا نہیں۔ یہ کہتا ہے کہ قسم سے کہتا ہوں کہ میں نے خود تمہارے باپ کا سر دونوں کانوں کے درمیان دیکھا۔ وغیرہا اور بعض کے نزدیک "یَا ذَا الْاُذُنَیْنِ" کہنا مزاح کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ یہ حضرت انسؓ کو اچھے طریقے سے بات سننے اور ماننے کی ترغیب اور تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا۔ یعنی اے دو کانوں والا' جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے سننے کیلئے دو کان دیئے ہیں۔

پھر بھی اگر تم نے دین اور نصیحت کی بات نہ سنی اور اس پر عمل نہ کیا تو کل قیامت کے دن تیرے لئے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ دو (۲) کان سننے کے لئے ہیں ان سے صحیح فائدہ اٹھالو۔ یا اس میں حضرت انسؓ کی اطاعت گزاری' وفا شعار اور فرمانبردار ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

○ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا

اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ : حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے سواری طلب کی۔تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا۔تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ﷺ اونٹنی کے بچے سے میں کیا کروں گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اونٹوں کو اونٹنیاں نہیں جنتیں؟ (کیا تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے نہیں ہوتے)؟ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

توضیح وتشریح :

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک آدمی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی سواری دے دے یعنی کوئی اونٹ گھوڑا وغیرہ دیدے تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے کی سواری مہیا کروں گا۔تو وہ بولا! اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! اونٹنی کے بچے سے میں کیا کروں گا۔ کیونکہ بچہ اس کے خیال میں صرف چھوٹے کو کہا جاتا تھا۔اور چھوٹا بچہ تو سواری کے قابل نہیں ہوتا۔اس وجہ سے اس نے شکوہ کے طور پر کہا کہ میں بچے سے کیا کروں گا۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اونٹ' اونٹنیوں کے بچے نہیں ہوتے؟ یعنی اونٹ خواہ بڑا ہو یا چھوٹا' ہر ایک اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔پھر پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ اور اس کلام میں اس آدمی کو تنبیہ دینا بھی مقصود ہے کہ اگر تو نے تھوڑا تدبر کیا ہوتا تو تجھے یہ کہنا نہ پڑتا کہ "بچے سے میں کیا کروں؟" لہٰذا جب کوئی بات سن لے تو اس کو رد کرنے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ اس کے معنی میں ذرا غور اور تدبر کرے اور اس کے اصل مفہوم اور مقصد سمجھنے کی کوشش کرے۔جلد بازی سے اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔جو بعد میں پریشانی اور پشیمانی کا سبب بن سکتا ہے۔

☆

۵۷ : باب مَا جَاءَ فِی الْمِرَاءِ

جدال اور بحث کا بیان

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ اَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ وَرْدَانَ اللَّيْثِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا هَذَا الْحَدِيثُ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ وَرْدَانَ عَنْ أَنَسٍ.

ترجمہ : حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹی بات کہنا چھوڑ دیا' حالانکہ وہ جھوٹ کہنا باطل ہو (یعنی جھوٹ کہنے کی کوئی جائز صورت نہ ہو) تو اس کیلئے جنت کے مضافات میں ایک محل بنایا جائے گا۔اور جس نے جدال اور بحث کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ سچا اور حق بات کہنے والا ہو تو اس کے لئے جنت کے وسط (درمیان) میں محل بنایا جائیگا۔اور جس نے اپنے اخلاق کو عمدہ بنایا تو اس کے لئے جنت کے بالائی حصہ میں محل بنایا جائے گا۔یہ حدیث حسن ہے۔ہم "مسلمہ بن وردان عن انس" کی حدیث کے علاوہ اس حدیث کو نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح :

بحث ومناظرہ کا حکم : مراء کا معنی ہے بحث مباحثہ اور مناظرہ کرنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے : "فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا" (الایۃ) یعنی اے پیغمبر ﷺ ! آپ ان اصحاب کہف کے بارے میں ان اہل کتاب کے ساتھ صرف ظاہری اور سرسری بحث کے علاوہ مزید بحث وجدال نہ کریں۔یعنی ان کے متعلق جو اہم باتیں قرآن کریم میں آپ کو بیان ہوئی ہیں وہی ان کو صاف صاف بتلا دیں باقی غیر ضروری معلومات کے بارے میں ان سے نہ اُلجھیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' (الآیة) یعنی ان کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے بحث کرو۔ یعنی حق کی وضاحت کے لئے خلوص نیت کیساتھ بحث و مناظرہ اور مباحثہ کرنا درست اور جائز بلکہ ضروری ہے۔ جبکہ اس نیت سے ہو کہ حق جس جانب میں بھی ہو' صاف اور واضح ہو جائے اور اس کی تابعداری کی جائے اور اگر حق کی وضوح اور پہچان مقصود نہ ہو بلکہ بہر صورت اپنی بات منوانی ہو' حق بات کے لئے انقیاد کو تیار نہ ہو تو پھر بحث کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ اس صورت میں حق بات کو کھل کر بیان کر کے اس پر اکتفا کیا جاوے اور کسی سے بحث و مناظرہ نہ کرے۔ کتمان حق بھی نہ کرے اور بے جا بحث و مناظرہ اور جدال سے بھی پرہیز کریں۔

من ترک الکذب وهو باطل بُنی فی ربض الجنة :

وهو باطل: یہ جملہ حال واقع ہوا ہے الکذب' سے یعنی حالانکہ یہ جھوٹ باطل اور ناجائز ہو۔ یعنی ان استثنائی صورتوں میں سے نہ ہو جن میں کسی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولنا جائز ہو۔ مثلاً کفار کے ساتھ جنگ و جہاد میں کسی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے درمیان صلح کرنے کیلئے بھی جھوٹ بولنا جائز ہے۔ یعنی جواز کی صورتوں میں کوئی صورت نہ ہو بلکہ باطل اور ناجائز جھوٹ کو کوئی ترک کر دے تو اس کیلئے جنت کے کناروں اور اطراف میں ایک محل اللہ تعالیٰ بنائے گا۔

فی ربض الجنة : ربض: فتحتین کے ساتھ جنت کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو جنت سے باہر تو نہ ہو بلکہ جنت کے اندر ہو' لیکن درمیان سے دور اس کے اطراف اور کونوں میں ہو' پس کسی ایسی جگہ پر اس آدمی کے لئے محل تیار کیا جاوے گا۔ شہر کے وسط کے حصہ بڑا اہم ہے۔

بلافائدہ بحث وجدال سے اجتناب، باعث اجر وثواب ہے:

ومن ترک المراء وهو محق بنی له فی وسطها : اور جس نے بحث و مناظرہ کو چھوڑا حالانکہ وہ سچا ہو اور حق بات ثابت کرنے والا ہو۔ یعنی غلط بات پر ڈٹ جانے والا نہ ہو بلکہ وہ بحث و مناظرہ

اور جدال اس لئے کرتا ہو کہ حق ثابت ہو جائے۔لیکن مقابل میں ایسا بدفہم اور ہٹ دھرم آدمی ہے کہ وہ ضد وعناد پر قائم رہتا ہو اور حق پر آمادہ ہونے کیلئے اس سے کوئی امید نہ ہو تو پھر حق بات کو اس کے سامنے واضح بیان کر کے اس کے ساتھ مزید الجھنے اور بحث کرنے سے پہلو تہی کرے تو ایسے آدمی کیلئے جنت کے درمیانی حصہ میں اللہ تعالیٰ محل بنائے گا۔لیکن حق بات کو پوری وضاحت کیساتھ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ کسی پر کچھ اخفاء نہ رہے البتہ اس قسم کے جاہل لوگوں کیساتھ بحث ومباحثہ سے گریز کرے کہ اس سے نقصان اور فساد ہی پھیل جاتا ہے۔اور فائدہ نہیں ہوتا۔

تعلیم تزکیہ اخلاق:

ومن حسن خلقه بنى له فى أعلاها : اور جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنایا تو اس کے لئے جنت کے اعلیٰ مراتب میں محل بنایا جائیگا۔جیسے شہروں میں کچھ حصے اعلیٰ ترین طبقہ کے ہوتے ہیں جسے اشرافیہ اور پوش علاقے کہا جاتا ہے۔

یعنی اخلاق حسنہ سب سے بڑی چیز ہے۔اور جب اخلاق درست ہو جائیں تو یہ جزوی باتیں خود بخود ٹھیک ہو جاتی ہیں۔اخلاق جب اچھے ہوں تو جھوٹ سے بھی آدمی اجتناب کرے گا۔بے موقع جدال اور بحث ومناظرہ سے بھی پرہیز کرے گا۔اچھے اخلاق ہی تمام برائیوں سے روکنے والی چیز ہے اور تمام نیک اعمال کی کنجی ہے۔اس وجہ سے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق کو درست اور صحیح بنایا تو اس کے لئے جنت کے اعلیٰ اور بالائی حصوں میں محل تیار ہوگا۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت کے ساتھ درست اور صحیح بنایا جا سکتا ہے۔اس لئے علم تصوف اور اصلاح باطن کو تزكية الاخلاق کہا جاتا ہے۔اور احادیث میں اخلاق کی درستگی کے لئے دعائیں تعلیم دی گئی ہیں مثلاً:

"اَللّٰهُمَّ حَسِّنْ خُلُقِيْ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ "۔اے اللہ میرے اخلاق کو بھی ایسا درست فرمادے جیسا کہ تو نے میری شکل وصورت کو اچھا اور درست فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا فَضَالَةُ بْنُ الْفَضْلِ الْكُوفِيُّ ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ ابْنِ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا هَذَا الْحَدِيثُ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ تو ہروقت جھگڑتا رہتا ہو'' یہ حدیث غریب ہے۔ہم اسے اس کے علاوہ دوسرے طریق سے نہیں پہچانتے ہیں۔

توضیح وتشریح :

کثرت مناظرہ وجدال جرم اور وبال ہے: اس حدیث میں کثرت جدال' مخاصمہ مناظرہ اور بحث ومباحثوں کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جدال ومناظروں کی عادت ڈال کر کثرت سے مخاصمے اور مناظرے کرنا اور ہروقت بحث ومباحثے میں الجھے رہنا خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔پس اگر کسی کو ہروقت بحث مباحثوں' جھگڑوں اور مناظروں کی عادت ہو اور وہ ہروقت جدال ومخاصمت کی حالت میں رہتا ہو تو وہ اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ میں تو شراب نہیں پیتا ہوں' چوری اور ڈکیتی نہیں کرتا ہوں' قتل' زنا اور فحاشی وغیرہ سے دور رہتا ہوں لہٰذا میرا تو کوئی بڑا جرم اور گناہ نہیں ہے۔وہ اس غفلت اور بے فکری میں نہ رہے کیونکہ اس کے لئے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ وہ ہروقت جھگڑتا رہتا ہے۔اور کسی نہ کسی بات پر الجھتا رہتا ہے۔تو اس آدمی کے لئے اس گناہ سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے اور گزشتہ پر توبہ کرنی چاہیے۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ ثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنِ اللَّيْثِ وَهُوَ ابْنُ أَبِي سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بھائی (مسلمان) کے ساتھ مباحثہ اور جدال مت کرو اور نہ اس کا مذاق اڑاؤ۔اور نہ اس کے ساتھ ایسا وعدہ کرو جس کا تو بعد میں خلاف کرے۔...... یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اس مذکورہ طریق کے علاوہ کسی اور طریق

سے نہیں جانتے ہیں۔

توضیح وتشریح :

جدال اور غیر ضروری مباحثوں کی مذمت تو گزشتہ روایتوں میں بھی مذکور ہوئی۔ یہاں بھی اس روایت میں مسلمان کے ساتھ جدال کرنے سے منع فرمایا۔ لاتمار أخاک اپنے (مسلمان) بھائی کے ساتھ جدال مت کرو۔

و لاتمازحه: اوراس کے ساتھ مزاح بھی مت کرو۔ اس مزاح سے مراد ایسا مزاح ہے جس میں مسلمان بھائی کی ایذاء رسائی ہو یا اس میں اس کی آبرو ریزی ہورہی ہو۔ اگر اس میں ہتکِ عزت' ایذاء رسانی اور دیگر محظورات نہ ہوں' تو پھر کبھی کبھار حاضرین کی دلجوئی کی خاطر خوش طبعی کرنا درست اور جائز ہے اور اس قسم کی خوش طبعی خود جناب رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی پوری تفصیل ''باب ماجاء فی المزاح'' میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے حدیث مذکور میں جس مزاح سے مخالفت آئی ہے۔ اس کی ہم نے تعبیر ''مذاق اڑانے سے کی ہے اور کسی کا مذاق اڑانا شرعاً اور اخلاقاً ناجائز ہے۔

ایفاءِ عہد کی اہمیت :

و لا تعده موعدا فتخلفه: اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ ایسا وعدہ نہ کرو جس کی تو بعد میں خلاف ورزی کرتا ہو۔ وعدہ کی خلاف ورزی کرنا بُری عادت اور ایک مذموم صفت ہے۔ کئی صحیح روایتوں میں وعدہ خلافی منافق کی علامت قرار دی گئی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عام حالت میں وعدہ پورا کرنا مستحب ہے اور اسکو پورا نہ کرنا مکروہ ہے اور اگر اس کی نیت ایذاء رسانی کی ہو تب تو گناہ ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور بعض دیگر اسلاف کے نزدیک وعدہ کو پورا کرنا مطلقاً واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا معمول اس طرح مروی ہے کہ وہ وعدہ کرتے وقت ''عسیٰ'' یا ''انشاء اللہ'' فرمایا کرتے تھے اور اگر وعدہ کرتے وقت اس کی نیت ہی پورا کرنے کی نہ ہو تو یہ منافقت ہے اور اس قسم کی وعدہ خلافی کو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

☆

۵۸ : باب مَا جَاءَ فِی الْمُدَارَاةِ

نرمی برتنے کا بیان

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ محمود بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ: بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور میں آپ ﷺ کے پاس موجود تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو آنے کی اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی۔ پھر جب وہ نکل گیا تو میں (حضرت عائشہؓ) نے آپ سے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ آپ نے تو اس آدمی کے بارے میں وہ کچھ فرمایا جو کہ آپ نے فرمایا اور پھر بھی آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتگو فرمائی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! بے شک لوگوں میں بدترین شخص وہ آدمی ہے جسے لوگ اس کی فحش گوئی سے بچنے کی خاطر چھوڑ بیٹھیں............ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

مدراۃ: کے معنی لوگوں کیساتھ نرمی برتنا اور خوش اسلوبی سے پیش آنا تاکہ ان کے دلوں میں نفرت پیدا نہ ہو جائے۔ اگر کوئی فاسق فاجر اور بدکردار آدمی ہو تو اس کے برے اعمال کی وجہ سے دل کی محبت تو اس کے ساتھ نہ ہو، قلبی تعلق نہیں ہونا چاہیئے لیکن ظاہراً اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا، خندہ روئی سے اس کے ساتھ بات کرنا، اس کی ضیافت کرنا وغیرہ اسی کو مداراۃ کہا جاتا ہے۔ ظاہرداری اور ظاہراً خاطر مدارات کرنا درست ہے بلکہ خوش اخلاقی کا تقاضا ہے۔ اور حضور ﷺ کا اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کی ایک

وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں دین اسلام کے ساتھ محبت والفت پیدا ہو جائے۔ نیز اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ وہ بداخلاق اور سخت زبان والا ہو۔ اس کی بدگوئی سے بچنے کی خاطر اس کے ساتھ نرم گفتگو کرنا بھی جائز ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مقصد مراد لیا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا فاسق اور مبتدع جو اپنے فسق اور بدعت کا برملا اظہار کر رہا ہو تو اس کی غیبت کرنا جائز ہے اس غرض سے کہ اس کی فسق و بدعت سے لوگ واقف ہو جائیں۔ تاکہ وہ اس کو بااعتماد سمجھ کر دنیوی اور دینی نقصان میں نہ پڑ جائیں، حضرت عائشہؓ کو بھی محتاط رہنے کی تلقین کی گئی۔

ضرورت ہو تو دربان رکھنا ضروری ہے:

استأذن رجل علی النبی ﷺ: اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت دربان رکھنا درست اور جائز ہے تاکہ کوئی آدمی بلا اجازت اپنے اختیار سے اندر نہ آئے بلکہ اجازت ملنے کے بعد اندر آجائے اور حضور ﷺ کے ہاں اسکا بڑا انظام اور ٹائم ٹیبل ہوتا تھا **لکل شیء عنده عتاد** شمائل کی حدیث حسن وحسین میں بڑی تفصیل ہے۔

بئس ابن العشيرة أو اخو العشيرة :

یہ راوی کو شک ہوا ہے کہ ابن العشیرۃ فرمایا ہے یا **أخو العشيرة** معنی دونوں کے ایک ہیں۔ یعنی یہ آدمی اس قوم اور اس قبیلے میں بہت خراب آدمی ہے۔ العشیرہ قبیلہ کو کہا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** (الآیۃ) یعنی اپنے قریب کے قبیلہ والوں کو ڈرادو (اے پیغمبر ﷺ) اس سے معلوم ہوا کہ ظاہراً فاسق آدمی اور مضر آدمی کی غیبت کرنا جائز ہے۔ تاکہ لوگ اس کے فسق و بدعت اور ضرر سے باخبر ہو جائیں اور اسکے ساتھ محتاط رہیں۔

پیغمبرانہ اخلاق اور نرم گفتاری :

فألان له القول: پس رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا تقاضا تھا کہ ملاقات کے لئے آنے والے سے انبساط اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئیں۔ رسول اللہ ﷺ ابوجہل اور ابولہب کیساتھ بھی نرمی اور خوش اخلاقی سے بات کرتے تھے۔ نرم مزاجی آپ ﷺ کی طبیعت تھی۔ "**فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ**" (الآیۃ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ،

پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لئے نرم مزاج بنائے گئے ہو۔ اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے جب آپ ﷺ سے یہ پوچھا کہ اس آدمی کے بارے میں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آدمی بدترین آدمی ہے اس قبیلہ کا۔ تو پھر آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتگو کیوں کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

"یَاعَائِشَۃَ اِنَّ مِنْ شَرِّالنَّاسِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اَوْوَدَعَہُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِہٖ".

اے عائشہ! بدترین لوگوں میں سے وہ آدمی بھی ہے جسے لوگ اس کی بدگوئی اور بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں اور اس سے نفرت کرنے لگیں۔ اور اس کے قریب نہ آئیں۔ یہ بدترین ہونے کی علامت ہے۔ اچھے اخلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ کوئی آدمی چاہے نیک ہو یا بد۔ تیرے اخلاق سے متأثر ہو جائے اور تیرے ساتھ ملنے میں اسے یہ خطرہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ ملنے پر میری برائیاں طشت از بام ہو جائیں گی۔ مجھے جھڑک دیا جائے گا اور لوگوں کے سامنے میری ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تو مجھے اس کے پاس جانے سے بچنا چاہیے۔

<u>دین کے داعی:</u> اور بالخصوص داعی اور مبلغ دین کیلئے تو از حد ضروری ہے کہ وہ ایسے اخلاق سے آراستہ ہو کہ لوگ اس کے قریب آنا پسند کریں نہ کہ اس کی سخت زبانی اور بداخلاقی کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگیں۔ جیسا کہ بعض مولوی حضرات بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جب مسجد میں داڑھی مونڈھا آدمی آتا ہے تو اسکو ڈانٹتا ہے کہ نکل جاؤ داڑھی مونڈھے آدمی میرے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ تو وہ آدمی اگر اس وقت مولوی صاحب کو کچھ نہ کہہ سکتا ہو تو وہ یہ ضرور کر سکتا ہے کہ دوبارہ مسجد کی طرف نہیں دیکھے گا اور باہر لوگوں کے سامنے اس مولوی صاحب کی برائیوں کو ایک ایک کر کے گننے لگے گا۔ دین کی طرف دعوت دینے کا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ اسکو اپنے قریب لا کر اسے سمجھا دے اور کریمانہ اخلاق سے ترغیب دے۔ انشاء اللہ اس طرح اثر زیادہ ہوگا۔ اگر اس نے اس وقت عمل نہیں کیا تب بھی اس کے ذہن میں دین اسلام اور دیندار لوگوں کی عظمت پیدا ہوگی۔ اور ڈانٹنے کی صورت میں وہ الٹا اس مولوی صاحب کی برائیوں کو گننے لگے گا اور انکے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ پاک مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کریگا۔ تو اُسے دل میں اپنے جرم کا احساس دلانا اچھا ہے، بہ نسبت اس کے کہ اسکے دل میں آپکے گناہوں کے تجسس کا جذبہ پیدا ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ...... ؎

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِعُرْفٍ کَمَا اُمِرْتَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ
وَلَنْ فِی الْکَلَامِ لِکُلِّ الْاَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِنْ ذَوِی الْجَاہِ لِیْنٌ

۵۹ : باب مَا جَاءَ فِی الاقْتِصَادِ فِی الحُبِّ وَالْبُغْضِ

محبت اور نفرت میں میانہ روی کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ ثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أُرَاهُ رَفَعَهُ قَالَ: أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ .وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيث عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادٍ غَيْرِ هَذَا رَوَاهُ الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ أَيْضًا بِإِسْنَادٍ لَهُ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحِيحُ عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوفٌ.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے(اور راوی کہتا ہے) کہ میرے خیال کے مطابق انہوں نے یہ روایت مرفوعاً نقل کی ہے) فرماتے ہیں کہ اپنے دوست کے ساتھ (معمول کے مطابق 'اندازے سے) محبت کرو' ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ آپ کا دشمن بن جائے' اور اپنے دشمن کے ساتھ تھوڑی نفرت کرو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن آپ کا دوست بن جائے۔ یہ حدیث غریب ہے' ہم اسے اس اسناد کے ساتھ اس مذکورہ طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔ اور یہ حدیث ایوبؒ سے بھی اس اسناد کے علاوہ دوسری اسناد سے روایت ہوئی ہے۔ اس کی روایت حسنؒ بن ابی جعفر نے کی ہے۔ اور یہ بھی ایک ضعیف حدیث ہے' اسی اسناد سے حضرت علیؓ سے اور انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہوئی ہے۔

توضیح وتشریح:

محبت اور نفرت میں بے اعتدالی کے نتائج: اسلام ایسے توازن اور اعتدال کا مذہب ہے کہ فطری اور طبعی چیزوں میں بھی اعتدال' توازن اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے' محبت اور نفرت بھی انسان میں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ اور محبت ونفرت دو ایسی چیزیں ہیں جو کہ انسان کو اعتدال کی راہ پر مستقیم نہیں رہنے دیتی۔ بلکہ یہ انسان کو اعتدال سے نکال دیتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ "حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ"

یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ اور وہ پھر اس کی برائی کو بھلائی اور اس کے عیب کو ہُنر تصور کرتا ہے۔ اور اس کے عیوب سے وہ اندھا بہرا ہو جاتا ہے اور محبوب چیز یا محبوب فرد کو اونچے سے اونچا مقام اور مرتبہ دینے سے گریز نہیں کرتا۔ اس محبت میں غلو اختیار کرنے کی وجہ سے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو الوھیت کے مقام تک پہنچا دیا اور شرک و کفر میں مبتلا ہوئے اور جہاں بھی شرک پیدا ہوا' محبت ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے' نفرت سے شرک پیدا نہیں ہوتا' تاہم نفرت میں غلو اختیار کرنے کی وجہ سے یہودیت جیسی کفر و ضلالت پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھار محبوب چیز کو حاصل کرنے میں حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح حدود شرعیہ کو پھلانگ کر انسان گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح بغض اور نفرت بھی انسان کو راہ اعتدال سے نکال دیتی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تنبیہ فرمائی ہے: ''وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَـاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی'' (الآیۃ) یعنی کسی قوم کی دشمنی (نفرت) تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کو چھوڑ بیٹھو' عدل کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے' یعنی نفرت اور دشمنی بھی ایسی چیز ہے جو انسان کو اعتدال سے نکال دیتی ہے' اس وجہ سے تنبیہ دی گئی کہ کسی قوم کی دشمنی تم کو اعتدال کے راستے سے نہ ہٹا دے' اعتدال اور میانہ روی' دین اسلام اور ایمان کا تقاضا ہے' اس لئے قرآن و حدیث میں ان چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کہ راہ اعتدال سے ہٹانے والی ہیں۔ اور خبردار کیا ہے کہ ان چیزوں کے متعلق ہوشیار رہئے۔ اور محبت و نفرت بھی انہیں چیزوں میں سے ہیں۔ اسوجہ سے حدیث پاک میں ارشاد ہے: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ. (الحدیث) ترجمہ: یعنی جس آدمی نے محبت اللہ تعالیٰ کے لئے کی' اور نفرت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کی تو اس کا ایمان مکمل ہوا۔ کیونکہ جو محبت اور نفرت میں اعتدال پر رہا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس نے حقیقتاً راہ اعتدال اختیار کر لی ہے اور دوسرے معاملات میں بھی وہ اعتدال سے نہ ہٹے گا۔ اعتدال پر قائم رہنا ہی کامل ایمان کی علامت ہے' اور محبت اور نفرت میں حدود شرعیہ پر قائم رہنا اور ان دونوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع بنا دینا ایمان مکمل ہونے کی ضمانت ہے۔

حدیث باب میں بھی ان دونوں چیزوں کو اعتدال پر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان کے اندر

مختلف قسم کی قوتیں موجود ہیں۔قوتِ حیوانی' قوتِ شہوانی' قوتِ غضبی وغیرہ لیکن ہر وقت کے استعمال کیلئے اپنا مصرف ہوتا ہے۔اپنے صحیح مصرف میں ان کا استعمال کرنا عبادت ہے اور بے موقع استعمال کرنا ظلم وعدوان اور نفس پرستی ہے اس وجہ سے شریعت مقدسہ ان تمام چیزوں کو نفس کے جذبات کے تابع استعمال کرنے سے منع فرماتا ہے۔ بلکہ ہر قوت کے استعمال کے لئے مقام اور محل کا تعین فرماتا ہے اور ان میں اعتدال اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اقتصاد کا مطلب : الاقتصاد :

قصد سے ماٴخوذ ہے بمعنی درمیانی چال چلنے کے' قرآن کریم میں یہ مادہ کئی جگہ اسی معنی میں مستعمل ہے"وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ"(الآیۃ) "مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَّ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَايَعْمَلُوْنَ٥ وغیرہ آیات میں اسی اقتصاد اور اعتدال کی بہتری بیان کی گئی ہے"آج کل اقتصاد کو معاش اور معاشیات کا ہم معنی تصور کیا جاتا ہے۔اس میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا معنی موجود ہے کہ سرمایہ کو مناسب اندازے سے بہتر سے بہتر جگہ پر لگایا جائے۔اس میں زیادہ بخل اختیار کرنا بھی نقصان دہ ہے اور نہایت بیدردی سے خرچ کرنا بھی تباہی کا باعث بن سکتا ہے : "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا"(الآیۃ) "وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا"(الآیۃ) جیسا کہ اکثر اسلامی ممالک سرمایہ کو نہایت بے دردی سے خرچ کرتے ہیں۔فضول خرچی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر امریکہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں اور ان سے قرضے مانگتے ہیں اور بالآخر ان کے سودی قرضوں تلے دب کر محتاجی اور فقیری ان کا مقدر بن جاتا ہے' کاش کہ مسلمان قرآنی تعلیمات پر پختہ یقین رکھتے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مرحلہ میں قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے تو کبھی بھی ان کو ذلت کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔

ع خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

دوستی اور دشمنی میں حد سے نہ بڑھو: أحبب حبيبك هوناً ما الخ :

یعنی اپنے دوست کے ساتھ دوستی کرو' ایک حد میں رہ کر' سوچ اور احتیاط کیساتھ' جذبات میں آ کر دوستی

میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ اور دوست پر ضرورت سے زائد اعتماد مت کرو' گھر کے اندرون اور بیرون تمام اسرار اور پوشیدہ راز اسکے سامنے ظاہر مت کرو' کیونکہ آج کا دوست کل کو دشمن بھی بن سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہی دوست کل کو دشمن بن گیا تو آپکے گھر کے تمام پوشیدہ چیزوں اور خفیہ رازوں سے وہ واقف ہوگا' لہٰذا اس قسم کے مختلف پہلوؤں سے آپ کو نقصان پہنچانے میں اس کیلئے کوئی مشکل نہ ہوگا' نیز اگر اسکے دل میں آپکے ساتھ خفیہ دشمنی پیدا ہوگئی اور آپ اس پر پورا اعتماد کررہے ہیں' اپنے اہل اور مال کے بارے میں بعض امور اسکے واسطے سے انجام دیتے ہو' تو ایسے حالات میں وہ آپ کو مختلف قسم کے پریشان کن اور مہلک خطرات سے دوچار کرسکتا ہے۔

اسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی حد سے بڑھنا نہیں چاہیئے' کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں' آج کا دشمن کل دوست بھی بن سکتا ہے' اگر دشمنی کی حالت میں تم نے اس کی ایذا رسانی اور اسکی بے عزتی و آبرو ریزی میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو تو دوست بن جانے کے بعد آپ اسکے سامنے پشیمان اور شرمندہ ہوں گے۔ اس لئے دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: ''وَابْغِضْ بِغَيْضِكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا'' یعنی اپنے دشمن کے ساتھ دشمنی بھی آرام سے' سوچ اور احتیاط سے کرو' جذبات میں آکر حد سے تجاوز نہ کرو' ہوسکتا ہے کہ یہ دشمن کسی دن آپکا دوست بن جائے' ہم لوگوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ معمولی فروعی اختلافات یا سیاسی اختلافات میں واقع ہو کر تمام خونی اور ایمانی و مذہبی رشتوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔

حکمت کی تعلیم:

غرض یہ کہ دوستی کی حالت میں دشمنی کی حالت کو بھی ملحوظ رکھنا اور دشمنی کی حالت میں دوستی کی حالت کو بھی ملحوظ رکھنا' نیز مالداری کی حالت میں فقیری اور تنگدستی کی حالت کو اور جوانی میں بڑھاپے کو' صحت کی حالت میں بیماری کو' اور زندگی میں حالتِ موت کو ملحوظ رکھنا وغیرہ' یہ وہ حکمت اور دور اندیشی کی باتیں ہیں جنہیں امت کو سکھانے کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں: ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' اور آپ ﷺ نے کھل کر واضح الفاظ میں انہیں بیان کر کے اپنی رسالت اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

٦٠ : باب مَا جَاءَ فِی الْکِبْرِ

تکبر کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِیُّ اَخْبَرَنَا أَبُوبَکْرِ بْنُ عَیَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِیمَانٍ وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَکْوَعِ وَأَبِی سَعِیدٍ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ.

ترجمہ : حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر موجود ہو اور وہ آدمی جہنم میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان موجود ہو۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت سلمہ بن الاکوعؓ اور حضرت ابو سعیدؓ سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

توضیح وتشریح۔ تکبر کیا ہے: دوسروں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا نام تکبر ہے۔ نیز حق کی تردید کرنا' حق کو ٹالنا اور دفع کرنا' اور حق کو باطل سمجھنا بھی تکبر ہے' جیسا کہ آنے والی روایت میں اس کی وضاحت ہوگی۔ تکبر' نفس کی مہلک بیماریوں میں سے ایک ہے اور ایک انتہائی قبیح اخلاقی خرابی ہے' دل میں اگر یہ خرابی موجود ہے تو اس سے انسان کے بڑے بڑے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تکبر کرنے والے پر حق تعالیٰ کو غصہ آتا ہے' کیونکہ بڑائی اور کبریائی اللہ تعالیٰ کا لباس ہے (کما یلیق بشانہ) اور تکبر کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ سے اس کا لباس چھیننے کی کوشش کرتا ہے' چنانچہ ایک حدیث پاک میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ: ''کبریائی (بڑائی) میری چادر ہے۔ پس جو آدمی اس میں میرے ساتھ الجھتا ہے تو میں اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دوں گا''۔

ایک سوال اور اسکا جواب : سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تکبر تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ بھی منقول ہے

کہ " تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ " یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ پس اگر بندہ اس صفت کو اپناتا ہے تو عتاب کیوں؟ جواب یہ ہے کہ تکبر خالق کی صفتِ خاص ہے' مخلوق اسے اپنا کر درحقیقت جھوٹ بولتی ہے۔ تکبر کرنے والا دراصل جھوٹا ہوتا ہے، کیونکہ کبر اور بڑائی انسان میں ہے ہی نہیں اور یہ اپنے آپ میں بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے' تو یہ جھوٹا دعویٰ کررہا ہے' اللہ تعالیٰ کا لباس زیب تن کرنا چاہتا ہے' حالانکہ کسی دنیاوی چیف اور تھانیدار وغیرہ کا جو خاص یونیفارم ہوتا ہے' قانوناً کسی غیر آدمی کو اس یونیفارم کے پہننے کی اجازت نہیں ہوتی لہذا اگر کوئی آدمی تھانیدار نہ ہو اور تھانیدار کا لباس پہنے تو حکومت اس شخص کو گرفتار کر کے اس کو سخت سزا دے گی کیونکہ اس نے جعلسازی کی ہے۔ افسر اور چیف کا یونیفارم کسی کو استعمال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تو پھر کیسی سنگین سزا کا مستحق ہوگا وہ شخص' جو اللہ تعالیٰ کا لباس خاص اور یونیفارم کو زیب تن کررہا ہو؟ اس وجہ سے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو میرے لباس کو چھیننا چاہتا ہے تو میں اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ لہٰذا تکبر بہت بری خصلت ہے' ابلیس بھی تکبر کی وجہ سے ملعون ہوا۔ "اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (الایۃ) اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ" (الایۃ)

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

چوں دانی تکبر چرا مے کنی　　خطاے کنی وخطاے کنی

ترجمہ : غرور تکبر نے شیطان کو ذلیل وخوار کیا اور ہمیشہ لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کردیا جب اس کا انجام معلوم ہے تو تکبر کیوں کرتے ہو۔ بار بار بڑی غلطی کررہے ہو۔

انسان کس طرح تکبر کرتا ہے؟ کیا وہ اپنی اصل خلقت کی طرف نہیں دیکھتا کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک حقیر قسم کے پانی کے قطرے سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی شان سے تکبر لائق نہیں ہے۔

<u>حکایت:</u> ایک بادشاہ ایک دفعہ اپنے شاہانہ شان وشوکت میں حشم وخدم کے ساتھ کسی راستے سے گزر رہا تھا کہ اس دوران ایک مجذوب پر ان کا گزر ہوا' مجذوب اپنی حالت میں ایسا گم تھا کہ بادشاہ کی طرف ذرہ برابر التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے اس کے قریب آ کر اس سے کہا کہ اَتَعْرِفُ مَنْ اَنَا؟ تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ مجذوب نے پوری استغناء سے کہا: ہاں میں تمہیں جانتا ہوں' اَوَّلُکَ عَذْرَۃٌ وَّاٰخِرُکَ مَذْرَۃٌ".

وَ اَنْتَ تَحْمِلُ بَيْنَ ذٰلِكَ قَذْرَةً یعنی تیرا اول گندگی ہے (یعنی منی کا قطرہ) اور تیرا آخر بھی گل سڑ کر گندگی بنتا ہے۔ اور اول وآخر کے درمیان تو پاخانہ سے بھرا ہوا پھر رہا ہے۔

تکبر اور ایمان کی ایک دوسرے سے بیزاری : لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَايَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ.

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا' یعنی تکبر ایسی صفت ہے کہ ایمان کیساتھ اس کی منافاۃ ہے اور ایمان اور تکبر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس جبکہ اس کے دل میں تکبر ہے تو ایمان نہیں ہے اور جب ایمان نہیں ہے تو جنت میں کیسے داخل ہوگا؟ اس تاویل کے مطابق تکبر سے مراد ایسا تکبر ہے جو کہ ایمان لانے سے مانع ہو' پس ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان لانے سے تکبر کرتا ہو تو ایسا تکبر ذرہ برابر بھی ہو تو ایمان نہ ہوگا۔ پس جنت میں بھی وہ داخل نہیں ہو سکے گا۔

یا تاویل اس کی یہ ہے کہ اس تکبر کا بدلہ اور سزا ملنے کے بغیر وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ آج اس کے دل میں تکبر تھوڑا سا ہے لیکن یہ ایک بیج ہے جو کہ دل میں بویا گیا ہے' اگر اس کو اکھاڑ کر نہ پھینکا جائے تو یہ پھل پھول کر زیادہ ہوگا اور بالآخر اتنا زیادہ ہوگا کہ ایمان سلب ہو جائے گا تو جنت سے محروم ہوگا۔

ولایدخل النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من ایمان الخ : یعنی جسکے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو تو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا' اس دخول سے مراد بے ایمانوں اور کافروں جیسا دخول ہے' لہٰذا عصاۃ ایمان والوں کا بقدر معصیت جہنم میں داخل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ دخول ابدی دخول اور کفار کی طرح کا دخول نہیں ہے۔

○ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا

يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ. قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّهُ يُعْجِبُنِي أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبِي حَسَنًا وَنَعْلِي حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَ غَمَصَ النَّاسَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ : حضرت عبداللہؓ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو۔ اور وہ آدمی جہنم میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو۔ ''راوی کہتا ہے'' تو ایک آدمی نے کہا کہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور میرے جوتے اچھے ہوں (یعنی کیا یہ بھی تکبر ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتا ہے لیکن تکبر تو یہ ہے کہ کوئی آدمی حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

توضیح وتشریح :

یہ روایت اور گزشتہ روایت دونوں ایک جیسی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں تھوڑے سے تکبر کیلئے بطور تمثیل ''مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ'' (رائی کے دانے کے برابر) کے الفاظ مذکور ہوئے تھے اور اس روایت میں مثقال ذرة (ذرہ برابر) کے الفاظ ذکر ہوئے۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ اور دونوں قسم کے الفاظ کسی چیز کی بہت قلت اور کمی بیان کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

حبة من خردل : رائی کے دانے کو کہا جاتا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ کلونجی کو کہا جاتا ہے جس کو عربی زبان میں ''الحبة السوداء'' (کالا دانہ) کہتے ہیں اور ''ذرة'' بعض کے نزدیک چھوٹی سرخ رنگ کی چیونٹی کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک کمرے کے روشن دان میں اندر آنے والی سورج کی شعاع میں جو ہوا میں تیرتے ہوئے گرد وغبار کے اجزاء نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک جز ذرہ کہلاتا ہے۔ اردو میں بھی یہ اجزاء ذرات کہلاتے ہیں اور یہ تمام چیزیں قلت میں مبالغہ بیان کرنے کیلئے بطور تمثیل ذکر کی جاتی ہیں۔

عمدہ لباس پہننا تکبر نہیں اگر تکبر کے لئے نہ ہو :

دوسرا فرق یہ ہے کہ اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بیان ہوا ہے: فقال رجل إنه يعجبني أن يكون ثوبي حسنًا...... الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تکبر کی برائی بیان فرمائی تو

ایک صحابی نے فوراً اپنے دل کا جائزہ لے لیا' اور جان لیا کہ جیسا کہ تکبر کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ حسین منظر و ہیئت بناتے ہیں فخر وغرور کیلئے خوبصورت لباس پہنتے ہیں اور ٹھاٹ باٹ میں چلتے پھرتے ہیں۔ میرا دل بھی تو کچھ ایسا ہے کہ عمدہ اور خوبصورت لباس کو پسند کرتا ہے' جوتے اچھے ہوں تو خوش ہوتا ہے' کہیں یہ تکبر نہ ہو' تو فوراً اپنے دل کی کیفیت کو بیان کر کے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ اِنَّهُ يُعْجِبُنِیْ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبِیْ حَسَنًا وَنَعْلِیْ حَسَنًا (اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! ﷺ) مجھے بھی تو یہ پسند ہے کہ میرے کپڑے خوبصورت ہوں' میرے جوتے خوبصورت ہوں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ' وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمِصَ النَّاسَ " یقیناً اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ البتہ تکبر یہ ہے کہ کوئی آدمی حق کو ٹھکرا دے۔ اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ" يُحِبُّ الْجَمَالَ " بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے' اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرض یہ کہ جب کوئی دوسروں پر اپنے آپکو بڑا اظاہر کرنے کیلئے اور دوسروں کو حقیر سمجھ کر اچھے اور قیمتی لباس پہنتا ہو تو تب تو یہ تکبر ہے' نیز اگر اپنے حسن وخوبصورتی' شباب وجوانی اور مال ونعمت کے نشے میں مست ہو کر حق بات کے مقابلے پر اتر آیا اور حق کو ٹھکرانے لگا اور حق بات اور صحیح مسئلہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ اپنے آپکو مستغنی سمجھتا ہے اور اسکا فخر وغرور اس کو حق کیلئے منقاد ہونے نہیں دیتا' یہی تکبر ہے' پشتون قوم میں بھی یہ بیماری ہے کہ اگر صاف واضح ہو جائے کہ یہ رسم خلاف شرع ہے لیکن یہ اپنے آپکو ضرور پشتون سمجھتا ہے' اور اسکی پشتو کی روایات اس کو اسلامی روایات کے قبول کرنے سے مانع بنتی ہیں۔ یہی تکبر ہے' اگر حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو' اور لوگوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتا ہو لیکن نظافت' اور پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کیلئے عمدہ لباس پہنتا ہو' عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر بھی کمزوروں' غریبوں اور ناداروں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہو' تو یہ تکبر نہیں ہے' اگر چہ اس کو یہ پسند ہے کہ میرے کپڑے عمدہ ہوں' جوتے اچھے ہوں' مکان اچھا اور خوبصورت ہو' موٹر کار وغیرہ قیمتی ہو' یہ تکبر نہیں ہے بلکہ جسکو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت دی ہو' تو اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر اس پر ظاہر ہو۔

○ حَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ : حضرت ایاس بن سلمہ بن الأ کوع اپنے باپ (سلمہ ابن الأ کوع رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی اپنے آپ کو بلند او راونچا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جبارین میں سے لکھا جاوے گا' پھر اس کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو کہ ان (جبارین' فرعون' ھامان' قارون وغیرہ) کو پہنچ چکا تھا'۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح :

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے نفس کو بلند اور اونچا کرتا رہا اور اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دیتا رہا اور اپنے آپ کو بڑا اور محترم ومکرم سمجھتا رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نام جبارین متکبرین کے دیوان میں درج کرایا جائے گا۔ اور پھر ان جبارین فرعون ہامان اور قارون وغیرہ کو جو عذاب ملا، یہ جابر متکبر بھی اس قسم کے کسی عذاب کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ نیز آخرت میں بھی اس کا حشر ان جبارین متکبرین کے ساتھ ہوگا۔ **(اعاذنا اللّٰہ تعالی منھا)**

○ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنُ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ ثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَقُوْلُوْنَ فِيَّ التِّيهُ وَقَدْ رَكِبْتُ الْحِمَارَ وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ وَقَدْ قَالَ لِيْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ هَذَا فَلَيْسَ فِيهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْءٌ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ : حضرت نافع بن جبیر بن مطعم اپنے باپ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں' کہ وہ کہا کرتے تھے' کہ لوگ کہتے ہیں کہ میرے اندر تکبر موجود ہے' حالانکہ میں تو ایسا ہوں کہ میں گدھے کی سواری کر چکا ہوں' پھٹے پرانے کپڑے پہن چکا ہوں۔ اور بکری کا دودھ دوہ چکا ہوں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جس نے یہ مذکورہ کام کر دیئے ہوں تو اس میں ذرہ برابر تکبر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح وتشریح :

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگوں میں کچھ ایسی طبعی صفات پائی جاتی ہیں جن پر لوگ تکبر کا گمان کرتے ہیں' مثلاً بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے' کہ اس کو خلوت اور تنہائی اچھی لگتی ہے' لوگوں کیساتھ زیادہ میل ملاپ نہیں رکھتا' بعض افراد کے چلنے میں کچھ ایسا انداز ہوتا ہے کہ بظاہر وہ فخر اور غرور معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس کی طبعی عادت ہوتی ہے۔ تکبر اور غرور نہیں ہوتا۔

اس وجہ سے یہ صحابی حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اسکے نفس میں کچھ غرور اور تکبر ہے۔ حالانکہ میں نے تو کبھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا۔ کبھی تکبر نہیں کیا۔ جس کی علامت یہ ہے کہ میں نے گدھے کی سواری کی ہے' اس سے کبھی عار نہیں سمجھا۔ پھٹے پرانے کپڑے بھی پہن لیتا ہوں، بکریوں کا دودھ دوہتا ہوں، یہ ایسے کام ہیں جن کے بارے میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کیے اس آدمی میں تکبر نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود جناب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اپنی بیویوں کیساتھ گھر کے کام کاج میں حصہ لیتے تھے' اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے۔ نیز بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا' مکان میں جھاڑو دینا' جوتے صاف کرنا' سالن پکانا وغیرہ مختلف کام خود کرنے سے سنت نبوی ﷺ بھی زندہ ہوتی ہے اور انسان کے نفس کا غرور بھی ختم ہو جاتا ہے۔

☆

٦١ : بَاب مَا جَاءَ فِی حُسْنِ الْخُلُقِ

اچھے اخلاق کا بیان

○ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِینَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِی مُلَیْکَةَ عَنْ یَعْلَی بْنِ مَمْلَکٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا شَیْءٌ أَثْقَلُ فِی مِیزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیءَ وَفِی

الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مؤمن کے ترازو (میزان) میں قیامت کے دن کوئی بھی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی سے نفرت کرتا ہے۔۔۔۔اور اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایت آئی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

خَلْقٌ ۔خاء کے فتح اور سکونِ لام کے ساتھ جسمانی ساخت اور بدن کے قدوقامت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور خُلُق۔ خاء اور لام دونوں کے ضمہ کے ساتھ یہ لفظ معنوی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صفات ودیعت فرمائی ہیں ان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس جس کے اندر اچھی عادتیں اور خصلتیں موجود ہوں تو اِسے حسن خلق کہا جاتا ہے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑی دولت دی ہے۔ اچھے اخلاق کی بدولت انسان لاکھوں کروڑوں نیکیاں کما سکتا ہے اور حُسن خلق اتنی قیمتی چیز ہے کہ قیامت کے دن میزان میں اس سے کوئی بھی چیز زیادہ وزنی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی آخری حدیث میں دو کلمات سے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، زبان پر بہت آسان اور ہلکے ہیں اور میزان میں بہت ہی بھاری ہیں (اور وہ کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ یعنی عمل چھوٹا سا ہے اور کم ہے لیکن کمائی زیادہ ہے۔ اسی طرح اچھے اخلاق بھی ہیں۔ کیونکہ خلُق حسن سے متعلق پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے اور یہ اچھے اخلاق سے ہوتا ہے۔ کسی کیساتھ نرم لہجہ میں بات کرنا۔ سائل سے نیکی کی بات کرنا، کسی کو راستہ بتلانا وغیرہ یہ معمولی سے کام ہیں، لیکن چونکہ حُسن اخلاق کا حصہ ہے اس وجہ سے اس پر اجر وثواب زیادہ ملے گا۔

اور بدزبان، فحش گو اور بے حیا آدمی کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے، کیونکہ ایسا آدمی بداخلاق ہوتا

ہے اور برے اخلاق والے سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہوتی ہے۔

حُسن خلق اور حضرت انسؓ کی حدیث :

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے آخر میں چند صحابہ کرامؓ (جن میں حضرت انسؓ بھی شامل ہیں) کے نام لے کر فرمایا کہ اس باب میں ان سے بھی روایات آئی ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت کو محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اپنی شرح میں نقل فرمایا ہے: لکھتے ہیں:

اَمَّا حَدِيْثُ اَنَسٍ فَاَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَزَّازُ وَاَبُوْ يَعْلٰى بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ وَ رُوَاتُهُ ثِقَاتٌ وَلَفْظُ اَبِيْ يَعْلٰى قَالَ: لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَاذَرٍّ فَقَالَ يَااَبَاذَرٍّ! اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَ اَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا۔ قَالَ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَطُوْلِ الصَّمْتِ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔ (از تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: اور حضرت انسؓ کی حدیث جو ہے اسے ابن ابی الدنیاؒ، طبرانیؒ، بزازؒ اور ابویعلیٰؒ نے جید اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور ابویعلیٰ کے الفاظ یہ ہیں: (حضرت انسؓ) فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ملاقات حضرت ابوذرؓ کے ساتھ ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تجھے ایسی دو خصلتوں کی نشاندہی نہ کروں کہ وہ دونوں پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں لیکن میزان میں دوسری چیزوں کی بنسبت بہت بھاری ہیں۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ ضرور بتلاویں اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اچھے اخلاق اور طویل خاموشی کو لازم پکڑو۔ پس قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کہ ان دونوں (خصلتوں) کے مثل کوئی عمل مخلوقات نے نہیں کیا۔

○ **حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ ثَنَا قَبِيْصَةُ بْنُ اللَّيْثِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ**

وَالصَّلَاةِ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ عن هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ : حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: کوئی بھی چیز جو کہ میزان (ترازو) میں (قیامت کے دن تولنے کیلئے) رکھی جاتی ہو ایسی نہیں جو کہ اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی ہو اور یقیناً اچھے اخلاق والا اس کی بدولت روزے اور نماز والے کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔

توضیح وتشریح :

اس روایت میں اچھے اخلاق کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اچھے اخلاق والے کو اللہ تعالیٰ روزہ داروں اور نمازیوں کا درجہ اور مقام عطا کر دیتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی آدمی فرض نماز نہیں پڑھتا یا فرض روزہ نہیں رکھتا لیکن وہ اچھے اخلاق رکھتا ہے۔ تو یہ آدمی فرض نماز پڑھنے والوں اور روزہ رکھنے والوں کے برابر ہوگا' نہیں' بلکہ نماز اور روزہ جیسے فرائض کو چھوڑنے والا بدترین فاسق ہے' اور طبعی خوش مزاجی سے روزے اور نماز کی تلافی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فرائض کے علاوہ بہت سے نوافل ادا کرتے ہیں اور نفل نماز اور روزہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اور ان کے ان مجاہدات کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قرب کے درجات عطا فرما دیتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ فرائض کی تو پابندی کرتا ہے' لیکن نوافل میں کوتاہی کی وجہ سے ان سابقین کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتا' تو اس آدمی نے اگر اپنے اندر خوش اخلاقی پیدا کی اور اس کے اخلاق اچھے ہوں تو اِن اچھے اخلاق کی بدولت یہ آدمی ان روزہ داروں اور نمازیوں کا درجہ پا سکتا ہے۔

احکام الٰہیہ سے منہ موڑنے والا شرعاً خوش اخلاق نہیں ہو سکتا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلہ میں محض خوش مزاجی کارآمد نہیں ہے' بلکہ شریعت کی نظر میں خوش اخلاقی ہو ہی نہیں سکتی' مگر اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پابندی کے ساتھ۔ گزشتہ تفصیل کی تائید آنے والی روایت میں "تقویٰ اللّٰہ وحسن الخلق" سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں حسن خلق سے پہلے ہی تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کا ذکر ہے اور اس باب کی آخری روایت میں جو "حسن الخلق" کی تعریف منقول ہے اس سے بھی واضح طور پر

یہی معلوم ہوتا ہے، نیز حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں جو کہ ابوداؤد نے روایت کیے ہیں :

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ. یعنی مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت رات کو نماز پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پا سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس حدیث میں نفل نماز اور نفل روزے مراد ہیں نہ کہ فرائض۔

○ **حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اخبرناعَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ ثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ: تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ قَالَ: الْفَمُ وَالْفَرْجُ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَوْدِيُّ.**

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے جنت میں لوگوں کو سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیز کے بارے میں پوچھا گیا (کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں زیادہ داخل کرنے والی ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا اور اچھے اخلاق۔ اور رسول اللہ ﷺ سے جہنم میں لوگوں کو سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' منہ اور فرج (شرمگاہ)...... یہ حدیث صحیح غریب ہے۔اور عبداللہ بن ادریس جو ہیں یہ یزید بن عبدالرحمٰن أودی کا بیٹا ہے۔

توضیح وتشریح :

تقویٰ اور حسن خلق: اس روایت میں حضور ﷺ سے جنت میں لے جانے والے اسباب کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ ان اسباب میں سب سے زیادہ مؤثر سبب اور سب سے زیادہ جنت میں لے جانے والا سبب کونسا ہے؟ تو جواب میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا' اور اچھے اخلاق' تقویٰ کا کم سے کم درجہ اور پہلا قدم یہ ہے کہ انسان شرک سے پرہیز کرے۔اور تقویٰ کے اعلیٰ درجات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔اور مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ لوگوں کی ایذارسانی سے باز رہے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو آدمی آپ کے ساتھ بدی کرے تو اس کے بدلے میں اس کے

ساتھ بھلائی کرو جناب رسول اللہ ﷺ نے اعلیٰ درجہ کے حسن اخلاق کی تربیت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ. (الحدیث) ترجمہ: قرابت کا رشتہ جوڑ رکھو اس کے ساتھ جو تیرے ساتھ رشتہ توڑ دیتا ہے اور دیا کرو اس کو جو تجھے محروم رکھتا ہے۔ اور معاف کرو اس آدمی کو جو تیرے ساتھ ظلم کرے اور بھلائی کرو اس کے ساتھ جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے .... ۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء　　　اگر مردی أحسن إلی من أساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر جوان مرد ہو تو اس کیساتھ بھلائی کرو۔ جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو۔

اس روایت میں پہلے تقویٰ اللہ کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھنا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا اور اسکے منہیات سے پرہیز کرنا' یہی تقویٰ' اصلی اور بنیادی چیز ہے' انسان کو جنت میں لے جانے کیلئے۔ نیز یہ حسن خلق کیلئے ایک شرط کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ یعنی خوش اخلاقی تب کارآمد اور رفع درجات کا سبب بن سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی اور اس کے منہیات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہو۔

بے ہودگی کا نام خوش اخلاقی نہیں ہے:

اس وجہ سے تقویٰ کے بعد حسن خلق کا ذکر فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست ہونے کے بعد مخلوق کے ساتھ بھی اسکا معاملہ صحیح خطوط پر چل رہا ہو۔ بعض لوگ خرافات بکنے کو خوش اخلاقی کہتے ہیں' جو آدمی سب سے زیادہ گالیاں دینے والا ہو اور اللہ تعالیٰ' اس کے انبیاء کرام' فرشتے اور دین اسلام وغیرہ ہر چیز سے متعلق بے ہودہ باتیں کرنے سے نہ شرماتا ہو' اس کو لوگ خوش اخلاق اور خوش مزاج کہتے ہیں۔ اور اس کے گرد جمع ہوتے ہیں' کہ یہ بہت ہی گپ شپی آدمی ہے' گپ شپ لگاتا ہے' ہنسی اور خوش طبعی کے لئے اس کے ساتھ بیٹھنا چاہیے' وغیرہ وغیرہ' حالانکہ یہ تو تقویٰ کے خلاف ہے۔ یاد رکھیں کہ فضول باتیں کرنا صحیح ایمان کی علامت نہیں ہے۔

الفاظ کفر صادر ہو جائے تو کیا کرے؟

نیز ایسی بے ہودہ گوئی میں بعض ایسے الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں جس سے ایمان سلب ہو کر آدمی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔اس کا نکاح اپنی بیوی کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے۔اس طرح اگر بیوی الفاظ کفر استعمال کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس کا نکاح اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔اس پر فوراً تجدید ایمان کرنا لازم ہو جاتا ہے' اور اس کے بعد تجدید نکاح کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے۔غفلت اور لاابالی پن اختیار نہیں کرنا چاہیے' ورنہ تجدید ایمان تو بعد میں کسی بھی وقت توبہ کرنے' اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھنے اور نماز وغیرہ ادا کرنے سے بھی ہو سکتا ہے' لیکن تجدید نکاح نہ ہونے کی صورت میں ساری عمر حرام کاری میں گزر جائے گی جو کہ اس کے خسران اور ہلاکت کیلئے کافی ہے۔

عوام کیلئے تجدید نکاح کا ایک احتیاطی مسئلہ:اس وجہ سے علامہ شامیؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بے علم عوام کیلئے احتیاط اس میں ہے کہ وہ روزانہ تجدید ایمانی کرے' نیز ہر مہینہ میں ایک دو مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ دو گواہوں کے سامنے تجدید نکاح بھی کرے کیونکہ اگر مرد سے اس قسم کی کوئی غلطی سرزد نہ بھی ہو تو عورتوں سے بہت سی ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جو کہ موجب سلب ایمان ہوں۔(ردالمحتار) جس طرح نکاح ایک دو لفظ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے اور بعض الفاظ کے ساتھ یہی نکاح ختم بھی ہو جاتا ہے' اسی طرح ایمان اور اسلام کی حالت ہے کہ کلمہ توحید پڑھنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور بعض نازیبا الفاظ نکالنے سے ایمان سلب ہو کر آدمی کافر بن جاتا ہے' زبان چلانا تو بہت ہلکا اور آسان ہے' اس کے چلانے میں آدمی کو کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی لیکن اس کے غلط استعمال کی تباہ کاریاں بہت زیادہ ہیں' اور اس کے گناہ بہت بھاری ہیں' جن پر قیامت کے دن پشیمان ہونا پڑے گا۔

اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے دوسرے جملہ میں جہنم میں جانے والی چیزوں میں سے سرفہرست دو چیزوں کو ذکر فرمایا الفم والفرج :یعنی منہ(زبان) اور فرج(شرمگاہ) چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون ذکر ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو آدمی میرے لئے دو چیزوں کا ضامن بن جائے تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں۔(اور وہ دو چیزیں یہ ہیں) ا۔ وہ عضو جو دو رانوں

کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) ۲۔ اور وہ عضو جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان)۔ جو آدمی ان دونوں اعضاء کو حرام اور ناجائز استعمال سے بچانے کی ضمانت مجھے دے دے تو میں اس آدمی کے لئے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں' یعنی اللہ تعالیٰ ضرور اس آدمی کو جنت دے گا' اور حدیث باب میں زبان کی جگہ ''فم'' یعنی منہ کا ذکر ہے اور اسمیں ذرا تعمیم موجود ہے' یعنی زبان کے جرائم' جھوٹ' غیبت' الزام تراشی اور فحش گوئی وغیرہ سے اجتناب کرنے کے ساتھ ساتھ حرام خوری سے بھی اپنے منہ کی حفاظت کرنا لازم ہے اور زبان کے جرائم کے ساتھ ساتھ حرام خوری بھی جہنم میں لے جانے کا بڑا سبب ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے نکاح کیا تو اس نے دین کا آدھا حصہ مکمل کر دیا اور باقی آدھے حصہ میں وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ علماء کرام نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ شہوت کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک فرج کی شہوت اور دوسری بطن (پیٹ) کی شہوت' نکاح کرنے سے ایک قسم یعنی فرج کی شہوت پر قابو پالیا گیا' لہٰذا اس کا آدھا دین مکمل ہوا اور دوسری قسم کی شہوت یعنی پیٹ پالنے کے لئے حرام خوری اور ناجائز ذرائع معاش اختیار کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ یعنی حرام خوری سے اپنے آپ کو بچائے تو سارا دین مکمل ہو جائے گا۔

○ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا أَبُو وَهْبٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ اَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوْفِ وَكَفُّ الْاَذَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن المبارک سے مروی ہے کہ انہوں نے حسن الخلق (اچھے اخلاق) کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ حسن خلق' خندہ پیشانی' نیکیوں کو عام کرنے اور ایذا رسانی سے بچنے کا نام ہے۔

حسن الخلق کی تعریف:

اس روایت میں امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن المبارکؒ سے حسن خلق کی تعریف اور تفسیر نقل فرمائی ہے' عبداللہ بن المبارکؒ کے نزدیک حسن خلق تین چیزیں ہیں۔(۱) **بسط الوجہ**: یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کشادہ جبیں اور خندہ پیشانی سے ملنا' ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی ایک نیکی ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کے ساتھ خندہ روئی سے مل جاؤ۔ (۲) **بذل المعروف**: ہر کسی سے نیکی کرنا اور نیکیوں کو پھیلانا اور عام کرنا' یہ بھی خوش اخلاقی کا حصہ ہے۔(۳) **و کف الأذی**: ایذاء رسانی سے باز رہنا' اور کسی کو تکلیف نہ پہنچانا' اپنے ہاتھ اور زبان کے ضرر سے لوگوں کو محفوظ رکھنا۔

٦٢ : باب مَا جَاءَ فِی الْإِحْسَانِ وَالْعَفْوِ

احسان اور معافی کا بیان

○ حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوْا اَخْبَرَنَا أَبُوأَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِی إِسْحَقَ عَنْ أَبِی الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ فَلَا يَقْرِينِی وَلَا يُضَيِّفُنِی فَيَمُرُّ بِی أَفَأُجْزِيهِ قَالَ لَا اقْرِهْ قَالَ وَرَآنِی رثَّ الثِّيَابِ فَقَالَ هَلْ لَکَ مِنْ مَّالٍ قَالَ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِیَ اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرَ عَلَيْکَ وَ فِی الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِی هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْأَحْوَصِ اسْمُهُ عَوْفُ بْنُ مَالِکِ بْنِ نَضْلَةَ الْجُشَمِیُّ وَمَعْنَى قَوْلِهِ اقْرِهِ يقول أَضِفْهُ وَالْقِرَى الضِّيَافَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوالاحوصؒ اپنے باپ (مالک بن نضلہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ: ایک آدمی ایسا ہے کہ جب میں اس پر گزرجاتا ہوں تو وہ میری مہمانی اور ضیافت نہیں کرتا ہے۔ پھر جب وہ مجھ پر گزرے تو کیا میں اس کو بدلہ دے سکتا ہوں؟ (کہ میں بھی اس کی ضیافت نہ کروں؟) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ تم اس کی ضیافت کرو (نیز مالک بن نضلہؓ نے) کہا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا ہرقسم کا مال موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ اور بھیڑ بکریاں دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس چاہیے کہ وہ مال تجھ پر دیکھا جائے۔ اس باب میں حضرت عائشہ' حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے......اور ابوالاحوص جو ہے اسکا نام عوف بن مالک بن نضلہ الجشمی ہے......اور ارشاد "اِقْرِہ" کا معنی ہے' ضیافت کرو۔ اور "قریٰ" ضیافت اور مہمانی کرنے کو کہا جاتا ہے۔

توضیح وتشریح :

یہ برّ وصلہ کے ابواب ہیں' ان میں اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کا بیان ہورہا ہے۔ اس باب میں

احسان یعنی حسن سلوک بھلائی، عفو اور درگزر کا بیان ہے کہ تیرے ساتھ کوئی آدمی احسان کرتا ہے یا نہیں کرتا دونوں صورتوں میں تم اس کے ساتھ احسان کرو۔ مہمان نوازی بھی ان اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ میں سے ایک ہے۔ اس حدیث میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ: اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ جب میں اس کے گاؤں میں گزر جاتا ہوں اور میں ان کے ہاں دیار غیر میں مہمان ہوں اور اس آدمی پر میرا یہ حق بنتا ہے کہ وہ مجھے مہمانی دے دے اور میری ضیافت کرے لیکن وہ ایسی صفات سے عاری ہو اور وہ میری ضیافت نہ کرے۔ پھر کسی موقع پر وہ آدمی ہمارے گاؤں میں ہم پر گذرتا ہے تو کیا میرے لئے یہ درست ہے کہ میں بھی اس کی ضیافت نہ کروں؟ اور اس کو جواب ترکی بہ ترکی دے کر اس سے بدلہ لے لوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں یعنی تیرے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ تم اس کی ضیافت کرو۔ یعنی مسلمان کیلئے شریفانہ اور کریمانہ اخلاق چاہئیں۔ اگر کوئی خسیس اور لئیم بن جائے تو اس کی خساست کی وجہ سے شریف کے لئے اپنی شرافت اور کریمانہ اخلاق چھوڑنا دانشمندی نہیں ہے۔ جیسا کہ پشتون قوم میں بھی بعض ایسی صفات حمیدہ ہوتی ہیں۔ جو ان کے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دوسرا آدمی انکے ساتھ بے مروتی کا مظاہرہ کرے بھی لیکن وہ اپنے خاندانی شرافت کی وجہ سے اپنی کریمانہ اخلاق اور مروت کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ پس وہ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی مروت اور شرافت سے پیش آتے ہیں۔ اپنے گاؤں میں آنے والے کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ان کی مہمانی اور ضیافت کرنا اور اپنے مہمان کی حیثیت اس کی ہر قسم کی مدد کرنا وہ اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اسلام بھی ایسے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ عفو اور درگزر سکھاتا ہے۔ لہذا اگر اس نے آپ کی ضیافت نہ کی تب بھی تم اس کی ضیافت کرو۔

ورأني رث الثياب الخ: اور جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے پھٹے پرانے اور پراگندہ کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا: کہ کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: ہر قسم کے مال موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ اور بھیڑ بکریاں دی ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ مناسب ہے کہ اس مال کا اثر تجھ پر ظاہر ہو اور وہ مال تجھ پر دیکھا جاسکے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ **فَاِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ**

عَلَيْكَ وَكَرَامَتَهٗ : یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا ہے پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا اثر تجھ پر دیکھا جائے۔ یعنی مال کی وسعت اور فراخی دینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ اس کی نعمت کو چھپایا جائے۔

تحدیث واظہار نعمت، شکر نعمت ہے :

بلکہ اس نعمت کا شکریہ ہے کہ جائز حدود کے اندر اس کو استعمال کرے اور اس کا اظہار ہو جائے۔ پس لباس ایسا پہننا چاہیے جس سے اس کی خوشحالی معلوم ہو رہی ہو اور لوگوں پر یہ بات عیاں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے۔ اور اسے وسعت اور مالداری دی ہے، پہلے بھی بعض روایات میں گزر چکا ہے کہ عمدہ جوتے اور عمدہ لباس پہننے کا نام تکبر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو جمال ہے، اور اللہ تعالیٰ کو جمال پسند ہے تکبر تو یہ ہے کہ کوئی آدمی حق کو ٹھکراتا ہو اور لوگوں کو حقیر سمجھتا ہو۔ اور آیت کریمہ میں ہے۔ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الآیۃ) یعنی زینت کا وہ لباس جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے بنایا ہے اور پیدا فرمایا ہے، کس نے حرام کیا ہے؟ نیز وہ عمدہ رزق اور کھانے کی چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تحریم اور تحلیل (حرام اور حلال بنانے) کا حق حاصل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جب ان چیزوں کو حلال فرمایا ہے۔ تو ہے کوئی اور حرام قرار دینے والا؟

پس جس کو اللہ تعالیٰ نے مال کی فراخی دی ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ لباس پہنے اور اپنی حیثیت کے مطابق نان نفقہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی دے دیا کرے۔ اپنے لئے اچھی گاڑی خریدے اور اس طرح استعمال اور ضرورت کی چیزیں اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ سے عمدہ حاصل کرے، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار اور اس کے شکر ادا کرنے کیلئے کرے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: "اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرُ". (الحدیث) یعنی جو آدمی طعام کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو وہ اجر وثواب میں ایسا ہے جیسا کہ صبر کے ساتھ روزہ رکھنے والا۔ تاہم اسراف اور غلو سے اجتناب کرے۔ مال ودولت کے نشے میں مست ہو کر حق کے مقابلہ پر نہ اتر آئے، اپنے آپ کو بلند اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے باز رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے تو یہ دین ودنیا دونوں کی بہتری ہے ....

مَاأَحْسَنَ الدِّيْنَ وَالدُّنْيَا إِذَا اجْتَمَعَا مَا أَقْبَحَ الْكُفْرَ وَالْإِ فْلَاسَ بِالرَّجُلِ

ترجمہ: کیا خوب ہے جب (کسی شخص میں) دین ودنیا جمع ہو جائیں۔اور کتنا قبیح اور برا ہے جب کفروافلاس کسی میں اکھٹے ہو جائیں۔

○ حَدَّثَنَا أَبُوْ هِشَامٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُمَيْعٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوا. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم بھولے بھٹکے نہ بنو! کہ تم کہنے لگو کہ اگر لوگ بھلائی کرتے ہیں تو ہم بھی بھلائی کریں گے۔اور اگر لوگ ظلم کرتے ہیں تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ تم اپنے آپ کو (احسان اور بھلائی کرنے پر) پابند بنادو۔(اسی طرح کہ) اگر لوگ احسان اور بھلائی کرتے ہیں تو تم بھی احسان اور بھلائی کرو اور اگر لوگ برائی کرتے ہیں تو تم ظلم مت کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اس طریق کے علاوہ دوسرے طریق سے نہیں پہچانتے۔

ہر بات میں ماحول کے ساتھ چلنا دانشمندی نہیں ہے:

توضیح وتشریح: لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً ۔ امعہ ایسے آدمی کو کہا جاتا جس کی اپنی رائے اور عقلمندی نہ ہو اور وہ کسی کام میں بھی اپنی بصیرت کے ساتھ عمل نہیں کرتا بلکہ جس نے بھی جو کچھ کہا اس کی تصدیق کر کے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ کہ بس تو نے ٹھیک کہا اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ دوسرا آدمی جب اپنی بات اس کے سامنے رکھ دیتا ہے تو یہ اس کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے یہ اسلئے اسکے اندر خود کھری کھوٹی بات پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی آدمی غلط بات کو ذرا اچھے پیرائے میں بیان کرے تو اس کو یہ غلط بات ہی اچھی معلوم ہوتی ہے اور یہ اسی کا ساتھ دیتا ہے اور اس کو امعہ بھی اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ ہر کسی کو کہتا ہے: أَنَا مَعَكَ : یعنی میں بھی تمہارے ساتھ ہوں کیونکہ اس کی اپنی کوئی رائے اور تدبیر نہیں ہوتی یا

یہ ابن الوقت ہوتا ہے مرغ بادنما بنتا ہے ہر کسی کے سامنے زمانہ سازی اور وقت گزاری کرتا ہے۔

جیسا کہ عام لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ معاشرہ اور ماحول جس طرف رواں دواں ہوتا ہے تو یہ بھی اسی طرف رخ کر کے معاشرہ کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔ اگر معاشرہ میں بہت سے بے دینی اور فحاشی کے کام رائج ہیں اور لوگوں نے انہیں قبول کرلیا ہے تو یہ بھی لوگوں کے ساتھ ہو کر انہی بے دینی اور فحاشی کے کاموں میں مصروف ہوتا ہے۔ ملک کی سیاست جس طرف رواں ہے اگر چہ بے دینی کے راستے پر چل رہی ہو لیکن لوگ اسی کا ساتھ دیتے ہیں اور وہی رخ اختیار کر لیتے ہیں جیسے ملکی سیاست نے اختیار کرلیا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں دانشمندی عقلمندی سنجیدگی اور حسن تدبیر کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہر بری بھلی کا ساتھ دے کر ماحول کے ساتھ چلنا دانشمندی نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان کے دل و دماغ میں ایسا ترازو ہونا چاہیے جو کہ ہر بات کو تول سکے کھری کھوٹی کی تمیز کر سکے۔ اور ہر اچھی بات کو اپنائے اس پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت اور ترغیب دے اور ہر بری بات اور ہر برائی سے نفرت کرے اس سے خود بھی بچتا رہے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرے۔ اگر چہ کسی برائی کو سارے معاشرہ نے اچھا تسلیم کیا ہو لیکن جب بصیرت اور دلیل کے ساتھ اس کا برا ہونا معلوم ہے تو پھر اس سے متعلق لوگوں کے پیچھے مت دوڑو بلکہ خود بھی حق پر قائم رہو اور اس کی حقیقت کو لوگوں پر واضح کر کے معاشرہ کا رخ سیدھا کرنے کی بھی کوشش کرو۔ ع پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

مولانا ابوالکلام آزادؒ اس شعر کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے ....

طبعے بہم رساں کہ بسازی بعالمے یا ہمتے کہ از سر عالم تواں گزشت

یعنی حق اور سچ بات پر استقامت اختیار کرنا چاہیے اور لوگوں کا رخ بھی اسی کی طرف پھیرنا چاہیے۔ نہ کہ باطل اور غلط بات پر لوگوں کے پیچھے دوڑے رہنا۔ پہلے مصرعہ میں امعۃ کی طرف اور دوسرے مصرعہ میں وطنوا کی طرف اشارہ ہے۔

حق اور بصیرت کی راہ پر چلنے کی تاکید:

تقولون إن احسن الناس احسنّا وإن ظلموا ظلمنا ۔ یہ امعۃ کی تفسیر و توضیح ہے۔ یعنی امعۃ

ایسے بھولے بھٹکے نہ بنو کہ یوں کہو کہ اگر لوگ احسان اور بھلائی کرتے ہیں تو ہم بھی احسان اور بھلائی کریں گے۔اور اگر لوگ ظلم کرتے ہیں تو ہم بھی ظلم کریں گے' یعنی ایسا نہ بنو کہ بس لوگوں کے پیچھے بھاگتے پھرو اور ہر برے بھلے میں دوسروں کی تقلید کرتے رہو" امعۃ" مخفف ہے۔انا مع الناس 'انا مع الناس سے کہ میں تو لوگوں کا ساتھ دیتا ہوں۔ "وَلٰکِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَکُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُ وْا فَـلَا تَظْلِمُوْا"۔ لیکن تم اپنے آپ کو احسان اور بھلائی کا پابند بنادو کہ اگر لوگ احسان اور بھلائی کریں تو تم بھلائی کرو۔اور اگر لوگ ظلم اور برائی کریں تو تم ظلم اور برائی مت کرو' یعنی حق اور سچ بات میں لوگوں کا ساتھ دو۔لیکن برائی اور ظلم میں ان کا ساتھ نہ دو۔

ہمیشہ کے لئے حق کا دامن تھامے رکھو۔ پیارے رسول ﷺ نے اس امت کو دلیل اور بصیرت کی راہ پر لانے کیلئے کن کن طریقوں سے اور کن کن الفاظ وکلمات سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے؟ جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات خود بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ نے امت مسلمہ کے ہر فرد کو ان اعلیٰ اقدار کی تلقین کی۔　ع　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

لیکن کاش کہ امت مسلمہ اپنے پیغمبر ﷺ کے پڑھائے ہوئے اعلیٰ اسباق بھول بیٹھی ہے اور ہادی عالم ﷺ کی تعلیمات اور رہنمائی سے استفادہ کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے۔امت کی انفرادی واجتماعی طرزِ زندگی جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے جتنی دور ہوتی جارہی ہے اتنا ہی امت مسلمہ کا گراف تنزل کی طرف جارہا ہے۔اور امت کو احساس تک نہیں ہوتا۔ہمیں ایک بار پھر سوچنا چاہیئے کہ ہمارے اسلاف کیسے کامیاب ہوئے اور دنیا کی قیادت انہوں نے کیسی سنبھالی۔اور پھر آج کا مسلمان کیوں تنزل کا شکار ہے۔

اور بعض نے" امعۃ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جو یہ کہے کہ اگر میرے ساتھ لوگ احسان کرتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کروں گا اور اگر لوگ ظلم کرتے ہیں تو میں بھی بدلہ میں ان کے ساتھ ظلم کروں گا' تو یہ رویہ بھی اسلامی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے' بلکہ اسلام تو اعلیٰ اخلاقیات کی تعلیم دیتا ہے' اور وہ یہ کہ احسان اور بھلائی کے بدلے میں ضرور احسان اور بھلائی ہو' لیکن کمال یہ ہے کہ برائی اور ظلم کے بدلے میں بھی بھلائی اور حسن سلوک کرو۔

٦٣: بَاب مَا جَاءَ فِی زِیَارَةِ الْإِخْوَانِ

بھائیوں (اور دوستوں) کی ملاقات کا بیان

○ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ أَبِي كَبْشَةَ الْبَصْرِيُّ قَالَا ثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ السَّدُوسِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو سِنَانٍ الْقَسْمَلِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللَّهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَأَبُو سِنَانٍ اسْمُهُ عِيسَى بْنُ سِنَانٍ وَقَدْ رَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْ هَذَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کسی مریض کی عیادت کرے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کرے تو ایک فرشتہ اس کو آواز دیتا ہے کہ تو مبارک ہو، تیرا چلنا مبارک ہو اور تو جنت میں بڑا رتبہ پاوے...... یہ حدیث غریب ہے......اور ابوسنان کا نام عیسیٰ بن سنان ہے......اور حماد بن مسلمہ نے حضرت ثابت سے انہوں نے ابورافع سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔

تیمارداری پر فرشتوں کی مبارکباد اور دعائیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت اور کسی مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات کے لئے جانے میں کتنا بڑا اجر و ثواب ہے؟ تو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ رکھنا، اور دوستوں، قریبوں، نسبی رشتہ داروں، دینی بھائیوں، روحانی رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا محبوب عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور معصوم مخلوق، فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے اور اس آدمی کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دعائیں دیتا ہے: "طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا".

اس میں دنیوی زندگی اور اخروی عیش کی بہتری کی دعائیں دی گئی ہیں۔طبت کے معنی ہیں تو مبارک ہو، تیری بھلائی ہو، تیرا عیش بہتر ہو۔وطاب ممشاک تیرا یہ چلنا مبارک ہو۔بعض کہتے ہیں کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ آخرت کے سفر کے راستے پر چلنا بہتری کیساتھ ہو۔رزائل اخلاق سے پاک ہو اور مکارم الاخلاق سے مزین ہو۔

وتبوأت من الجنة منزلًا: اور تجھے جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو۔

فرشتوں کی دعائیں حاصل کرو: اس جملہ میں آخرت میں جنت کے درجات عالیہ عظیمہ کے حاصل ہونے کی دعا ہے۔پس ذرا غور کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان کے لئے اس سے بہتر دعا کون سی ہو سکتی ہے۔کہ اس میں اس کی دنیوی عیش کے بہتر اور مبارک ہونے کی دعا ہو اور آخرت میں جنت کے اعلیٰ درجات پانے کی۔تو اگر کسی کا دل یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فرشتہ اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور بہتری کی دعا کرے تو اُسے چاہیے کہ مریضوں کی بیمار پرسی کے لئے جایا کرے۔نیز متعلقین اور دوستوں اور بالخصوص علماء اور صلحاء کی زیارت اور ملاقات کے لئے جایا کرے۔اس طرح اس کو فرشتوں کی دعائیں حاصل ہو جائیں گی جس کے مقبول ہونے کی پکی امید رکھی جا سکتی ہے۔

☆

٦٤: بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَيَاءِ

حیاء کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَعَبْدُ الرَّحِيمِ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو أَخْبَرَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي بَكْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔حیاء ایمان کا

حصہ ہے اور ایمان (یعنی اہل ایمان) جنت میں ہوگا اور بے حیائی وبد خلقی، ظلم اور بے وفائی ہے اور بے حیائی وبد خلقی کرنے والے جہنم میں ہوں گے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابو بکرۃ اور حضرت ابوامامہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔ اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

حیاء اور ایمان کا باہمی تعلق: اس باب میں حیاء کی فضیلت واہمیت بیان ہوئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے اور بعض روایات میں حیاء کو عین ایمان قرار دیا گیا ہے اور جس میں حیاء ہو، اس میں ایمان بھی ہوگا۔ تو وہ جنت میں جائے گا۔ جس میں حیاء نہ ہو، بے حیا، فحش گو اور بد خلق ہو تو گویا اس نے ایمان باللہ کا جو عدہ کیا ہے اس نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس نے بے وفائی کی، جفا کی، اور ظلم کیا، تو ایسا آدمی جہنم میں جائیگا اور بعض روایات میں یہ مفہوم بھی ذکر ہوا ہے کہ حیاء اور ایمان دونوں جڑواں ہیں جب ان میں سے ایک چلا جائے تو دوسرا بھی اسکا ساتھ دے کر چلا جاتا ہے۔ یعنی حیاء کے چلے جانے سے ایمان بھی جاتا ہے۔ پس بے حیاء آدمی میں ایمان نہیں ہوگا لہٰذا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

حیاء کیا ہے ؟

لغت میں کسی چیز کی بابت معیوب بننے کے خوف سے جو تغیر اور انکسار انسان پر طاری ہوجاتا ہے اس کا نام حیاء ہے۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں حیا اس خصلت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو قبائح سے روکنے کا باعث بنے، اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے اسے روکے۔ (تحفۃ الاحوذی)

پس اگر ذرا غور کیا جاوے تو یہی خصلت انسان کے لئے بریک کا کام دیتی ہے جب کسی گاڑی کا بریک صحیح اور مضبوط ہو تو رفتار کے دوران خطرہ سامنے آتے ہی بریک لگانے سے گاڑی کھڑی کر کے خطرے سے بآسانی بچائی جاسکتی ہے۔ اور جب کسی گاڑی میں بریک نہ ہو اور اسے رکوانے کا سسٹم خراب ہو تو وہ کسی بھی جگہ ٹکرا کر یا کسی بھی گڑھے میں گر کر تباہ ہوسکتی ہے، شرک، کفر، زنا، چوری، ڈاکہ اور دیگر منکرات اور قبائح انسان کے لئے مہلک خطرات ہیں اور اس کی ہلاکت کے گڑھے ہیں۔ انسان کے اندر حیاء کا جوہر موجود ہو تو وہ ان قبائح اور مہلک خطرات سے بچ سکتا ہے۔ اور حیاء نہ ہو تو ان میں واقع ہوکر تباہ وبرباد ہوجاتا

ہے۔لہٰذا دین کیلئے سب سے اہم چیز حیاء ہے۔حیاء نہ رہی تو دین نہیں رہتا۔اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ:
"وَاِذَا عَدِمْتَ الْحَيَاءَ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ یا اِذَالَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ" یعنی جب تونے حیا کھودی (بے حیاء ہو گئے) تو پھر جو چاہو کرو۔کیونکہ پھر تو تیرے اندر برائی اور قبائح سے رکوانے کا جو ہر ہی ختم ہوا ہے اور اب تو کسی بھی قبیح کے ارتکاب سے نہیں شرمائیگا۔

فحاشی کے سیلاب کو روکو!

اور یہی وجہ ہے کہ طاغوتی مشن کی علمبردار قوتیں مسلمانوں کو دین اور مذہب سے بیزار کرنے کیلئے یہی حربہ استعمال کررہی ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں فحاشی وعریانی عام ہوجائے' اور مسلمان مرد اور عورتیں حیاء سے عاری ہوجائیں۔اخبارات' ٹی وی' وی سی آر' اور سی ڈیز کے ذریعے فحش تصاویر اور حیاء سوز پروگرام نشر ہوتے ہیں نیز این جی اوز وغیرہ کے ذریعے مسلمانوں کو بے حیا اور فحاش بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔گویا وہ اس نکتہ کو سمجھ چکے ہیں کہ حیا نکل جانے سے دین خود بخود نکل جاتا ہے۔اس وجہ سے وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے اندر بے حیائی پھیلانے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔اور جہاں بھی ان کی چال چلی ہے تو وہاں معاشرہ بے دینی کی طرف جارہا ہے۔دوسری طرف مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا یہ عالم ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جو کہ مصداق ہیں اس قول کے کہ :

"اے طبیب جملہ علتھائے ما" جو کہ امت کے ہر مرض کے طبیب ہیں۔وہی پیغمبر ﷺ ان کو ہلاکت سے بچنے کے لئے جس زہر سے پرہیز کو لازمی قرار دے رہے ہیں' وہی میٹھا زہر مسلمان' دشمن کے ہاتھوں سے لے لے کر پی رہا ہے۔اور اس کو اپنی ہلاکت کا احساس تک نہیں ہورہا ہے۔مسلمانوں کو بیدار ہونا چاہیے اور بے حیائی اور فحاشی کا اس سیلاب سے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے تاکہ دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں جہنم سے نجات حاصل کرسکیں۔

☆

٦٥ : باب مَا جَاءَ فِی التَّأَنِّی وَالْعَجَلَةِ

وقار، تدبر اور عجلت پسندی کا بیان

○ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اخبرنا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ الْمُزَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَفِي الْبَاب عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ .

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَاصِمٍ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنجیدگی، تدبر اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں جزء ہے۔ اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت آئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

<u>سندی بحث :</u>

دوسری روایت میں بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اس لئے متن حدیث ذکر کرنے کے بجائے "نحوہ" کہہ کر اسی پر اکتفا کیا، البتہ دونوں روایتوں کی سند میں قدرے فرق ہے۔ اس وجہ سے اس کو علیحدہ روایت قرار دیا گیا۔ سند کا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے نصر بن علی سے روایت کی ہے، نیز اس روایت میں عبداللہ بن عمران اور عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان عاصم أحول کا واسطہ آیا ہے، اور دوسری روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتیبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت قتیبہ نے عبداللہ بن عمران اور حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان عاصم کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔ باقی دونوں نے ایک ہی طرح کی حدیث نقل کی ہے، لیکن آخر میں امام ترمذیؒ

نے فرمایا کہ نصر بن علی کی حدیث (یعنی پہلی روایت) صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

اس باب میں یہ بیان ہورہا ہے کہ وقار، سنجیدگی، تأمل اور تدبر کیساتھ کوئی فیصلہ کرنا، نیز اعتدال، میانہ روی حلم بردباری اور منصف مزاجی کے ساتھ کوئی کام انجام دینا کاملین کی صفت ہے اور جلدی یا عجلت پسندی بری خصلت ہے۔ پہلے والی صفات حسنہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصال میں سے ہیں اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے ہے۔

سنجیدگی تدبر، میانہ روی خصال نبوت کے اجزاء :

السمت الحسن : کا معنی ہے اچھا رویہ، بہتر طور طریقہ اور سنجیدگی۔ التؤدة اور التانی دونوں ہم معنی ہیں، یعنی کسی کام میں سوچ تدبر اور تأمل اختیار کرنا اور جلدی نہ کرنا۔

الاقتصاد : قصد سے مأخوذ ہے اور اس کا معنی ہے اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا، افراط وتفریط سے بچنا۔

جزء نبوت ہونے کی وضاحت :

جزء من اربعة وعشرين جزءًا من النبوة : اس میں دو احتمال ہیں (۱) پہلا احتمال یہ کہ ان صفات کا مجموعہ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان صفات میں سے ہر ایک صفت نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ اور اسی دوسرے احتمال کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انس کی ایک مرفوع روایت میں ہے: اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَسَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ یعنی اچھا رویہ اور سنجیدگی نبوت کا پچھتر واں جزء ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس خاص عدد کے مذکور ہونے سے مراد تکثیر ہے تحدید نہیں ہے۔

اور علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: ''وَالطَّرِيْقُ إِلٰى مَعْرِفَةِ ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَوَجْهِهٖ بِالْاِخْتِصَاصِ مِنْ قِبَلِ الرَّأْيِ وَالْاِسْتِنْبَاطِ مَسْدُوْدٌ فَإِنَّهٗ مِنْ عُلُوْمِ النُّبُوَّةِ''۔

ترجمہ: یعنی رائی اور اجتہاد کے ساتھ اس عدد اور اس کیوجہ تخصیص معلوم کرنے کے لئے راستہ

بند ہے کیونکہ یہ علوم نبوت میں سے ہے۔ (جو کہ اجتہاد سے معلوم نہیں کیا جا سکتا)

یہ جوذکر ہوا کہ سنجیدگی' تدبر اور میانہ روی نبوت کا ایک جزء ہے اس سے کیا مراد ہے' یاد رکھیں کہ اس سے یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ نبوت میں تجزی (تقسیم) آتی ہے اور یہ مراد بھی نہیں لیا جا سکتا کہ جس آدمی میں اس قسم کی صفات جمع ہو جائیں تو وہ نبی بن جائے گا۔ کیونکہ نبوت وہبی اور عطائی چیز ہے۔ اس میں انسان کے کسب وعمل کا دخل نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ خصال' خصالِ نبوت ہیں اور یہ صفات ان کے فضائل کے اجزاء میں سے ہیں لہذا ان اجزاء میں ان انبیاء کرام کی پیروی کریں تو فضائل نبوت کے بعض اجزاء تم بھی حاصل کرسکو گے۔

o **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيعٍ اخبرنا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْأَشَجِّ الْعَصَرِيِّ.**

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے (وفد عبدالقیس کے سردار) اَشج عبدالقیسؓ سے فرمایا۔ بیشک تیرے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ ایک حلم وعقل اور دوسری' وقار وتدبر اور اس باب میں اَشج عصری سے بھی روایت آئی ہے۔

وفد عبدالقیس کے رئیس :

أشج عبدالقیس: ان کا نام منذر بن عائذ بن المنذر بن الحارث بن النعمان بن زیاد بن عصر العصری أشج عبدالقیس ہے۔ یہ قبیلہ عبدالقیس کا سردار تھا۔ ان کی نگرانی میں اس قبیلہ کا ایک بڑا وفد جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا اور ان سب نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی۔ وفد عبدالقیس کا سردار بڑا عقلمند اور باوقار آدمی تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے مختصر سی مجلس میں انکی اچھی صفات کا اندازہ لگا کر "إن فيك خصلتين الخ" کے الفاظ سے ان کی تعریف فرمائی۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچ گیا' تو دوسرے لوگ جلدی کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اور اَشج ان کے سامان سفر کے ساتھ رہ گئے۔ اور سامان

سفر کو ترتیب کے ساتھ جمع کر کے رکھ دیا اور پھر سفر کی آلودگیوں سے پاک صاف ہو کر اچھے کپڑے پہن لئے اور پھر ادب کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے ان کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر قریب بٹھا دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کہ کیا تم اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرتے ہو؟ تو قوم نے ''ہاں'' میں جواب دیدیا۔ لیکن اشج (سردار) نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کسی آدمی سے اسکے دین کے بارے میں مطالبہ کرنے سے اور کوئی چیز اس پر زیادہ سخت اور گراں نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اپنی بیعت کریں گے اور قوم کی طرف بھی قاصد بھیج دیں گے' پس ان میں سے جس نے ہماری پیروی کی وہ تو ہمارا ساتھی ہے۔ اور جس نے انکار کیا ہم ان سے لڑیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **صَدَقْتَ اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہ: اَلحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ** تم نے سچ بولا۔ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ ایک عقل مندی اور دوسرا وقار۔ یعنی بے جا جلد بازی عجلت پسندی نہ کرنا۔

أناة: یعنی وقار اور سنجیدگی :

اس سے معلوم ہوا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس سے پہلے جو انتظام وغیرہ کرنا تھا ان کو مد نظر رکھا اور حلم و عقل مندی ان کی اس بات سے معلوم ہوئی کہ انہوں نے کہا کہ: دین بدلنے کا معاملہ بڑا سنگین ہے لہٰذا ہم اپنی قوم کی طرف سے بیعت نہیں کر سکتے۔ صرف اپنی طرف سے بیعت کریں گے اور قوم کو بھی قاصد بھیج دیں گے۔ اگر انہوں نے ہماری پیروی کی تو وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ اور اگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ہم ان سے لڑیں گے۔

وفی الباب عن الأشج العصری: اس باب میں اشج عصری سے بھی روایت ہوئی ہے یہ اشج عصری خود یہی وفد عبدالقیس کے رئیس ہیں۔ اپنے وفد کا واقعہ بیان کرنے میں ان سے بھی اس قسم کی روایت آئی ہے :

o **حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبِ الْمَدَنِی ُ اخبرنا عَبْدُ الْمُهَیْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیُّ عَنْ أَبِیهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ هَذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ العلم فِی عَبْدِ الْمُهَیْمِنِ**

بْنِ عَبَّاسٍ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

ترجمہ: عبدالمهيمن اپنے والد عباس سے اور وہ ان کے دادا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وقار اور سنجیدگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور بعض اہل العلم نے عبد المهيمن بن عباسؓ کے بارے میں کلام کیا ہے اور انہیں ان کے حافظہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

توضیح وتشریح: رحمانی اور شیطانی صفات :

وقار تدبر اور سنجیدگی اختیار کرنا ایک اچھی صفت ہے جیسا کہ گزشتہ روایت میں بیان ہوا کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ پس جس نے کسی معاملہ میں سنجیدگی وقار اور تدبر سے کام لیا تو یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان وانعام ہے اور اللہ تعالیٰ کے الہام والقاء اور توفیق سے ہی بندہ اللہ تعالیٰ کے اس محبوب صفت سے متصف ہوسکتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کام میں خیر وبرکت زیادہ ہوگی اور پشیمانی کی نوبت نہیں آئے گی۔

اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے ہے۔ یعنی اس پر برانگیختہ کرنا شیطان کا کام ہے۔ اور شیطان اپنے مکروفریب اور وسوسہ سے انسان کو عجلت پر آمادہ کرتا ہے تاکہ وہ غوروفکر نہ کرسکے اور اس کام کے نتیجے میں آنے والے عواقب سے بے خبر رہ کر خطرات اور ہلاکت سے دوچار ہوجائے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام نقصان اٹھانا پڑے گا اور پشیمانی ہوگی۔

کس قسم کی جلدی کرنا شرعاً مذموم ہے؟

پھر وہ عجلت اور جلد بازی مذموم ہے جو کسی ایسے کام میں ہو جس کا خیر ہونا یقینی نہ ہو ورنہ جو کام اعمال صالحہ میں سے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت ہو اس میں توقف اور اندیشہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس میں جلدی مسارعت اور ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا مطلوب ہے۔

چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ (الایۃ) یہ انبیاء کرام علیہم السلام اعمال خیر میں جلدی کیا

کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے: وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (الآیۃ) اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو!

اور حدیث میں ہے: ”بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا. (الحدیث) یعنی خطرناک فتنے آنے سے پہلے نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرو۔ نیز اطاعت وعبادت کی طرف رغبت کے ساتھ جلدی اور مسارعت مطلوب ہے لیکن نفس عبادت کے اندر جلدی اور عجلت پسندی ٹھیک نہیں بشرطیکہ فوت ہوجانے یا کسی وجہ سے نقص آنے کا خوف نہ ہو۔ کیونکہ عجلت کرنے سے عموماً عبادت میں خشوع وخضوع نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

”بَوْنٌ بَيْنَ الْمُسَارَعَةِ وَالْمُبَادَرَةِ اِلَى الطَّاعَاتِ وَبَيْنَ الْعَجَلَةِ فِي نَفْسِ الْعِبَادَاتِ فَالْاَوَّلُ مَحْمُوْدٌ وَالثَّانِيْ مَذْمُوْمٌ. انتهى. (از تحفۃ الاحوذی)

یعنی طاعات وعبادات کی طرف سبقت اور پیش قدمی اور نفس عبادات میں جلدی کرنے کے درمیان بون بعید ہے۔ پہلا محمود اور قابل ستائش ہے اور دوسرا مذموم اور قابل ملامت ہے۔

سندی بحث :

وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسٍ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ:

عبدالمہیمن بن عباس کے بارے میں بعض علماء نے کلام کیا ہے۔ اور ان کو ان کے حافظہ کی بناء پر ضعیف قرار دیا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حافظہ کے اعتبار سے تو بعض نے ان کے بارے میں طعن کیا ہے لیکن ان کی عدالت اور ثقاہت میں کلام نہیں ہے پس وہ عدل اور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا معاملہ سہل اور آسان ہے لیکن بعض دیگر محدثین نے ان کو غیر ثقہ اور ضعیف قرار دیا ہے۔

☆

٦٦: باب ما جاء في الرِّفْق

نرم مزاجی کا بیان

○ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس کو لطف اور نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا' تو اس کو خیر سے اس کا حصہ دیا گیا۔ اور جو آدمی لطف و نرمی میں اپنے حصہ سے محروم رکھا گیا تو وہ اپنا حصہ خیر سے محروم رکھا گیا۔ اور اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت جریر بن عبداللہ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین سے بھی روایات ہوئی ہیں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح و تشریح :

صفت رفق: رفق' نرمی اور نرم مزاجی کو کہا جاتا ہے۔ یہ سختی اور شدت کی ضد اور مقابل ہے۔ گھر والوں کے ساتھ' پڑوس والوں کے ساتھ' دوستوں اور ساتھیوں سے نرم مزاجی اختیار کرنا اور ہر کام میں بہتر اور آسان پہلو پر عمل کرنا' شدت اور سخت مزاجی سے اجتناب کرنا۔ یہ ایک بہترین صفت ہے' یہاں تک کہ تمام بہتری اور خیر اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کو رفق اور نرم مزاجی دی گئی اس کو خیر دیا گیا اور جو نرم مزاجی سے محروم ہو وہ خیر سے محروم ہے اور جس میں جس قدر لطف اور نرم مزاجی زیادہ ہو اس قدر اس میں خیر زیادہ ہوگا اور جس میں جس قدر رفق اور لطف کم ہو اس قدر اس میں خیر بھی کم ہوگا۔ حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت میں ہے "اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ" یعنی اللہ تعالیٰ لطف اور نرمی کرنے والا ہے۔

ہر معاملہ میں لطف اور نرمی کو پسند فرماتا ہے: حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وفی الباب عن عائشة ...... الخ.

پس رفق اور نرم مزاجی بھی اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ صفت ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی نرم دلی اور خوش اخلاقی کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت قرار دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے : فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (الاٰیۃ۔۱۵۹۔ال عمران)

ترجمہ : سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے۔

دین کے معلّم اور داعی کیلئے ضروری صفات :

اس میں تمام مسلمانوں کیلئے نرم خوئی اور خوش اخلاقی سیکھنے کا سبق دیا گیا ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کو جو دعوت، تعلیم و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کے فرائض انجام دے رہے ہوں، ان کے لئے اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنا ضروری ہیں کہ لطف اور نرم مزاجی ہی کی بدولت لوگ ان سے قریب ہونے کو پسند کریں گے اور ان سے استفادہ کریں گے۔ اگر ایسے لوگ تند خو، سخت مزاج اور سخت دل ہوں گے تو لوگ ان سے قریب ہونے کی بجائے ان سے دور بھاگ جائیں گے۔ پھر ان لوگوں کا علم و فضل اور قابلیت ان فرائض کے انجام دینے میں کارآمد ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ تند خوئی اور سخت دلی کی صورت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لانفضوا من حولک کہ یہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) ضرور آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے تو آپ ﷺ کے بعد کون ہوگا کہ تند مزاج اور سنگ دل ہونے کے باوجود لوگ اس کے پاس بیٹھ کر اس سے استفادہ کرینگے؟ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ دین کا شیدائی کون ہوگا جو اس کی بدخوئی کے باوجود بھی اسکے پاس بیٹھ کر تحمل کیساتھ دین کی تعلیم حاصل کرتے رہیں گے؟

☆

٦٧ : باب مَا جَاءَ فِی دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

مظلوم کی بددعا کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ اَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ..... هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَ أَبُوْسَعِيدٍ اِسْمُهُ نَافِذٌ .وَ فِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ.

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم مقرر کر کے یمن بھیجا تو ان سے فرمایا مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کیونکہ یقیناً اس کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل و مانع نہیں ہوتی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابوسعید جو ہیں ان کا نام نافذ ہے۔ اور اس باب میں حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔

توضیح وتشریح:

حضرت معاذ کو مظلوم کی بددعا سے بچنے کی نصیحت: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تھا ان کو بھیجتے وقت جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہت اہم ہدایات اور مفید نصیحتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ایک اہم نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچنے سے کوئی چیز مانع اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ بلکہ مظلوم کی بددعا جلد ہی اللہ تعالیٰ کے دربار میں شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔ اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ظلم مت کرو کہ وہ مظلوم واقع ہو کر دکھے دل سے تیرے حق میں بددعا کرنے لگے کیونکہ ایسی دعا جلد ہی قبول ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دین و دنیا دونوں کی تباہی یقینی ہے۔ چنانچہ قاضی اور حاکم اپنے زیر عدالت عام مسلمانوں کے حقوق اور ان کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور حکومتی مناصب میں ظلم ہونے کا زیادہ خطرہ موجود رہتا ہے۔ اس وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنانے کے وقت خصوصیت کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ نے مظلوم کی بددعا سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

پس اس ارشاد میں ہر قسم کے مظالم سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مظلوم کی بددعا کیوں مقبول ہے؟

فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب: یعنی مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ یعنی مظلوم کی بددعا جلد ہی قبول ہو جاتی ہے' نیز اس کی بددعا کا مقبول ہونا یقینی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مظلوم دراصل کمزور ضعیف اور بے سہارا ہوتا ہے۔ اگر وہ کمزور نہ ہوتا تو وہ خود اپنی مدد آپ کی بناء پر اپنے آپ کو ظلم سے بچاتا اور مظلوم واقع نہ ہوتا۔ لیکن جب مظلوم واقع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ وہ خود اپنا دفاع کر سکتا ہے اور نہ ہی مخلوق میں اس کا اور کوئی سہارا موجود ہے۔ تو اس حالت میں اس کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد حاصل کرنے کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا مشکل کشا اور مددگار جان کر اسی کو پکارتا ہے اس وقت اس کی توحید کامل درجہ کی ہو جاتی ہے اور اخلاص زیادہ ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں جو دعا مانگی جائے' اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرمالیتا ہے۔ بالخصوص جب یہ ظلم ایسے آدمی کی طرف سے ہو جس کے دربار میں لوگ انصاف طلب کرنے کے لئے آتے ہوں۔ چنانچہ حاکم اور قاضی تو اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ مظلوموں کی دادرسی کرے' جس پر ظلم ہو رہا ہو وہ حاکم اور قاضی کے پاس جا کر ان سے فریاد کرتا ہے اور حاکم کا فرض ہے کہ اس کو ظالموں سے اس کا حق دلا کر ظلم سے اس کو بچائے۔ لیکن جب حکمران' قاضی اور حاکم خود ظالم بن جائے اور اس پر ظلم کرنے لگے' تو پھر وہ بیچارا روئے زمین پر کس سے انصاف طلب کرے گا؟

اس لئے وہ حاکم اعلیٰ کی عدالت میں درخواست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو پکار کر ظالم کے ظلم سے نجات مانگتا ہے۔ پس انصاف اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس دربار عالیہ میں ضرور یہ درخواست منظور ہو جائے اور وہاں سے اس کو مدد مل جائے۔ اس وجہ سے روایات میں ہے کہ مظلوم اگر کافر ہو تو تب بھی اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہو۔ لہٰذا مظلوم کی بددعا سے ڈرنا چاہیے۔

بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

مظلوم لوگوں کی بددعا سے ڈرو کہ قبولیت حق تعالیٰ کے دربار سے اس کے استقبال کیلئے آتی ہے۔

٦٨ : باب مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا بیان

o حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اخبرنا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وما مَسَسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی مجھے اُف (کلمہ زجر) نہیں کہا۔ (یعنی کبھی مجھے نہیں ڈانٹا) اور جو بھی کام میں نے کیا، کبھی اس کے بارے میں نہیں فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا؟ اور جو بھی کام میں نے چھوڑ دیا۔ تو کبھی بھی اس سے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ اور جناب رسول اللہ ﷺ، سارے لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے اور میں نے کسی بھی قسم کے ریشمی کپڑے یا کسی بھی اور چیز کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے زیادہ نرم ہو۔ اور میں نے کبھی بھی کوئی مشک یا عطر نہیں سونگھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار ہو۔ اور اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متعلق بر وصلہ کے ابتدائی ابواب میں مختلف احادیث ذکر ہوئے ہیں۔ تفصیل بھی وہاں مذکور ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

عشر سنین: اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں نو سال مذکور ہے' دونوں کی تطبیق یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال گزارے' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پہلے سال کے درمیان میں خادم بن گئے۔ پس جس روایت میں نو سال مذکور ہیں اس میں کسر کو چھوڑ کر مکمل سال حساب کئے گئے ہیں۔ اور اس روایت میں دس سال اس لئے ذکر ہوئے کہ کسر یعنی پہلے سال کے بعض حصے کو مکمل سال شمار کر کے حساب لگایا گیا ہے۔ لہذا دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ اور دونوں کے درمیان کوئی تضاد موجود نہیں ہے۔

نوکر' خادم اور مرید کے ساتھ تسامح اور تساھل کرنا:

وما قال لشئی صنعته لم صنعته الخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے دوران جو کچھ میں نے کیا تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے تھے کہ تو نے کیوں ایسا کیا؟ نیز جس خدمت کے کام میں مامور تھا اور میں نے چھوڑ دیا تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے تھے کہ آپ نے اس کام کو کیوں چھوڑ دیا؟ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ اپنی ذاتی خدمات اور ذاتی آداب کے بارے میں خادم کے ساتھ نہایت ہی تسامح اور تساھل فرمایا کرتے تھے۔

استطاعت کے باوجود نہی عن المنکر چھوڑنا جائز نہیں:

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو بھی خلاف شرع کام کیا' یا فرائض شرعیہ کو چھوڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ اعتراض نہ فرماتے تھے کیونکہ احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا اور اعتراض نہ کرنا جائز نہیں ہے اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا کسی کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ جسے حدیث تقریری کہا جاتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنے ایک خادم کے خلاف شرع کام کو دیکھ کر آپ ﷺ خاموش رہیں؟

نیز اس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح بھی موجود ہے کیونکہ دس سال خدمت کے طویل عرصہ میں انہوں نے کسی بھی ایسے محظور کا ارتکاب نہیں کیا جس پر اعتراض کرنے کا رسول اللہ

ﷺ کو موقع مل جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے شرف اور پھر آپ ﷺ کی خدمت کی برکت سے یہ بھی مستبعد نہیں بلکہ عین لائق شان ہے کہ ساری زندگی میں بھی ان سے کوئی ایسا محظور سرزد نہ ہوا ہو جو شرعاً قابل اعتراض ہو۔

○ "حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ اخبرنا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيَّ يَقُولُ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ وَيُقَالُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدٍ".

ترجمہ: ابوعبداللہ الجدلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا' تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو طبعی لحاظ سے فحش گو تھے اور نہ ہی تکلف اور تعمد کے ساتھ فحش گوئی کرتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے۔ اور بدی کا بدلہ بدی کے ساتھ نہ دیا کرتے تھے۔ بلکہ عفو اور درگزر کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابوعبداللہ جدلی کا نام عبد بن عبد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد ہے۔

توضیح وتشریح: فحش گوئی سے اجتناب

لم یکن فاحشا و لا متفحشا : جناب رسول اللہ ﷺ فحش گو نہیں تھے اور نہ ہی قصداً تکلف کیساتھ فحش گوئی کرتے تھے۔ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ فحش اور بے حیائی کی باتوں سے اس قدر پاک اور صاف تھے کہ نہ تو آپ ﷺ کی طبیعت اور مزاج میں فحش گوئی تھی کہ بلا قصد اور بلا تکلف فحش گوئی صادر ہو جاتی اور نہ ہی قصد اور تکلف کے ساتھ فحش گوئی کرتے تھے۔ بلکہ طبعًا و تکلفاً کسی طریقے سے بھی مبارک زبان سے فحش بات نہیں نکلتی تھی۔ و لا صخابا فی الأسواق اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والے تھے یعنی اگر کسی ضرورت کیلئے آپ ﷺ بازار میں چلے بھی جاتے تو بازار میں بازاری لوگوں کی طرح شور نہیں مچاتے تھے۔

حسب ضرورت بازاروں میں جانے کو خلاف تقویٰ سمجھنا غلط ہے:

بازار میں جانا شان نبوت کے خلاف نہیں۔ یہ تو جاہل مشرک لوگوں کا خیال تھا کہ پیغمبر ہو تو وہ طعام نہیں کھائے گا' اور بازار میں نہیں جائے گا۔ قرآن کریم نے کفار مکہ کا جناب رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض ذکر کر کے ان کے اس خیالِ باطل کی تردید کی ہے اور برملا یہ اعتراف کیا ہے کہ پہلے بھی جو انبیاء کرام ہو گزرے ہیں وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں جاتے تھے (الفرقان) کیونکہ یہ سب انسانی ضرورتیں ہیں اور انبیاء کرام انسانی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ لیکن ان کے پوری کرنے میں خلاف شرع امور سے اجتناب کرتے تھے' پس بازار میں جانا بھی ایک انسانی ضرورت ہے' پس اس ضرورت کو پورا کرنا درست ہے اور اسی لئے تو حضور ﷺ نے بازار داخل ہونے کی دعائیں بھی ارشاد فرمائی ہیں لیکن اس میں خلاف شرع اور خلاف طبع سلیم امور سے گریز کرنا چاہیے۔ مثلاً چیخنا چلانا' شور مچانا' ویسے ہی ہوٹلوں اور دکانوں میں آوارہ پھرنا' خلاف شرع امور میں شریک ہونا' اور دنیوی مشاغل میں حد سے زیادہ انہماک کرنا وغیرہ۔

عفو اور درگزر :

ولایجزی بالسیئة السیئة ولکن یعفو ویصفح. اور جناب رسول اللہ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے' لیکن عفو اور درگزر کرتے تھے۔ عفو کا تعلق باطن سے ہے' اور صفح یعنی درگزر کا تعلق ظاہر سے ہے' یعنی جو آدمی رسول اللہ ﷺ سے بدی کرتے تو رسول اللہ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا کرتے تھے بلکہ اس آدمی کو دل سے بھی معاف فرماتے تھے۔ اور ظاہر میں بھی درگزر کرتے تھے۔ اور برائی کرنے والے پر کسی قسم کی ملامت وغیرہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جناب رسول اللہ ﷺ برائی کے بدلے میں نیکی اور احسان کرتے تھے۔

ع　سلام ان پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

☆

٦٩ : باب مَا جَاءَ فِی حُسْنِ الْعَهْدِ

حسن معاشرت کا بیان (جس کی یاد تازہ رہے)

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ اخبرنا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيجَةَ فَيُهْدِيهَا لَهُنَّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کسی پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا مجھے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ پر آتا تھا۔ حالانکہ میں نے ان کو نہیں پایا (یعنی میں ان کی زندگی میں حضور ﷺ کے عقد میں نہیں آئی تھی) اور ان پر میری یہ غیرت صرف اس وجہ سے تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کو بہت زیادہ یاد کیا کرتے تھے۔ اور بے شک رسول اللہ ﷺ کسی بکری کو ذبح کرتے تھے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو چن چن کر تلاش کرتے تھے اور اس بکری کا گوشت ان کو ہدیہ میں بھیجتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

توضیح وتشریح:

حسن العهد سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ یا کوئی کسی کے ساتھ پڑوس میں، سفر میں یا کمرے اور ہاسٹل وغیرہ میں حسن معاشرت اور اچھے طریقے سے ایسی زندگی گزارے جو کہ یادگار رہے کہ بعد کی زندگی میں بھی اسی یاد کو تازہ رکھا جائے۔

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ:

اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مالدار خاتون تھیں، ان کا پہلا شوہر فوت ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے کے وقت ان کی عمر چالیس برس تھی اور رسول اللہ ﷺ

کی عمر اس وقت پچیس سال تھی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد آپ نے اپنا سارا مال جناب رسول اللہ ﷺ کو بخش دیا۔اور انہی کے مال کی بدولت اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو غنی اور مالدار بنا دیا۔حضرت خدیجہؓ ان خوش بخت حضرات میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا ہونے پہلے دن نبوت کا پیغام ملتے ہی سب سے پہلے بلا چون وچرا ایمان لائیں اور وہ نبوت کی ابتداء میں پیش آنے والی مشکلات میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرتی تھیں۔اور ہر پریشانی میں آپ ﷺ کو تسلی دیا کرتی تھیں۔کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ تسلی دینے والی عورت حضرت خدیجہؓ ہیں۔اور جناب رسول اللہ ﷺ کا صرف ایک بیٹا حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھا۔ باقی ساری اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے تھی۔آپؓ کی زندگی میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔آپؓ بڑی صابر، فیاض، حکیم، مدبر اور حوصلہ مند تھیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اوائل نبوت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی مصاحبت سے اپنے نبی ﷺ کی تسکین وتسلی کا بہترین سامان کیا تھا، آپ کی وفات کا سال عام الحزن (یعنی غم کا سال) سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔آپ کی وفات کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ زندگی بھر آپ کا بہت ذکر خیر کیا کرتے تھے اور آپ کے متعلقین اور سہیلی ساتھیوں کے ساتھ وہی حسن سلوک اور تعلقات برقرار رکھتے تھے جو کہ آپؓ کی زندگی میں قائم تھے۔اور وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلقین کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔اور ان کو تحفے اور ہدایا بھیجتے تھے۔اور اسی کا نام ہے حسن العہد۔

بیبیوں کا سوتن وغیرہ پر غیرت کھانا ایک طبعی امر ہے:

ما غرت علی أحد من ازواج النبی ﷺ ماغرت علی خدیجة: اس عبارت میں پہلا لفظ ''ما'' نافیہ ہے اور دوسرا لفظ ''ما'' موصولہ ہے۔مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر بھی ایسی غیرت نہیں کھائی جو غیرت کہ میں نے حضرت خدیجہؓ پر کھائی۔بعد میں فرماتی ہیں: **و ما بی أن أکون ادر کتھا...... الخ** یعنی حالانکہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی وجہ سے مجھے غیرت وحمیت نہ آتی

کیونکہ میرے سامنے تو ان سے کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوتا تھا لیکن غیرت آنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو بہت یاد فرمایا کرتے تھے تو اس سے میں ان پر رشک کرتی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو حضرت خدیجہؓ کی اتنی یاد کیوں آتی ہے؟ کہ گویا دنیا میں ان کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ تو حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی عظمت شان کی طرف اشارہ فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ان سے میری اولاد تھی۔ معلوم ہوا کہ غیرت اور رشک کھانا ازواج مطہرات جیسے بہتر خواتین سے بھی مستبعد نہیں۔ کیونکہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ تاہم اس کی وجہ سے غیبت بہتان تراشی اور ظلم میں مبتلا ہونا کاملات کی شان سے بعید ہے۔

☆

باب ۷۰ : مَا جَاءَ فِی مَعَالِی الْأَخْلَاقِ

بلند مرتبہ اخلاق کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ الْبَغْدَادِيُّ اخبرنا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ اخبرنا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ ثَنِی عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارِينَ وَالْمُتَشَدِّقِينَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُونَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

الثَّرْثَارُ هُوَ الْكَثِيرُ الْكَلَامِ .وَالْمُتَشَدِّقُ هو الَّذِی يَتَطَاوَلُ عَلَى النَّاسِ فِي الْكَلَامِ وَيَبْذُو عَلَيْهِمْ .وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَضَالَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ وَهَذَا أَصَحُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے مجھ کو سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ قریب مجلس اور نشست والے وہ ہوں گے، جو تم میں سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں اور بیشک تم میں سے مجھے سب سے زیادہ مبغوض (نفرت کیا گیا) اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ دور، زیادہ باتیں کرنے والے اور تکلف سے فصاحت ظاہر کر کے بولنے والے اور دوسروں پر اپنے کلام کی حیثیت بڑھانے کے لئے منہ بھر کے بولنے والے (یعنی تکبر کرنے والے) ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ثرثارین اور متشدقین تو ہم جانتے ہیں، متفیہقین کون ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث اس طریق کے ساتھ حسن غریب ہے۔

ثرثار: زیادہ باتیں کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور متشدق وہ ہوتا ہے جو باتوں میں دوسروں پر بڑھ جاتا ہو، زبان درازی کرتا ہو اور فحش زبان استعمال کرتا ہو۔ اور بعض نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس میں "عن عبد ربه ابن سعید" کا واسطہ ذکر نہیں کیا اور زیادہ صحیح بھی یہی ہے۔

توضیح وتشریح:

اس باب میں بھی اخلاق حسنہ اور بلند مرتبے کے اخلاق کا بیان ہو رہا ہے۔ اور اخلاق حسنہ کی تفصیل ابواب البر والصلة میں مکمل طور پر بیان ہوئی ہے۔

عاشقان رسول ﷺ کیلئے موقع غنیمت:

إن من أحبكم إلي و أقربكم مني مجلساً: اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسنہ کی اہمیت اور درجہ ذکر فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب بیٹھنے کی جگہ پانے والے وہ ہوں گے۔ جو تم میں سے بہترین اخلاق والے ہوں۔ پس اخلاق حسنہ کی بدولت دنیا وآخرت کی فلاح ونجات کے ساتھ ساتھ دنیا میں پیارے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں سردار دوجہان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں نشست ملنے کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے۔ پس عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غنیمت کا موقع ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور قرب حاصل کرنے کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بتلائے گئے آسان نسخہ پر عمل کریں کہ اپنے اخلاق کو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی طرح بنانے کی کوشش کریں نیز ہر قول وفعل میں محبوب کی اداؤں کو اپنا کر عشق ومحبت کا لطف بھی حاصل کریں اور محبوب کو راضی کر کے قیامت کے دن قرب میں جگہ پالیں اور دیدار سے سرفراز ہوتے رہیں۔ پھر اس کے منفی پہلو کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا:

وإن من أبغضكم إلى وأبعدكم منى يوم القيمة الثرثارون الخ:

اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ برے لگنے والے اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور، ثرثارین، متشدقین اور متفیھقین ہوں گے۔ یہ دراصل برے اخلاق کی تفصیل ہے۔ یعنی بداخلاق لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ مبغوض ہیں اور قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے زیادہ دور ہوں گے۔ چنانچہ بیہقی کی ایک روایت میں اس طرح الفاظ آئے ہیں: وَ اَبْعَدُكُمْ مِنِّىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَسَاوِيكُمْ اَخْلَاقاً اَلثَّرْثَا رُوْنَ الخ. یعنی دنیا میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض اور آخرت میں مجھ سے زیادہ دور تم میں سے برے اخلاق والے ہوں گے جیسے ثرثارون (یعنی بلاضرورت زیادہ باتیں کرنے والے) الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثرثارون وغیرہ الفاظ دراصل برے اخلاق کی تشریح وتفصیل اور اس کے بعض اجزاء کا بیان ہے۔

الثرثارون: ثرثار کی جمع ہے۔ یہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بلاضرورت زیادہ باتیں کرتے ہیں اور ہر قسم کے رطب ویابس اور بے ہودہ گوئی سے بھی احتراز نہ کرتے ہوں۔ جیسا کہ بعض لوگ ہنسی مذاق کے لئے قسم قسم کے خرافات بکتے ہیں اور بعض لوگ اتنا زیادہ بولتے ہیں کہ پوری مجلس میں اول سے آخر تک کسی اور کو بات کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ پشتو زبان میں کہا جاتا ہے کہ ”فلانے ڈیر چرچرے دے“ ”ڈیر چرچر کوی“ میرے خیال میں یہ چرچر گویا دراصل ”ثرثرۃ“ سے نکالا گیا ہے یعنی کثرۃ الکلام۔

زیادہ باتیں کرنا۔

واعظین ومقررین کیلئے لمحہ فکریہ :

والمتشدقون . متشدق کی جمع ہے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے مطابق متشدق اس کو کہا جاتا ہے کہ جو دوسرے لوگوں پر بات کرنے میں چڑھ آتا ہو۔ اور ان کے ساتھ فحش گوئی بھی کرتا ہو۔ شدق دراصل منہ کے کونے (یعنی باچھوں) کو کہا جاتا ہے۔ گویا یہ تکلف کے ساتھ دوسروں سے زبان آوری کرتا ہو۔ اور منہ کھول کر تکلف کے ساتھ بھری بھری باتیں کرتا ہو گویا دونوں باچھوں سے بولتا ہے' تاکہ وہ اپنی باتوں سے حاضرین کو متاثر کرے اور حاضرین اس کی باتوں کی تحسین کریں۔ یہ بیماری اکثر واعظین حضرات کو لگی ہوئی ہے کہ اپنی باتوں کو پرکشش بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور اکثر مزاحیہ باتوں سے وعظ ونصیحت کو مزین کرتے ہیں۔ جس سے سامعین ہنستے ہیں' ایسے واعظین کے وعظ ونصیحت سے مجلس کی رونق افزائی تو ہوتی ہے' اور لوگ خوش ہوتے ہیں کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی تقریر کی۔ لیکن اس سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی، کیونکہ اس تقریر اور بیان کا مقصد ہی مجلس کو مزین کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا جاہل عوام کو تو یہ تقریر اچھی لگتی ہے۔ لیکن اصلاح نفس کے اثر سے خالی ہوتی ہے۔ ایسے شعلہ بیان مقرر کے تین گھنٹے ولولہ انگیز تقریر کی بنسبت ایک تبلیغی بھائی جو صرف دس دن تبلیغ میں لگا کر چند باتیں سیکھ لیتا ہے۔ اور وہی چھ نمبروں کی مختصر سی بات عوام کے سامنے بیان کرتا ہے' یہ زیادہ موثر ہوتی ہے کیونکہ اس کے دل میں دین کی تڑپ ہوتی ہے۔ اور وہ خلقِ خدا کا ہدایت پانے کے لئے دردمند ہے۔ اس جذبے سے جو بات کہی جائے وہ دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور دل اسکو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی عبادت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

ع　　دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

جیسا کہ (غوئے ملا) کہتے تھے کہ ساری دنیا ویران ہوگی لیکن ہمارا گاؤں ترکئ (جو کہ ضلع صوابی کا ایک گاؤں ہے) قائم رہے گا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے: وتركوك قائمًا. (تیری ترکی قائم رہے گی) والعیاذباللہ اور متشدقون کا ایک معنی مستهزؤن سے بھی کیا گیا ہے یعنی دوسروں کیساتھ استہزاء

اور ٹھٹھا کرنے والے۔ گویا کہ وہ بات کرتے وقت باچھوں کو ٹیڑا کر کے لوگوں کیساتھ استہزاء کرتا ہو جس سے دوسروں کی تحقیر ہوتی ہے۔

والمتفیھقون: اس کی تفسیر حدیث میں **متکبرون** کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ لفظ فھق سے ماخوذ ہے اور فھق کے معنی ہے پُر کرنا اور کھولنا یعنی منہ کھول کر بھری بھری باتیں کرنے والے اور دوسروں پر اپنی بات بڑھانے کیلئے تکلف سے فصاحت ظاہر کر کے بولنے والے۔ گویا کہ اس لفظ اور متشدقین کا معنی قریب قریب ہے تاہم اس میں دوسروں پر استعلاء اور اپنی بات کی حیثیت بڑھانے کا معنی ظاہر ہے۔ اس وجہ سے اس کی تفسیر حدیث میں "تکبر کرنے والے" کیساتھ کی گئی۔ **وفی الباب عن أبی ھریرۃ:**

ابوہریرہؓ کی روایت:

اس باب میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے افادہ خاص وعام کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔

طبرانیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقاً اَلْمُوَطِئُوْنَ اَکْنَافاً الَّذِیْنَ یَاْلِفُوْنَ وَیُوْلَفُوْن۔ وَاِنّ اَبْغَضَکُمْ اِلَی اَلْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِیْمَۃِ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْأَحِبَّۃِ اَلْمُلْتَمِسُوْنَ لِلْبُرَاءِ الْعَیْبَ**. (از تحفۃ الأحوذی)

ترجمہ: تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو کہ اچھے اخلاق والے ہوں نرم خو ہوں اور وہ جو لوگوں کے ساتھ محبت کرتے ہوں۔ اور لوگ ان کے ساتھ محبت کرتے ہوں۔ اور تم میں سے مجھے زیادہ مبغوض (نفرت کیا گیا) وہ ہیں۔ جو چغل خوری کرتے ہوں دوستوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہوں اور پاک اور نیک لوگوں میں عیب کی جستجو کرتے ہوں۔

☆

۷۱ : باب مَا جَاءَ فِی اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

لعنت بھیجنے اور عیب لگانے کا بیان

○ حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ اَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مؤمن لعنت بھیجنے والا نہیں ہوتا''۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور بعض نے اس حدیث کو اسی اسناد کیساتھ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لاینبغی...... الخ. یعنی جائز نہیں ہے مؤمن کے لئے کہ وہ زیادہ لعنت بھیجنے والا بنے۔

توضیح وتشریح:

لعن اور لعنت کا معنی ہے رحمت سے دوری اور بُعد اور طعن کا معنی ہے نیزہ مارنا اور مجروح کرنا اور مراد اس سے یہ ہے کہ کسی پر عیب لگانا اور غیبت وغیرہ کرنا' پھر کافر پر لعنت کا مقصد یہ ہے کہ بالکلیہ رحمت سے دور اور رحمت سے منقطع ہونا، اور فاسق پر لعنت کا مقصد ہے، اس رحمت سے دور ہونا جو کہ مطیعین اور فرمانبرداروں کیلئے خاص ہے اور یہاں لعن سے مراد ہے کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام کر دیا ہے دنیا میں تو کافر مسلمان' دوست اور دشمن سب کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ پس مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ لعنت سے بددعا دینے کی عادت بنالے اور خاص افراد کو لعنت سے بددعا دینے لگے۔ اور یہ ممنوعیت خاص اور متعین اشخاص کے اعتبار سے ہے' پس عام اوصاف

مذمومہ سے لعنت بھیجنا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ یا کوئی خاص کافر جب یقین کے ساتھ کفر پر اس کو موت آئی ہو۔ اس پر بھی لعنت بھیجنا جائز ہے جیسے فرعون اور ابوجہل وغیرھا۔

صیغۂ مبالغہ ''لعان'' کی وجہ: اور لعّان مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس میں کثرت کا معنی ہے۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن زیادہ لعنت بھیجنے والا نہیں ہوتا۔ مبالغہ کا صیغہ اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ کبھی کبھار لعنت بھیجنے سے اکثر مومنین کیلئے بچنا مشکل ہے۔ یعنی کبھی لعنت بھیجنا اکثر مومنین سے صادر ہوتا ہے۔ ابن الملک نے کہا ہے کہ صیغہ مبالغہ لانے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ایک دو مرتبہ لعن بھیجنے والا اس مذمت میں داخل نہیں جو کہ اس حدیث میں کی گئی ہے۔

تنبیہ: امام ترمذیؒ نے گزشتہ ابواب میں ایک باب قائم کیا ہے۔ باب ماجاء فی اللعنة اور اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو متناً ذکر کیا ہے۔ جس میں لعّان اور طعّان دونوں کا ذکر ہے اور پھر یہ باب (باب ماجاً فی اللعن والطعن) قائم کیا جو کہ تکرار ہے نیز یہاں باب میں تو لعن اور طعن دونوں کو ذکر کیا لیکن متن حدیث میں صرف لعن کا ذکر ہے طعن ذکر نہیں لہذا اگر وہاں اس عنوان ''ماجا فی اللعن والطعن'' سے باب قائم کر دیتے اور اس حدیث کو بھی وہاں نقل کر دیتے تو بہتر ہوتا اور دوسرے باب قائم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور مناسبت بھی اچھے طریقے سے قائم ہو جاتی۔

☆

۷۲ : بَاب مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الْغَضَبِ

زیادہ غصے کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ اخبرنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عَلِّمْنِي شَيْئًا وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعِيهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَلِكَ مِرَارًا كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَغْضَبْ وَفِي الْبَاب

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَأَبُو حَصِينٍ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَسَدِيُّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسول ﷺ) مجھے کچھ سکھا دے' لیکن مجھے زیادہ چیزیں نہ سکھائیں تاکہ میں یاد کرسکوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غصہ مت کرو، اس نے کئی بار اس سوال کو مکرر کیا۔ اور ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ یہی فرماتے تھے کہ غصہ مت کرو۔ اس باب میں حضرت ابوسعید اور سلیمان ابن صُرد سے بھی روایت آئی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اس طریق کیساتھ۔۔۔ اور ابو حصین جو ہیں ان کا نام عثمان بن عاصم اُسدی ہیں۔

توضیح وتشریح:

غصہ کے اچھے اور برے پہلو:

اس باب میں غصہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن نفس غضب اور غصہ تو انسان کی فطرت اور جبلت میں موجود ہے۔ اس سے بالکلیہ بچنا انسان کے لئے محال ہے۔

اور اس کے بعض فوائد بھی ہیں۔ مثلاً اس خصلت کی بدولت انسان اپنے مال' جان اور آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔ اور دینِ حق کے تحفظ کے لئے جہاد کرتا ہے' اور اس کے مخصوص اور محفوظ حقوق میں اگر کوئی مداخلت کرتا ہے تو اس کو غصہ آتا ہے اور یہ فوراً اپنے حقوق کے تحفظ اور دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی قوت غضبی کی بدولت دوسرے لوگ بھی اس کے مخصوص حقوق میں دخل اندازی سے باز رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے یہ غصہ ہو کر کوئی آفت نازل کرے گا۔ تاہم کثرت غصہ شنیع ہے' جس کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور بسا اوقات اس سے بڑا فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے' پس زیادہ غصہ سے منع فرمایا۔

غضب کی تعریف:

غصہ اور غضب خونِ دل کے جوش مارنے کو کہا جاتا ہے' یا ایک عارضہ ہے جس کی بدولت دل کا

خون جوش مارنے لگتا ہے تا کہ تکلیف دہ اور ناپسندیدہ چیز کے واقع ہونے سے قبل اسے دفع کرلے۔ یا ایسی چیز کے واقع ہونے کے بعد اس کا انتقام لے لے۔

علمنی شیئًا:

مجھے کچھ سکھا دے، یعنی مجھے کوئی ایسی خاص چیز سکھا دے جس میں دین اور دنیا کا فائدہ ہو اور اجر وثواب زیادہ ہو جو کہ قرب الٰہی کا سبب بنے۔

ولا تکثر علی لعلی أعیه :

اور مجھے زیادہ چیزیں نہ سکھائیں تا کہ میں یاد کرسکوں، یعنی میں زیادہ سبق یاد نہیں کرسکتا ہوں مجھے مختصر اور مفید سبق سکھادے تا کہ مجھے یاد کرنا آسان ہو۔ گویا علم کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔

لاتغضب:

غصہ مت کرو۔ اس آدمی کو رسول اللہ ﷺ نے غصہ نہ کرنے کا حکم فرمایا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حضور ﷺ کو پہلے سے سائل کا حال معلوم تھا کہ یہ زیادہ غصہ کرتا ہے۔ گھر والوں کیساتھ، والدین بیوی، بچوں، بہن بھائیوں اور دیگر لوگوں کیساتھ ہر وقت غضبناک رہتا ہے۔ معمولی معمولی بات پر غصہ ہو کر لڑتا جھگڑتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہر آدمی کو اسکے حال کی مناسبت سے بہتر سے بہتر تعلیم دیتے تھے۔ اس وجہ سے اس کو غصہ نہ کرنے کا حکم فرمایا۔

فردّد ذلک مراراً:

سائل یہی سوال بار بار مکرر کرتا تھا تا کہ اسکے علاوہ اور بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ جواب میں صرف یہی ارشاد فرماتے تھے کہ غصہ مت کرو کیونکہ اس آدمی کے لئے یہی حکم دینا زیادہ ضروری تھا۔ پس تاکید کے ساتھ یہی حکم مکرر ارشاد فرمایا۔ نیز اس آدمی نے خود عرض کیا تھا کہ مجھے زیادہ سبق نہ سکھائیں۔ اسلئے اس آدمی کے حسب حال جو کچھ سکھانا سب سے زیادہ اہم تھا، صرف اسی کو تکرار و تاکید کیساتھ سکھایا۔

☆

۷۳ : باب مَا جَاءَ فِی إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

بڑوں کے احترام کرنے کا بیان

○ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى اخبرنا يَزِيدُ بْنُ بَيَانٍ الْعُقَيْلِيُّ ثنى أَبُو الرَّحَّالِ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هَذَا الشَّيْخِ يَزِيدَ بْنِ بَيَانٍ وَأَبُو الرِّجَالِ الْأَنْصَارِيُّ آخَرُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی نوجوان کسی بوڑھے کا اکرام واحترام اس وجہ سے کرے کہ یہ بوڑھا اور عمر رسیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لئے کوئی ایسا آدمی (ساتھی) مقرر کرے گا جو اس کے بڑھاپے میں اس کا احترام کرے گا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو اسی شیخ یزید بن بیان کے بغیر کسی دوسری طریق سے نہیں پہچانتے ہیں۔ اور ابوالرجال انصاری جو ہے یہ دوسرا راوی ہے۔

توضیح وتشریح :

بڑوں کے ادب واحترام کو شریعت مقدسہ میں بہت اہمیت دی گئی ہے' ایک حدیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرتا ہو اور ہمارے بڑوں کا احترام کرنا نہ جانتا ہو تو وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی جو شخص مسلمان ہونے اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ مسلمان بننے امتی بننے کی صفات اپنے اندر پیدا کردے۔ اوران صفات میں سے ایک اہم صفت یہ ہے کہ مسلمان چھوٹوں پر شفقت کرے گا اور بڑوں کی تعظیم واحترام کرے گا۔ حدیث باب میں اس عمل پر نقد صلہ ملنے کی بشارت دی گئی ہے اور وہ یہ کہ جو بھی آدمی کسی بوڑھے کا صرف اس وجہ سے ادب واحترام کرے کہ وہ بوڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کے بڑھاپے کے دوران اس کے لئے ایسے خادم مقرر کردے گا

جو کہ اس بڑھاپے میں اس کی خدمت تعظیم واحترام کریں گے۔

سچ یہ ہے کہ "مَنْ خَدَمَ خُدِمَ" جس نے خدمت کی وہ مخدوم بنے گا۔

آنکہ خدمت کرد او مخدوم شد بے أدب از فضل رب محروم شد

لسنہ: اس کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ ویسے تو اپنے باپ کا اپنے شیخ واستاذ کا اور اپنے پیرومرشد کا ادب واحترام تو عام طور پر لوگ کرتے ہیں یہ اپنی جگہ بہت ہی بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔ لیکن ان تمام نسبتوں سے آزاد ہو کر صرف بڑھاپا بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ادب واحترام لازم ہو جاتا ہے۔ حدیث باب میں جو صلہ مذکور ہے یہ اس کے لئے ہے جو صرف بوڑھا ہونے کی وجہ سے کسی کا احترام کرے۔ یعنی ایک آدمی جو اس کا باپ نہیں، شیخ واستاد بھی نہیں ہے پیرومرشد بھی نہیں ہے۔ کوئی خان، کوئی مَلک، اور کوئی چوہدری بھی نہیں ہے، لیکن یہ صرف اس کا بوڑھا اور سفید ریش ہونے کی وجہ سے اکرام وادب کرے اور ضرورت پڑھنے پر اس کی خدمت کرے، تو اللہ تعالیٰ اس خدمت کرنے والے کے بڑھاپے میں اس کی خدمت کے لئے لوگ مقرر کرے گا جو اس کی خدمت تعظیم وادب کریں گے۔ مثلاً گاڑی میں کوئی ضعیف اور بوڑھا شخص ہے اس کے لئے جگہ نہ مل رہی ہو تو یہ اٹھ کر اپنی سیٹ پر اس کو بٹھا دے۔ اور خود کھڑا رہے۔ یا مسجد میں وہ جگہ کی تلاش میں ٹھوکریں کھا کر گھومتا ہو تو یہ خود کھڑا ہو کر دوسری جگہ چلا جائے اور اسے اپنی جگہ پر بٹھا دے تاکہ بوڑھے اور ضعیف کو تکلیف نہ ہو اس کو آخرت میں بھی بہت بڑا اجر وثواب ملے گا۔ اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس عمل کے موافق بدلہ دے گا۔ اور اس کی ضعیفی میں اس کے لئے خادم مقرر فرمائے گا۔

اس حدیث کی صداقت کو لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے والدین، اساتذہ، بوڑھوں اور بزرگوں کا احترام کرتے ہوں تو ایسے لوگ جب بوڑھے ہو جاتے ہیں، تو اس کی اولاد، پوتے، پڑپوتے اور اس کے شاگرد اور دوست وغیرہ سب اس کے خادم بن جاتے ہیں۔ اور پوری وفاداری اور خلوص کے ساتھ اس کی خدمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس پر ایسے مہربان بناتے ہیں کہ وہ اس کی خدمت کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس جو آدمی بڑوں کا ادب واحترام نہ

کرتا ہو بوڑھوں بزرگوں خصوصاً والدین کی خدمت نہ کرتا ہو بلکہ ان سے نفرت کرتا ہو تو ایسے آدمی کے جب شباب وجوانی کے دن ختم ہو جاتے ہیں اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو لوگ بھی اسی سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس کو بالکل اچھوت سمجھ کر اس کے قریب تک نہیں آتے۔ بڑھاپے، ضعف اور کمزوری میں اسکی بری حالت ہو جاتی ہے اور بیوی، بچوں کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ اور عام لوگوں کی نفرت کا صدمہ اس پر مزید۔

سندی بحث :

ابو الرحال الانصاری عن أنس بن مالک:

اس سند میں راوی ابوالرحال ہمارے ساتھ موجود نسخہ میں، سند میں بھی اور آخر باب میں بھی دونوں جگہ جیم کے ساتھ ابوالرجال لکھا گیا ہے اور تحفۃ الأحوذی کے نسخہ میں دونوں جگہ أبوالرحال، راء کے فتحہ اور حاء مشددہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اور ترمذی کے موجودہ نسخہ کے حاشیہ میں تحریر ہے کہ سند أبوالرجال جیم کے ساتھ ہے اور آخر باب میں حاء (مھملہ مشددہ) کے ساتھ، اور ساتھ لکھا ہے کہ اسی طرح میں نے دہلی کے نسخوں میں پایا ہے۔ اور عرب سے منقول ایک صحیح نسخہ میں اس کا برعکس (یعنی سند میں حاءُ مھملہ مشددہ کے ساتھ اور آخر باب میں جیم کے ساتھ) ہے اور اس میں دونوں پر صحت کی علامت موجود ہے۔ صاحب تحفۃ الأحوذی نے اس پر کلام کیا ہے اور تین شواہد سے ثابت کیا ہے کہ عرب سے منقول نسخہ صحیحہ میں جو کچھ ذکر ہے، وہی صحیح ہے، یعنی سند ابوالرحال راء کے فتحہ اور حاء مھملہ مشددہ کے ساتھ ہے اور آخر باب راء کے کسرہ اور جیم مخفف کے ساتھ ہے، اور سند میں مذکور راوی ابوالرحال انصاری بصری ہیں، ان کا نام محمد بن خالد یا خالد بن محمد ہے اور ابوالرجال، راء کے کسرہ اور جیم مخفف کے ساتھ ہے ان کا نام محمد بن حارثہ انصاری ہے، اور ان کی کنیت دراصل ابوعبدالرحمٰن ہے، اور ابوالرجال کی کنیت سے مشہور ہے لیکن یہ ان کا لقب ہے، کنیت نہیں ہے۔

☆

۷۴: باب مَا جَاءَ فِی الْمُتَهَاجِرِیْنَ

قطع تعلق کرنے والوں کا بیان

○ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُفَتَّحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ فِيهِمَا لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ إِلَّا الْمُتَهَاجِرَيْنِ يَقُولُ رُدُّوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوَى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ ذَرُوْا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا. وَمَعْنَى قَوْلِهِ الْمُتَهَاجِرَيْنِ يَعْنِي الْمُتَصَارِمَيْنِ وَهَذَا مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ان دو دنوں میں ہر اس آدمی کی مغفرت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو بغیر ان دو آدمیوں کے، جن دونوں کے درمیان قطع تعلق ہو، تو فرماتا ہے کہ ان دونوں کو واپس کردو، یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض حدیث میں اس طرح روایت کی جاتی ہے۔ ان دونوں کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔ اور المتھاجرین (ایک دوسرے کو چھوڑنے والے) کا معنی ہے المتصارمین (یعنی قطع تعلق کرنے والے) اور یہ حدیث اس حدیث کی طرح ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔ کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔

توضیح وتشریح:

پہلے ابواب میں گزر چکی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا حرام ہے۔ اور چونکہ غصہ وغضب انسانی فطرت میں موجود ہے گویا یہ اس کی ایک فطری کمزوری ہے۔ پس اس کی اس فطری کمزوری کی رعایت کی وجہ سے تین دن تک رخصت دی گئی ہے۔ لہذا تین دن تک بائیکاٹ پر گنہگار نہ ہوگا۔ پس اس حدیث باب میں جو یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے

دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پس جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو اس کی مغفرت ہوتی ہے مگر ان دو آدمیوں کی مغفرت نہ ہوگی جن دونوں کے درمیان قطع تعلق ہو۔ تو یہ بھی اس پر محمول ہوگا کہ یہ قطع تعلق تین دن سے زیادہ تک جاری رہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ مضمون ذکر ہوا ہے کہ مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، پس جس نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا اور (اس حالت میں) وہ مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا)۔

اور غالباً اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام ترمذیؒ نے آخر میں فرمایا کہ یہ حدیث بھی اس حدیث کی طرح ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔

جنت کے دروازے کھل جانے کا کیا مطلب ہے ؟

تفتح أبواب الجنة: جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت پیدا کی گئی ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور بعض ایام اور بعض اوقات میں اللہ تعالیٰ عفو و درگزر اور اپنے بندوں کے گناہوں کو بخش دینے کے لئے اس کے دروازوں کو کھول دیتا ہے، اور جنت کے دروازوں کو کھول دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خصوصی انعامات واحسانات کرنے کی علامت کے طور پر ہے۔

پیر اور جمعرات کی فضیلت :

یوم الاثنین والخمیس: اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ یہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر خصوصی انعامات ونوازشات کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ہے اس میں بھی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے ان دو دنوں میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں۔ پس میں پسند

کرتا ہوں کہ میرا عمل اللہ تعالیٰ کو پیش کیا جائے اور (اس حالت میں) میں روزہ دار ہوں" عرض اعمال کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھنے کو شاید اس لئے پسند فرمایا کہ عرض اعمال کے دن تو معلوم ہیں' لیکن یہ معلوم نہیں کہ کس وقت اعمال پیش کئے جائیں گے کہ بندہ اس وقت عبادت میں مشغول رہے۔ اور روزہ ایک بہترین اور متبرک عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ابتداء سے انتہاء تک سارے دن پر محیط ہوتی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے' سونے اور باتیں کرنے' ہر حالت میں انسان اس عبادت میں مشغول رہتا ہے' پس جس وقت بھی عمل اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوگا' اس وقت صاحب عمل' اللہ تعالی کی ایک بہترین اور محبوب عبادت میں مشغول ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کیلئے مزید رحمت اور مزید احسانات وانعامات کا باعث ہوگا۔

الاالمتھاجرین: یہ ہجر سے ماٴخوذ ہے اس کا معنی ہے چھوڑنا اور ترک تعلق کرنا۔ یعنی جن دو آدمیوں نے دشمنی اور نفرت کی وجہ سے آپس میں سلام کلام چھوڑ دیا ہو اور قطع تعلق کر دیا ہو ان دونوں کی مغفرت نہ ہوگی۔ یقول۔"ردوا اھذین حتی یصطلحا": یعنی ان کے بارے میں یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی واپس کر دیں' یہاں تک کہ یہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔ یعنی ان کے گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی' جب تک انہوں نے صلح نہ کر لی ہو۔

ردوا اھذین: ذروا ھذین. أنظروا ھذین مختلف الفاظ سے یہ جملہ روایات میں ذکر ہوا ہے سب کا حاصل ایک ہے۔ یعنی ان کے گناہوں کے بخشنے کا معاملہ ابھی ملتوی کر دیں اور ان کو صلح کرنے تک ویسے ہی رہنے دیں۔ اس میں صلح کرنے کی ترغیب ہے اور بائیکاٹ کو برقرار رکھنے پر سخت وعید مذکور ہے اور وہ یہ کہ ایسے لوگوں کے گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی۔ پس اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسی حالت میں موت آجائے تو اس قطع تعلق کا اور اس کے دوران صادر ہونے والے تمام گناہوں کا بوجھ ان کے کندھوں پر رہے گا۔ اور ان گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی۔ یہ ایک مسلمان کیلئے سب سے زیادہ غم اور پریشانی کی بات ہے۔ لہٰذا گناہوں کی بھاری بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ بائیکاٹ کو ختم کرنے اور مصالحت کرنے میں جلدی کی جاوے۔ حدیث پاک میں ہے :

وخیر ھما الذی یبدء بالسلام یعنی ان قطع تعلق کرنے والے دونوں میں سے زیادہ بہتر آدمی وہ ہے جو کہ سلام میں پہل کرے۔

۷۵ : باب مَا جَاءَ فِی الصَّبْرِ

صبر کا بیان

○ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِیُّ اخبرنا مَعْنٌ اخبرنامَالِکُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَطَاءٍ عن یَزِیدَ عَنْ أَبِی سَعِیدٍ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاھُمْ ثُمَّ سَأَلُوہُ فَأَعْطَاھُمْ ثُمَّ قَالَ مَا یَکُونُ عِنْدِی مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَہُ عَنْکُمْ وَمَنْ یَسْتَغْنِ یُغْنِہِ اللّٰہُ وَمَنْ یَسْتَعْفِفْ یُعِفَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ یَتَصَبَّرْ یُصَبِّرْہُ اللّٰہُ وَمَا أُعْطِیَ أَحَدٌ شَیْئًا ھُوَ خَیْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ وَفِی الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَھَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَیُرْوٰی ھَذَا الْحَدِیثُ عَنْ مَالِکٍ فَلَنْ أَدَّخِرَہ عَنْکُمْ، وَیُرْوٰی عَنْہُ فَلَمْ أَذْخَرَہُ عَنْکُمْ وَالْمَعْنَی فِیہِ وَاحِدٌ یَقُولُ لَنْ أَحْبِسَہُ عَنْکُمْ .

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ انصار کے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا' تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دے دیا۔ انہوں نے پھر مانگا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر دے دیا۔ پھر فرمایا: میرے ساتھ جو کچھ مال ہو' میں اسے آپ سے منع نہیں کرتا ہوں' اور جو آدمی استغناء' بے احتیاجی ظاہر کرے' اللہ تعالیٰ بھی اس کو بے احتیاج بنادے گا۔ اور جو حرام لینے اور سوال کرنے سے باز رہے' اللہ تعالیٰ بھی اس کو ان چیزوں سے بچا کر پاک بنادے گا۔ اور جو کوشش کے ساتھ صبر اختیار کرے' اللہ تعالیٰ اس کو صبر ناک بنادے گا۔ اور کسی آدمی کو کوئی بھی ایسی چیز نہیں دی گئی جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع (یعنی کثیر النفع) ہو۔

اس باب میں حضرت انسؓ سے بھی روایت آئی ہے...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت مالک بن انسؓ سے اس طرح روایت کی جاتی ہے کہ : فلن أدخره عنكم' اور انہی سے اس طرح بھی روایت کی جاتی ہے کہ 'فلم ادخره عنكم' اور معنی دونوں کا ایک ہے' یعنی فرماتے ہیں کہ میں ہرگز آپ سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔

توضیح وتشریح :

اس باب میں صبر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چاہیے کہ انسان پر جو تکلیف آئے' بھوک اور پیاس لگ جائے' غربت اور تنگدستی ہو بیماری یا کوئی دوسری مصیبت ہو تو مخلوق کے سامنے فریاد کرنا اور مخلوق کو اپنا

احتیاج ظاہر کرنا یہ بے صبری کی علامت ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔ مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ ہر تکلیف اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کرے۔ جزع فزع اور فریاد کرنا یا مخلوق سے اپنی تکلیف کے ازالہ کیلئے درخواست کرنا مناسب نہیں بلکہ صبر وتحمل کیساتھ اس کو برداشت کرے اور مخلوق کے سامنے استغناء اور بے احتیاجی کا مظاہرہ کرے اور اپنی مصیبت اور تکلیف دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے اور اس کی غیبی مدد تک صبر وتحمل اور حوصلہ مندی سے رہے۔اور جو آدمی جس کام کیلئے عزم اور حوصلہ مندی کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی وہ کام اس کیلئے آسان بنا دیتا ہے۔ پس جو آدمی استغناء چاہے اور اپنی حاجت مندی کو چھپا کر لوگوں سے بے احتیاجی ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو غنی اور بے احتیاج بنا دے گا۔اور جو عفت طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کو عفیف بنا دے گا۔اور جو صبر ناک بننا چاہتا ہے اور تکلف کے ساتھ اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو صبر کی توفیق دے گا اور اس میں صبر کا ملکہ پیدا فرما دے گا۔وہ صابر بن جائے گا۔اور پھر صبر کا کوئی موقع اسکے ہاتھ سے نہیں جائے گا مگر وہ اس میں صبر پر ہی ثابت قدم رہے گا اور اس طرح وہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ اور وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ اور اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الایات) کی خوشخبریوں کا مستحق قرار پاوے گا۔

صبر کی تین قسمیں :

صبر تین چیزوں میں ہے: (۱) **صبر عن المعصية** ۔یعنی گناہ سے اپنے آپ کو روکنا اور گناہ سے صبر کرنا۔شیطان انسان کو قسم قسم کے گناہوں سود خوری حرام خوری چوری کرنا قتل وغارت زنا ڈاکہ اور دیگر فواحش ومنکرات کو مزین کر کے دکھلاتا ہے اور ان گناہوں کی طرف اس کو ترغیب دیتا ہے۔اور نفسِ انسانی جو کہ انسان کا دشمن ہے وہ بھی ان منکرات اور فواحش کی طرف میلان کرتا ہے پس غافل لوگ ان منکرات اور فواحش کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں اور قسم قسم کے گناہ کر گزرتے ہیں اور ان کو احساس تک نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے شیطان کی اس تزیین اور پھر اس مزین گناہ کی طرف بلانے کو بھی محسوس کرتے ہیں اور پھر نفس کا ان گناہوں کی طرف میلان اور ہزار حیلہ سازی کے ساتھ نفس کا اپنے اس میلان اور خواہش کو ان کے سامنے پیش کرنا جانتے ہیں مگر یہ چونک جاتے ہیں نفس اور شیطان کے دھوکہ میں نہیں

آتے اور شیطان کی چال اپنے اوپر چلنے نہیں دیتے' اور نفس پر قابو پالیتے ہیں اور اس کو ناجائز مطالبات اور خواہشات سے روک لیتے ہیں' اور یہی صبر کا بہت ہی کٹھن مرحلہ ہے' لیکن جہاد مع النفس میں ثابت قدمی دکھانے سے تھوڑی مدت میں یہ گھاٹی طے ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے نفس قابو میں آجاتا ہے اور وہ صابر بن کر گناہوں سے بچتا رہتا ہے .... ہے

والنفس كالطفل إن تمهله شب على حب الرضاع وإن تفطمه ينفطم

ترجمہ: یعنی انسان کا نفس' شیرخوار بچے کی طرح ہے' اگر ماں اس کو اسی طرح کھلا چھوڑ دے تو وہ جوان ہوکر بھی ماں کے دودھ پینے کی محبت اس کے دل میں ہوگی۔ لیکن اگر اس کی ماں اس کو دودھ سے (بتکلف) چھڑا دے تو وہ چھوڑ جائے گا۔ اور ماں کے دودھ پینے کا مطالبہ نہ کرے گا۔

پس نفس کا بھی یہی حال ہے کہ اگر اس کے ساتھ جہاد کیا جاوے اور اس کے چیخ چیخ کر رونے پر بھی اس کی ناجائز خواہش پوری نہ کی جائے اور اس کے بار بار مطالبہ پر اس کے ساتھ یہی روش اختیار کی جائے تو بالآخر یہ صابر ہوگا اور خواہشات کے مطالبہ کا سلسلہ ختم کردے گا۔ اور ایسے لوگ نفس کو خواہشات سے منع کرنے والے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کے لئے ارشاد ربانی ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (والنازعات) ترجمہ: اور جو آدمی اپنے رب کے سامنے پیش ہوجانے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے منع کرلیا ہو پس جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

(۲) صبر علی الطاعة:

دوسرا اطاعت وعبادت پر صبر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو صحیح طور پر بجالانا اور مأمورات کی بجاآوری میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا اس کو صبر علی الطاعت کہا جاتا ہے۔ جاڑے اور سردی کے موسم میں رات کے وقت یا صبح سویرے اٹھ کر وضو کرنا اور نماز کے لئے مسجد میں جانا' یا سخت گرمی اور دھوپ میں نماز کو جانا' اپنے مال کا کچھ حصہ زکوٰۃ میں دینا' جہاد کرنا' روزہ رکھنا' رمضان کے مہینہ کو تو بالخصوص صبر کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ نیز فریضہ حج

کی ادائیگی میں بے تحاشا تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا' یہ تمام چیزیں صبر علی الطاعۃ ہے۔

(۳)صبر علی المصیبۃ :

تیسرا مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنا۔انسان کو جو بھی مصیبت پہنچ جائے' مثلاً بیمار ہو جائے اور جسمانی تکلیف ہو جائے' یا کاروبار میں خسارہ ہو جائے: باغ اور فصل ہلاک ہو جائے یا کوئی عزیز اور قریب مر جائے۔الغرض ہر وہ چیز جو انسان کو بری لگتی ہے اور اس سے انسان کو اذیت تکلیف ہوتی ہو اسے مصیبت کہا جاتا ہے' ہر تکلیف کے وقت مسلمان پر لازم ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی ہو جائے اور اس تکلیف و مصیبت پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے' اور زبان سے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کہے۔ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اگر چراغ بجھ جاتے تو بھی آپ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ بھی مصیبت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جس سے مؤمن کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو وہ مصیبت ہے۔پس اس پر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کہنا چاہیے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صبر ایک جامع لفظ ہے اور یہ بہت ہی وسیع مفہوم رکھتا ہے اور اس نے پورے دین کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔چنانچہ ایک آیت کریمہ میں اہل جنت پر فرشتوں کا سلام کہنا اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ٥ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ٥ ترجمہ: اور فرشتے انکے پاس ہر (سمت کے) دروازے سے آتے ہونگے اور یہ کہتے ہونگے کہ تم (ہر آفت اور خطرے سے) صحیح سلامت رہو گے اس بناء پر کہ تم (دین حق پر) مضبوط رہے تھے۔سو اس جہاں میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔(بیان القرآن)

اس آیت کریمہ میں پورے دین حق پر مضبوط رہنے اور استقامت اختیار کرنے کو صبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور اسی صبر واستقامت کے صلے میں انہیں جنت میں ہر خطرے سے محفوظ اور صحیح سلامت رہنے کی خوشخبری سنائی جائیگی۔

و من یستغن یغنہ اللّٰہ: اور جو استغناء کرے اللہ تعالیٰ اسکو غنی کر دیگا۔ یعنی جو آدمی مجبور اور محتاج ہونے کے باوجود اپنے آپ کو غنی اور بے احتیاج ظاہر کرے۔ اور اپنی مجبوری اور حاجتمندی کو مخلوق سے چھپائے لوگوں سے سوال کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد پر بھروسہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسکو غنی اور بے احتیاج بنا دیگا۔ اسکو غنی بنانے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری فرما دیگا اور اسکی ضرورت کی چیز اسکو مہیا کر دے گا اور اس کو مخلوق کا محتاج نہیں چھوڑے گا۔

تونگری دل :

اور دوسرا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیگا۔ اور یہی حقیقی غنا اور مالداری ہے۔ حدیث شریف میں ہے : "لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ." (الحدیث) یعنی غنا اور مالداری۔ مال ومتاع کی کثرت سے نہیں حقیقت میں غنا نفس اور دل کا غنا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے .... ؎

تونگری بدل است نہ بہ مال　　وبزرگی بہ عقل است نہ بہ سال

جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا ہو انکی عجیب سی دنیا ہوتی ہے۔ ان کے پاس مال ودولت نہیں ہوتی لیکن ان کی ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے کسی بھی حاجت اور ضرورت میں وہ پریشان نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے دریا دل بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہاتھ میں پیسے ٹکے نہیں ہوتے، لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے محتاجوں بیکسوں اور بیواؤں کی خبر گیری بھی کرتے ہیں اور سخاوت، ضیافت ومہمان نوازی کا دنیا میں سکھا بٹھا دیتے ہیں .... ؎

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ　　ہمچناں در بند اقلیمے دگر

نیم نانے گر خورد مرد خدا　　بذل درویشاں کند نیمے دگر

و من یستعف یعفہ اللّٰہ: یعنی جو شخص حرام سے بچتا ہو اور مخلوق سے سوال کرنے سے اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں سے پاک وصاف کر دے گا اور ممنوعات سے اس کو حفاظت میں رکھے گا۔ یعنی جو آدمی تھوڑا سا رزق اپنے لئے کافی سمجھے اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ ڈال کر حرام خوری

سے بھی باز رہے اور مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلا کر سوال کرنے سے بھی گریز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قناعت کی دولت سے مالا مال کر دے گا۔ جو کہ ایک بے پایاں خزانہ ہے اور اس قناعت ہی سے انسان کا دل غنی اور آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں .... ؎

ایں دو چشم تنگ دنیادار را　　یا قناعت پر کند یا خاک گور

ومن یتصبر یصبرہ اللّٰہ: یعنی جو آدمی بڑی کوششوں کے ساتھ اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرتا ہو اور اس کو مشقتوں کے برداشت کرنے کا عادی بنا دیتا ہو۔ نیز محتاجی کی حالت میں لوگوں سے سوال کرنے اور لوگوں کے پاس جو مال و نعمت ہو اس کی طرف اشراف نفس سے اپنے آپ کو منع کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو صابر بنا دے گا اور اس کے نفس کو صبر دے گا اور پھر اس کے لئے فقر و فاقہ اور مشقتیں برداشت کرنا آسان ہو جاتی ہیں اور اس کے دل میں کسی قسم کی احساس کمتری اور شکوہ شکایت نہیں آتی اور اس کی تفصیل ابھی گزر گئی۔

☆

بَاب ۷۶ : مَا جَاءَ فِي ذِي الْوَجْهَيْنِ

دورُخ والا آدمی (یعنی منافق) کا بیان

o حَدَّثَنَا هَنَّادٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَعَمَّارٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ بدترین دورُخ آدمی ہوگا۔ اس باب میں حضرت عمارؓ اور حضرت انسؓ سے بھی روایتیں ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

یہ حدیث بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: " تَجِدُ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَالْوَجْهَیْنِ اَلَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ ". یعنی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین دو رُخ والے آدمی کو پاؤ گے جو کہ ان ایک فریق کے پاس ایک رُخ کے ساتھ آتا ہے اور ان (دوسرے فریق) کے پاس دوسرے رُخ کے ساتھ۔

دورُخا پن کیا ہے؟

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ دورُخ والے آدمی اس لئے مخلوق خدا میں سے بدترین ٹھہرے کہ ان کی حالت منافق کی طرح ہے۔ یہ جھوٹ اور باطل کلام بنا کر ہر فریق کے سامنے چاپلوسی کرتا ہے۔ اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلاتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذو و جہین وہ ہوتا ہے جو کہ ہر فریق کے پاس جا کر ایسے لب ولہجہ میں بات کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ اس فریق کے ساتھ اس کی مرضی کی بات کرتا ہے۔ اور اپنے مخالف کی دشمنی پر اس کی تحسین کرتا ہے اور اس پر اس کے ساتھ اپنی حمایت کا یقین دلاتا ہے۔ اور جب دوسرے فریق کے پاس جاتا ہے تو ان کے ساتھ ان کی مرضی کے مطابق بات کرتا ہے اور پھر اپنے آپ کو ان کا حمایتی اور پہلے فریق کا دشمن اور مخالف باور کرا دیتا ہے' اس طرح وہ ہر فریق کے سامنے اس کی تحسین وتعریف کرتا ہے جب وہ نظروں سے پنہاں ہوتا ہے تو یہ اس کی عیب جوئی اور برائی کرتا ہے پس اس کا یہ کام منافقت ہے اور اس کا کلام سراسر باطل اور جھوٹ ہے اور فریقین کو دھوکہ دے کر ان کے پوشیدہ رازوں کو معلوم کرنے کیلئے جعل سازی بھی کر رہا ہے جو کہ خیانت بھی ہے۔ اور کئی قسم کے فسادات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے یہ نہایت ہی قبیح عمل ہے۔ اس وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین آدمی ہوگا کیونکہ یہ شر فتنہ اور فساد وبرپا کرنے کیلئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔

اور اگر اس کام یعنی ہر ایک فریق کی بات دوسرے کو پہنچانے سے اس کا ارادہ فریقین کے درمیان مصالحت کا ہو تو پھر یہ عمل بہتر اور محمود ہے۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں یہ ہر فریق کو اس کے قول وعمل کی تحسین وتعریف کرتا ہے اور جب دوسرے کے سامنے جاتا ہے تو پھر فریق اول کے قول

وعمل کی مذمت کرتا ہے اوراس طرح ہرفریق کی دوسرے فریق کے سامنے برائی بیان کرتا ہے' تو یہ عمل شرعاً مذموم اور قبیح ہے۔ دوسری صورت میں جب یہ کسی فریق کے پاس آتا ہے توان کے سامنے وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں دوسرے فریق کے لئے خیر وصلاح موجود ہو'اور ہر فریق کو دوسرے کی طرف سے خیر اور نیکی کی بات پہنچاتا ہے اور بری بات کو ممکن حد تک چھپاتا ہے تا کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نیک جذبات ابھر آئیں اور کدورتیں ختم ہو کر وہ آپس میں مصالحت کریں۔ یہ ایک بہترین اور شرعاً مطلوب عمل ہے: یہاں تک کہ شریعت مقدسہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے جھوٹ بولنا جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے دلوں کو آپس میں جوڑنا اسلام کے اہم اور بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

☆

۷۷ : باب مَا جَاءَ فِی النَّمَّامِ

چغل خور کا بیان

○ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عُمَرَ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَی حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ فَقِیلَ لَهُ إِنَّ هَذَا یُبَلِّغُ الْأُمَرَاءَ الْحَدِیثَ عَنِ النَّاسِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ قَالَ سُفْیَانُ وَالْقَتَّاتُ النَّمَّامُ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ

ترجمہ: ہمام بن الحارثؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا تو آپ سے کہا گیا کہ یہ آدمی حکمرانوں کو لوگوں کی باتیں پہنچا دیتا ہے۔ تو حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے ''چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا'' حضرت سفیانؒ نے کہا کہ 'قتات' نمام (یعنی چغل خور) کو کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

اس باب میں چغل خوری کی مذمت کی گئی ہے' قتات چغل خور کو کہا جاتا ہے۔ یہ قت الحدیث سے مأخوذ ہے: اَیْ زَوَّرَہٗ ' وَھَیَّاہٗ وَسَوَّاہٗ یعنی بری بات کو بنانا۔ تیار کرنا۔ برابر کرنا' چغل خوری کا حاصل معنی یہ ہے کہ کسی ایک قوم یا فرد کا کلام دوسرے فرد یا قوم کو شر اور فساد پھیلانے کے طور پر نقل کرنا اور کسی ایک کا قول یا فعل کسی دوسرے کو زبان سے بتانا یا لکھ کر بھیجنا یا اشارۃً اور کنایۃً اس کو سمجھانا تا کہ اس پہلے شخص کے اس قول یا فعل سے یہ دوسرا آدمی خبردار ہو جائے۔ اور اس کے دل میں اس کے ساتھ نفرت اور دشمنی پیدا ہو جائے' اور پھر اس کے نتیجے میں اس کے خلاف کچھ اقدام کرے۔ پس چغل خور کا مقصد ہی شر اور فساد پھیلانا اور فتنہ برپا کرنا ہوتا ہے اور شر وفساد کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے اور جنت بھی مفسدین کی جگہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔

قتات اور نمام میں فرق :

اس حدیث میں لفظ قتات مذکور ہے اور حضرت سفیانؒ سے اس کی تفسیر نمام کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتات اور نمام دونوں کا معنی ایک ہے یعنی چغل خور' لیکن محدثین حضرات نے ان دونوں کے درمیان باریک فرق بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ نمام وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنتا ہے۔ اور پھر یہی باتیں دوسروں کو شر اور فساد کے ارادے سے پہنچا دیتا ہے اور قتات وہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوں اور یہ چپکے سے کان لگا کر ان کی باتوں کو سن لیتا ہے۔ اور وہ لوگ اسکے سننے سے بے خبر ہوتے ہیں اور یہ آدمی پھر ان کی یہ باتیں اوروں کو پہنچا دیتا ہے۔ شر اور فتنہ برپا کرنے کیلئے پس دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ہر ایک شر اور فساد کی نیت سے ایک کی بات دوسرے کو پہنچاتا ہے اور اس اعتبار سے دونوں نے چغلی کی اور دونوں کا معنی ہے چغل خور۔ لیکن اس قدر مشترک ہونے کے علاوہ نمام نے یہ جرم کیا کہ ان لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچایا کہ انہوں نے اس پر اعتماد کر کے اسکے سامنے وہ باتیں کیں جن کا دوسروں (مخالفین) پر ظاہر ہونے کو وہ پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن اس نے ان کی باتوں کو مخالفین پر ظاہر کر کے ان سے خیانت کی' کیونکہ حدیث میں ہے "اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ"

یعنی مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں شرکاء مجلس کی مرضی کے خلاف انکی باتوں کو دوسرں پر ظاہر کرنا خیانت ہے۔

کسی کی مرضی کے خلاف ان کی باتوں کو خفیہ طور پر کان لگا کر سننا حرام ہے:

دوسری طرف قتات میں اگر چہ یہ معنی تو موجود نہیں ہے لیکن اس نے ایک اور بہت بڑا جرم کیا جو نمام میں نہیں اور وہ یہ کہ کسی کی باتوں کو خفیہ طور پر کان لگا کر سننا' حالانکہ وہ اس کو سنانا، ناپسند کرتے ہوں' یہ بھی کان سے متعلق ایک گناہ کبیرہ اور فعل حرام ہے۔ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اسْتَمَعَ حَدِيْثَ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْن صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الآ نُك يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ' يَعْنِيْ الرَّصَاصُ .(الحدیث)

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی باتوں کو سننے کے لئے کان لگایا' حالانکہ وہ اس کے سننے کو ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں پگھلا ہوا تانبا انڈیلا جائے گا۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی کسی تصنیف میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ چادر اوڑھ کر لیٹ رہا ہو' اور اس مجلس میں بعض لوگ کچھ ایسی باتیں کرر ہے ہوں جن کو وہ اس آدمی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے ہوں لیکن وہ اس لئے ان باتوں میں مشغول ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق یہ آدمی سو رہا ہے' اور نیند کی حالت میں ہے' حالانکہ یہ آدمی بیدار ہو اور اس کو نیند نہ آئی ہو۔تو اس آدمی کے لئے اپنی حالت پر خاموش رہ کر ان کی باتوں کو سنتے رہنا حرام اور نا جائز ہے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ کھنکارنے یا حرکت کرنے وغیرہ سے ان کو سمجھا دے کہ میں سویا نہیں ہوں' تا کہ وہ ایسی باتیں نہ کریں جن کو وہ اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہوں۔

قسّاس: یہاں ایک تیسرا لفظ قساس بھی چغل خور کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو کسی آدمی سے خود بات نہ سنے بلکہ لوگوں سے اس آدمی کی سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک فساد کے لئے پہنچا دیتا ہو۔

حکمرانوں کو لوگوں کی باتیں پہنچانا:

إن هذا يبلغ الأمراء الحديث عن الناس: یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ شخص لوگوں کی باتیں حکمرانوں تک پہنچا دیتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سن لیا ہے کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ لوگوں کے عیوب اور نقائص کو حاکموں تک پہچانا چغلی ہے اور ناجائز ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس میں کوئی مصلحت نہ ہو اور ملک وملت کے لئے کچھ فائدہ نہ ہو بلکہ مقصد صرف یہ ہو کہ ان لوگوں اور حکمرانوں کے درمیان دوری پیدا ہو جائے۔ نفرت اور دشمنی پیدا ہو جائے' یا ارباب حکومت ملک کے بااثر اور مقتدا لوگوں کے عیوب کو صرف اس لئے معلوم کر رہے ہوں کہ وہ ان کے عیوب کو عوام الناس پر ظاہر کریں تا کہ ان کے امیج متاثر ہوں اور پھر یہ بااثر اور مقتدا لوگ ارباب حکومت کے ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں جیسا کہ آج کل کی سی آئی اے وغیرہ ایجنسیاں اس قسم کے مقاصد کیلئے استعمال ہو رہی ہیں کہ لوگوں کے در پردہ عیوب اور جرائم معلوم کر کے ریکارڈ کریں اور پھر حسب موقع اس کو ہتھیار کے طور پر استعمال کریں پس یہ کام ناجائز ہے۔

البتہ اگر حکومت کو پہنچانے میں کوئی مصلحت ہو' اور ملک وملت کیلئے اس میں فائدہ ہو مثلاً کسی کی طرف سے حکومت کے خلاف یا ملک وملت کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہو تو اس سے حکومت کو باخبر کرنا ضروری اور لازم ہے تا کہ وہ بروقت فتنہ وسازش کا تدارک کرے یا کوئی آدمی مفسد ہے' قتل وغارت اور ڈکیتی وغیرہ فسادات کر رہا ہے تو حکومت کو اطلاع دینا اور اس کی شرانگیزیوں سے انتظامیہ کو خبردار کرنا درست ہے۔ تا کہ حکومتی انتظامی شعبہ اس کی خبر لے اور اسکے ہاتھوں سے صادر ہونے والے فسادات کی روک تھام کرے۔ اسی طرح کا عمل حضور ﷺ سے بھی بعض غزوات میں ثابت ہے۔

☆

۷۸ : باب مَا جَاءَ فِی الْعِیِّ

کم گوئی کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ اَخْبَرَنَا یَزِیدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ أَبِی غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِیَّةَ عَنْ أَبِی أُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : الْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِیمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِیثِ أَبِی غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ قَالَ وَالْعِیُّ قِلَّةُ الْکَلَامِ وَالْبَذَاءُ هُوَ الْفُحْشُ فِی الْکَلَامِ وَالْبَیَانُ هُوَ کَثْرَةُ الْکَلَامِ مِثْلُ هَؤُلَاءِ الْخُطَبَاءِ الَّذِینَ یَخْطُبُونَ فَیُوَسِّعُونَ فِی الْکَلَامِ وَیَتَفَصَّحُونَ فِیهِ مِنْ مَدْحِ النَّاسِ فِیمَا لَا یُرْضِی اللّٰهَ۔

ترجمہ : حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ حیاء کرنا اور کم بولنا ایمان کی دو شاخیں ہیں۔ جبکہ فحش باتیں کرانا اور زائد از حاجت بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے حدیث ابوغسان محمد بن مطرف کی حدیث سے ہی پہچانتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''العی'' کا معنی ہے کم بولنا۔ اور ''البذاء'' فحش باتیں کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور ''البیان'' سے مراد ہے حاجت سے زیادہ بولنا' جیسا یہ خطیب حضرات' جو خطاب کرتے ہیں تو کلام میں توسیع کرتے ہیں' (یعنی معمولی اور بے مغز بات بڑھا چڑھا کر کہتے ہیں۔) اور کلام میں تکلف کے ساتھ باریکیاں نکال کر لوگوں کی وہ مدح سرائی کرتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتی۔

توضیح وتشریح:

اَلعیّ عین کے کسرہ اوریاً مشددہ کے ساتھ باب سمع یسمع سے آتا ہے۔ عیی فی المنطق عیایاً کا معنی ہے بات میں بند ہونا۔ اس سے صفت عیی وزن فعیل پر آتا ہے اور جمع أعییاء وزن افعلاء پر آتی ہے۔ پس اصل میں اس کا معنی ہے کلام سے بند ہونا اور بات کرنے میں عاجز ہونا اس کا ایک لازمی معنی جہل اور بے علمی بھی ہے۔ کیونکہ جس کے پاس کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو وہ اس چیز کے بارے میں

بات کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور بات نہیں کرسکتا۔ اس معنی کے لحاظ سے ایک روایت میں ہے۔ اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ اَلسُّوَالُ، یعنی جہل اور لاعلمی کا علاج ہے، سوال کرنا اور پوچھنا، یعنی اہل علم سے پوچھا جائے تو وہ جواب دے کر جہل اور لاعلمی کا ازالہ کریں گے۔ لیکن یہاں لاعلمی اور جہل مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جہل اور لاعلمی کو ایمان کا شعبہ اور ایمان کا حصہ قرار دینا درست نہیں۔ بلکہ یہاں گناہ کی باتوں اور بے فائدہ باتوں سے سکوت کرنا مراد ہے۔ نیز تأمل اور تدبر کے ساتھ رک رک کر بات کرنا مراد ہے تاکہ گناہ کی بات اور نازیبا کلام سے اجتناب کیا جاسکے۔ اور لایعنی باتوں میں واقع نہ ہو، یہی خصلت ایمان کا شعبہ ہے۔ اور اچھے ایمان کی علامت ہے۔

حیاء اور کم گوئی ایمان کی دوشاخیں ہیں:

الحیاء والعی شعبتان من الإیمان : حیاء اور بے فائدہ باتوں سے سکوت کرنا ایمان کے دوشعبے ہیں۔ **الحیاء** کسی قبیح اور بری چیز کے ارتکاب پر معیوب اور ملامت ٹھہرنے کے خوف سے نفس میں جو انقباض تغیر و انکسار آتا ہے اسی کا نام حیاء ہے۔ حیاء ایک ایسی خصلت ہے جو مؤمن کے لئے زینت ہے جس طرح ایمان انسان کو برائیوں سے روک دیتا ہے۔ اسی طرح حیاء بھی انسان کو بری عادات اور قبیح افعال سے روک دیتی ہے۔ اس وجہ سے حیاء کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حیا اور ایمان توأمین (جڑواں بچے) ہیں۔ جب ایک نکل جاتا ہے تو دوسرا اس کے پیچھے نکل جاتا ہے۔ یعنی جب حیاء نکل جائے تو ایمان بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور اس کی تفصیل پہلے ابواب میں گزر چکی ہے۔

والعی اور قلت کلام بے ہودہ اور بے فائدہ باتوں سے سکوت اختیار کرنا بھی ایمان کا شعبہ ہے۔ اور اس کی وضاحت ابھی گزر چکی ہے یہ سکوت اختیار کرنا جو کہ ایمان کا شعبہ ہے وہ ہے جو کہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے سکوت کیا جاوے۔ ورنہ جہاں بات کرنے کی ضرورت ہو اور بات کرنے میں مصلحت ہو تو پھر خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں .... ؎

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادب است | بوقت مصلحت آں بہ کہ درسخن کوشی

دو چیز طیرۂ عقل است دم فروبستن | بوقتِ گفتن وگفتن بوقت خاموشی

ترجمہ: اگرچہ عقلمندوں کے خیال میں خاموشی ادب ہے لیکن ضرورت اور مصلحت کے وقت یہی بہتر ہے کہ خوب کھل کر بات کی جائے۔ دو چیزیں عقل کی شومی اور خرابی ہے بولنے کے موقع پر خاموش رہنا اور خاموشی کے وقت باتیں کرنا۔

والبذاء والبیان شعبتان من النفاق: فحش گوئی اور بیان منافقت کے دوشعبے ہیں۔ البذاء کا معنی ہے فحش کلام اور حیا سوز باتیں۔ یہ نفاق کی شاخ ہے کیونکہ منافق ہی حیاء سے عاری ہوتا ہے۔ مومن تو پاکیزہ اخلاق سے مزین ہوتا ہے۔ وہ فحش گوئی اور خلاف حیاء گفتگو سے پرہیز کرتا ہے اور بیان سے بھی نفس بیان کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ بیان تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (الرحمن)

یعنی مہربان ذات نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کی تعلیم دی۔

یعنی انسان تو نطق اور بیان ہی کی بدولت دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے اور بیان کے ذریعے انسان آسانی کے ساتھ اظہار مافی الضمیر کرتا ہے اس کے پاس جو علم ہو وہ بیان کے ذریعے دوسروں تک پہنچا دیتا ہے۔ نیز دوسرے کے پاس جو علم ہو وہ بیان کے ذریعے اس سے سن کر اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیتا ہے۔ اور اس طرح روز بروز اس کے علوم میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ دینی اور دنیوی علوم کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا دیتا ہے۔ اگر غور کیا جاوے تو انسان نعمتِ بیان ہی کی وجہ سے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہے پس بیان کو منافقت کا شعبہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حاجت سے زیادہ بولنا اور کثرۃ الکلام ہی اس سے مراد لیا جاوے جو کہ شرعاً مذموم ہے زیادہ بولنا اور ہر وقت بیان کو جاری رکھنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ جھوٹ غیبت بہتان اور لوگوں کو ہنسانے کیلئے بات کرنا لغو اور بے ہودگی میں مشغول رہنا لوگوں کو تنگ کرنا دوسروں کی بات درمیان میں کاٹنا لوگوں کے ساتھ استہزاء اور ان کی توہین کرنا وغیرہ زیادہ بولنے کے لوازمات میں سے ہیں اور خاموش رہنے میں ان تمام تر مہلکات و خطرات سے انسان بچ سکتا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ مَنْ سَكَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا. یعنی جو آدمی خاموش رہا تو وہ خطرات اور مہلکات سے بچ گیا۔ اور جو مہلکات سے بچ گیا اس نے نجات پائی۔

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ جس طرح ''العی'' میں سکوت اور چپ رہنے کی فضیلت بیان ہوگئی اوراس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر حالت اور ہر موقع پر سکوت اختیار کیا جاوے بلکہ مراد یہ ہے کہ گناہ کی باتوں اور فضول کلام سے سکوت اختیار کرنا شعبہ ایمان ہے ورنہ جو موقع حق بیان کرنے کا ہو وہاں سکوت اختیار کرنے والے کو شیطان اخرس (گونگا شیطان) کہا گیا ہے۔اسی طرح فحش گوئی اور بیان کو نفاق کا شعبہ قرار دیا گیا ہے۔تو بیان سے بھی گناہ کی باتیں اور ضرورت وحاجت سے زیادہ باتیں کرنا مراد ہے جس میں دینی یا دنیوی کسی قسم کا فائدہ اور مصلحت نہ ہو۔تو ایسی بے ہودگی اور محض خرافات بکنا منافق کا کام ہے' مؤمن کا نہیں۔ورنہ نفس بیان تو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے' جائز حدود کے اندر اس کو استعمال میں لانا ضروری ہے۔اس تفصیل کے مطابق پوری حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باحیاء ہو اور لغو بے ہودہ باتوں سے خاموش رہنے والا ہو' فحش گو اور بدزبان نہ ہو۔حاجت اور ضرورت کے بغیر فضول باتیں کرنے والا نہ ہو۔ایک حدیث میں ہے' جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً اَوْلِيَصْمُتْ. (الحدیث)

یعنی جو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔

شہرت یافتہ مقررین حضرات کیلئے تنبیہ :

والبیان ھو کثرة الکلام مثل ھؤلاء الخطباء الخ: امام ترمذیؒ حدیث کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیان سے مراد کثرت الکلام۔یعنی زیادہ بولنا ہے۔اور پھر سمجھانے کیلئے اپنے زمانے کے خطیب حضرات کو بطور مثال پیش کرتے ہیں' چنانچہ ہر زمانے میں بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جو کہ خطاب اور تقریر میں شہرت پا چکے ہوتے ہیں اور ان مقررین حضرات کے غالب افراد ایسے ہوتے ہیں جو کہ بتکلف رقت آمیز لہجہ بنا دیتے ہیں اور الفاظ کو بنا سجا کر محفل کی رونق افزائی کرتے ہیں اور کبھی لوگوں کو ہنسانے کیلئے مضحکہ خیز لطائف اور بسا اوقات خلاف حقیقت قصے سنا دیتے ہیں۔ایسے قصہ گو ملاؤں کی تقاریر تو لوگ شوق سے سنتے ہیں اور لذت حاصل کرتے ہیں لیکن اس سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی ایسے مولوی حضرات کی تقریر ختم ہونے پر جب لوگ واپس جاتے ہیں تو ہمارے پشتو میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ عوام

آپس میں کہتے ہیں: کافر ملا وو ظالمی مسئلے ئے او کڑمے ۔یعنی کافر مولوی تھے ظالم مسائل بیان کئے۔ مطلب یہ کہ عوام کے دلوں میں اس سے کچھ روشنی اور روحانیت پیدا نہیں ہوتی۔صرف اس کی فنکاری پر تعجب کرتے ہیں۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ یہ خطیب حضرات جو تقریر کرتے ہیں تو بات کو بڑھا دیتے ہیں اور تکلف کے ساتھ فصاحت ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کی مدح سرائی اس طرح کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں' یعنی خلاف حقیقت مبالغے کرتے ہیں حالانکہ خلاف حقیقت مبالغہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدح بیان کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔جیسا کہ یہ نعت خوان وغیرہ زیادہ مبالغہ کرتے ہیں' حد سے بڑھنا کسی کے حق میں بھی جائز نہیں چاہے پیغمبر علیہ السلام ہو' یا اپنا شیخ اور استاذ ہو یا پیرومرشد ہو' انزلوا الناس منا زلھم' یعنی ہر کسی کو اپنی حیثیت کے مطابق مقام دینا چاہیے۔

☆

۷۹ : بَابُ مَا جَاءَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

باب اس بات کے متعلق کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں

○ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا أَوْ إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَمَّارٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشِّخِّيرِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو مرد آئے' پس دونوں نے خطبہ دیا (یعنی لوگوں کے ساتھ خطاب کیا اور بات چیت کی) تو ان کے کلام سے لوگوں نے تعجب کیا' تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا: بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔اس باب میں حضرت عمار' حضرت ابن مسعود' حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح: بعض بیان کو جادو کیوں فرمایا ؟

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان من البیان سحراً أو إن بعض البیان سحر " اس میں راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے پہلے جملہ کے الفاظ نکلے ہیں یا دوسرے جملہ کے۔ معنی دونوں کا ایک ہے۔ یعنی بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ جادو کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے بعض بیان کو جادو فرمایا۔ اور یہ مشابہت اس میں ہے کہ جس طرح جادو مخفی طور پر اثر کرتا ہے اور اس کے ذریعے دلوں کو مائل کیا جاتا ہے اس طرح بعض بیان میں بھی اثر ہوتا ہے جس سے قلوب متاثر ہوتے ہیں اور مائل ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ مؤثر بیان ایسا ہو جس سے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف میلان پیدا ہوتا ہو اور خشیت الہیٰ اور تقویٰ پیدا ہو جاتا ہو تو ایسا مؤثر بیان ممدوح اور مستحسن ہے اور اگر اس بیان میں باطل کو مزین کر کے دکھایا جاتا ہو اور قلوب کو باطل کی طرف مائل کیا جاتا ہو تو یہ مذموم ومکروہ ہے پس اس حدیث میں مدح اور ذم دونوں پہلو موجود ہیں۔

دو آدمیوں کا فصیح وبلیغ مکالمہ :

أن رجلین قدما فی زمن رسول اللّٰہ فخطبا: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں (مدینہ منورہ میں) حاضر خدمت ہوئے پس دونوں نے ایسا فصیحانہ کلام کیا کہ لوگوں کو ان کی باتوں سے تعجب ہوا پس اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ دو آدمی کون تھے؟ اور انہوں نے کیا کہا؟ اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ مجھے صراحۃً ان دونوں کے ناموں کی واقفیت حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن محدثین علماء کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں زبرقان اور عمرو بن الأھیم ہیں۔ زبرقان' زاء اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے' اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے زبرقان اس کا لقب ہوا۔ کیونکہ زبرقان چاند کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور اس کا اصل نام ونسب اس طرح ہے: حصین بن بدر ابن امرء القیس بن خلف۔ اور دوسرے کا نام عمرو بن الأھیم اور اس اھیم کا نام سنان بن سمی تھا۔ دونوں بنو تمیم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نو ہجری میں بنو تمیم کے وفد کے ساتھ یہ دونوں بھی جناب

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ زبرقان بن بدر اور عمرو بن الاہیم اور قیس بن عاصم جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے تو زبرقان نے فخر کے طور پر کہا:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَيِّدُ بَنِیْ تَمِيْم وَالْمُطَاعُ فِيْهِمْ وَالْمُجَابُ' اَمْنَعُهُمْ مِنَ الظُّلْمِ وَآخُذُ مِنْهُمْ بِحُقُوْقِهِمْ وَهٰذَا يَعْلَمُ ذٰلِکَ يَعْنِیْ عَمْرَوبِنِ الاَهْيَمْ.

اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! میں بنی تمیم کا سردار ہوں' ان میں میری اطاعت کی جاتی ہے' اور میری بات مانی جاتی ہے' میں ان کو ظلم سے روکتا ہوں' اور میں ان کے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق دلاتا ہوں' اور اس آدمی (یعنی عمرو بن الاہیم) کو یہ سب کچھ معلوم ہے۔ تو اس کے جواب میں عمرو نے کہا۔

اِنَّهٗ لَشَدِيْدُ الْمُعَارَضَةِ مَانِعٌ لِجَانِبِهٖ مُطَاعٌ فِیْ اِذْنِهٖ : بے شک یہ آدمی سخت جھگڑا کرنے والا ہے' اپنے جتھے کا دفاع اور حفاظت کرنے والا ہے اور اس کے حکم کی پیروی کی جاتی ہے۔ تو زبرقان نے کہا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ عَلِمَ مِنْ غَيْرِ مَا قَالَ وَمَا مَنَعَهٗ اَنْ يَّتَكَلَّمَ اِلَّا الْحَسَدُ:

اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یقیناً اس آدمی نے جو کچھ کہا اس کے خلاف اس کے علم میں ہے اور اس کو واقع کے مطابق بات کرنے سے حسد ہی نے روکا۔ تو اس کے جواب میں عمرو بن الاہیم نے کہا!

اَنَا اَحْسِدُکَ؟ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهٗ لَئِيْمُ الْخَالِ ' حَدِيْثُ الْمَالِ' اَحْمَقُ الْوَالِدِ مُضِيْعٌ فِی الْعَشِيْرِهِ. وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ:لَقَدْ صَدَقْتُ فِی الْاُوْلٰی وَمَاكَذَبْتَ فِی الْاٰخِرَةِ وَلٰكِنِّیْ رَجُلٌ اِذَا رَضِيْتُ قُلْتُ اَحْسَنَ مَا عَلِمْتُ وَاِذَا غَضِبْتُ قُلْتُ اَقْبَحَ مَاوَجَدْتُ. (ازتحفة الأحوذی)

کیا میں تیرے ساتھ حسد کروں گا؟ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ خدا کی قسم اس کے ماموں کمینہ لوگ ہیں' یہ ابھی ابھی مالدار بن چکا ہے' اس کے باپ دادا احمق ہیں۔ یہ قبیلہ کے بیکار آدمی ہیں۔ خدا کی قسم: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! یقیناً میں نے پہلی باتوں میں بھی سچ کہا اور اس آخری کلام میں بھی میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جب میں راضی ہوں تو جو اچھی باتیں مجھے معلوم ہوں وہی کہہ دیتا ہوں۔ اور جب غصہ ہو جاتا ہوں تو جو بدترین اور قبیح باتیں محسوس کرتا ہوں' وہی بتا دیتا ہوں۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا"۔ بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔

۸۰: باب ماجاء فی التواضع

تذلل اور عاجزی اختیار کرنے کا بیان

○ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ وَ فِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ وَاسْمُهُ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں لاتا اور اللہ تعالیٰ کسی آدمی کیلئے (اپنے بھائی مسلمان کو) معافی کرنے کی وجہ سے عزت وشرافت کے سوا اور کچھ نہیں بڑھا دیتا اور جو بھی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور عاجزی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بلند کرے گا اور اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن عباس اور ابو کبشہ انماری (اور ان کا نام عمر بن سعد ہے) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح :

اس باب میں تواضع کی فضیلت بیان ہوئی ہے، تواضع وضع یضع سے ماخوذ ہے، اور وضع کا اصل معنی ہے کسی چیز کو نیچے رکھنا اور اس کا ضد رفع ہے اس کا معنی ہے اونچا کرنا، اٹھانا، پس تواضع سے مراد اپنے آپ کو نیچے کرنا۔ اپنے نفس کو دبانا۔ تذلل اور عاجزی اختیار کرنا۔

بعض اعمال کا اثر ان کے ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے :

ہر عمل کے لئے کچھ خواص واثرات ہوتے ہیں بعض عمل کا اثر اس کی ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،

تواضع بھی ایک ایسا عمل ہے، اس کا اثر بالکل اس کی ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی جو آدمی اپنے آپ کو پست اور نیچے کرتا ہے، تذلل اور عاجزی اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کے برعکس جو تکبر کرے گا اور اپنے آپ کو بڑا آدمی ظاہر کرے گا تو پست اور ذلیل ہوگا……

پستی سے سربلند اور سرکشی سے پست

اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں

اور ایک حدیث میں ہے: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ".

جو آدمی تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند وبالا کر دے گا۔ اور جو تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پست اور ذلیل کرے گا۔

اسی طرح حج کرنے میں بظاہر مال خرچ ہوتا ہے اس کے ظاہر کے مطابق تو اس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ حج کرنے سے آدمی فقیر بن جاتا۔ لیکن حدیث میں ہے "اَلْحَجُّ تَنْفِي الْفَقْرَ" یعنی حج فقیری کو ختم کر دیتا ہے، یعنی اس ظاہری اثر کے خلاف یہ اثر ظاہر ہوتا ہے کہ حج کرنے سے آدمی مالدار بن جاتا ہے، اسی طرح صدقہ وخیرات کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہے اسی وجہ سے شیطان ظاہر بین آدمی کو وجوہ خیر میں مال لگانے کی صورت میں فقیری اور ناداری سے ڈراتا ہے کہ اس مال کو نہ چھیڑو، اللہ کی راہ میں، امور خیر میں نہ لگاؤ ورنہ خود فقیر محتاج رہ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے اس کید شیطانی سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی اور اپنی طرف سے مغفرت اور مال کے زیادہ ہونے کا وعدہ فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا.

(الاية)

یعنی شیطان تم کو فقیری سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اپنی طرف سے مغفرت کا اور مال کے زیادہ ہونے کا وعدہ فرماتا ہے۔

البتہ انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اسکا مستقل طور پر حکم دیا گیا ہے۔ نیز سود سے بظاہر مال زیادہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ظاہر کے خلاف

ارشادفرمایا :

''يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ''. (الآیۃ)

یعنی اللہ تعالیٰ سود کے مال کو گھٹا کر مٹا دیتا ہےاور صدقات کے مال کو اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے مطابق اسکے اثرات دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ سود کا مال بے برکت ہوتا ہے اور بسا اوقات ظاہراً بھی سود کا مال تباہ ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور سود خور آدمی دیوالیہ بن جاتا ہے اور صدقات سے اموال کا بڑھ جانا اور زیادہ ہونا تو ایک ایسا امر ہے کہ ساری دنیا کے مشاھدہ سے معلوم ہے۔ اسی طرح کسی کی ظلم وزیادتی کے مقابلے میں اس کو معاف کرنا نیز تواضع اور عاجزی اختیار کرنا بظاہر اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اور اپنے اوپر دوسرے کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اور ظاہر کے اعتبار سے تو اس کی عزت کم ہونی چاہیئے اور یہ پست اور ذلیل ہونا چاہیئے۔

لیکن جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عزت کو ضرور بڑھا دیتا ہے یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اللہ تعالیٰ اس کو بلند وبالا کرتا ہے لیکن اس میں یہ قید لگائی گئی ہے کہ ''للہ'' ہو یعنی یہ معاف کرنا اور یہ تواضع اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہو' پس اگر کوئی آدمی برائی کرنے والے کے ساتھ برائی کرنے کا عزم رکھتا ہو' لیکن یہ کمزور ہے' اور اس کا بس نہیں چلتا اس کمزوری کی وجہ سے وہ انتقام لینا چھوڑ دے' تو اس کیلئے یہ وعدہ نہیں (البتہ مظلوم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسکی نصرت اور مدد کرے گا)۔

نیز تواضع' عاجزی وانکساری اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو تب یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' اور اللہ اس عمل کا بدلہ دے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو نقد بدلہ اللہ تعالیٰ یہ دے گا کہ عاجزی وانکساری کے عوض میں اس کو بلند وبالا کردے گا۔ اگر یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہ ہو' بلکہ کسی دنیوی غرض کے لئے ہو' یا کسی سے چندہ حاصل کرنے کیلئے کہ چند روپے کی مدد کریں میرے ساتھ' تو ایسے تذلل اور عاجزی پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں ہے۔

☆

۸۱ : باب مَا جَاءَ فِی الظُّلْمِ

ظلم کا بیان

○ حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِیُّ أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّیَالِسِیُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیزِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِی سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِینَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَأَبِی مُوسَی وَأَبِی هُرَیْرَةَ (رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم اجمعین) هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ غَرِیبٌ مِنْ حَدِیثِ ابْنِ عُمَرَ.

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ظلم اندھیرے ہوں گے قیامت کے دن ...... اوراس باب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔

توضیح وتشریح: ظلم اور ظلمات :

ظلم کا لغوی معنی ہے: "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهِ الْمُخْتَصِّ بِهِ : کسی چیز کا اپنا موضع ومحل مخصوص کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا" یہاں "الظلم" میں الف ولام" جنس کے لئے ہے یعنی جنس ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب بنے گا۔ جسطرح ظلم کے درجات اور مراتب ہیں' اس طرح اس کے مطابق قیامت کے اندھیروں کا حال بھی ہوگا۔ شرک بنص قرآن کریم بڑا ظلم ہے پس مشرک کے لئے بڑا اندھیرا ہوگا۔ اس طرح چھوٹے مظالم کے بدلے میں اندھیرے بھی چھوٹے ہوں گے' چنانچہ ظلم کے مختلف انواع واقسام ہیں اور "الظلم" سے جنس ظلم مراد ہے جو ہر قسم کے ظلم کو شامل ہے' اس وجہ سے ظلمات کو بھی جمع ذکر

کیا۔ نیز جیسا کہ متقین مؤمنین کو نور ملے گا اور یہ نوران کو آگے، دائیں، بائیں مختلف اطراف سے ہوگا، اسطرح یہ اندھیرے بھی ظالم پر مختلف اطراف سے محیط ہونگے اس اعتبار سے ظلمات کو جمع لایا۔

ظلم دراصل ظلمت سے پیدا ہوتا ہے :

ظلم دراصل دل کی ظلمت اور اندھیرے سے پیدا ہوتا ہے، مسلسل فسق و فجور اور نافرمانی کی وجہ سے بالآخر دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ظلمات اور اندھیروں کا گھر بن جاتا ہے، ایسے سیاہ دل سے پھر کفر اور شرک جیسا ظلم بھی صادر ہوتا ہے، اور ضعیفوں اور کمزوروں پر گوناگوں مظالم کے پہاڑ ڈھانے سے بھی اس کا دل ترس نہیں کھاتا، اگر دل ایمان اور ہدایت کے نور سے روشن اور منور ہوتا تو ضرور ان مظالم سے باز آجاتا۔

پس گویا کہ اس نے دنیا میں اپنے دل کو اندھیروں کا گھر بنایا ہے تو قیامت کے دن بھی اس کے لئے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں گے۔ اور راہ نجات پانے کے لئے اس کے ساتھ روشنی نہ ہوگی۔

سورۃ النور وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمات کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ حاصل یہ کہ ایمان، تقویٰ اور عمل صالح یہ نور ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے: ”نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ“ (الآیۃ) اور کفر، شرک، برے اعمال کرنا اور بندوں کے حقوق تلف کرنا یہ ظلمات اور اندھیرے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ دنیا میں یہ قبائح و مظالم راہ ہدایت پانے سے مانع ہوتے ہیں، گویا یہ اس کے لئے اندھیرے ہیں جن کی وجہ سے ایمان، ہدایت اور فلاح و کامیابی کی راہ اس کو نظر نہیں آتی۔ اور آخرت میں تو ان چیزوں کا ظلمات ہونا پہلے واضح ہو گیا۔

اور بعض کے نزدیک ظلمات سے مراد عذاب اور شدائد ہیں۔ تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ظلم قیامت کے دن کے عذاب، مصائب و شدائد کا ذریعہ ہوگا۔ یعنی دنیا میں ظلم کرنے کی وجہ سے وہ قیامت کے دن مختلف قسم کے مصائب، شدائد اور عذابوں میں مبتلا ہوگا۔

☆

باب ۸۲ : مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْعَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

نعمت میں عیب جوئی ترک کرنے کا بیان

○ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو حَازِمٍ هُوَ الْأَشْجَعِيُّ وَاسْمُهُ سَلْمَانُ مَوْلَى عَزَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی طعام کو عیب نہیں لگایا۔ (بلکہ) اگر آپ ﷺ کو کھانے کی خواہش ہوتی تو تناول فرمالیتے' ورنہ چھوڑ دیتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہ ابوحازم اشجعی ہیں۔ اوران کا نام سلمان ہے۔ جو کہ عزہ اشجعیہ کا مولیٰ ہے۔

توضیح وتشریح:

ما عاب طعاما قط: جناب رسول اللہ ﷺ طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے' جبکہ طعام حلال اور مباح ہو۔ اگر کوئی کھانے کی چیز حرام ہوتی تو اس کو عیب لگاتے تھے اور اس کی برائی بیان فرماتے اور اس کے کھانے سے منع فرماتے تھے۔ حلال اور مباح طعام میں عیب نکالنا اخلاق کریمانہ کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کبھی بھی طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ طعام میں خلقت کے اعتبار سے عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ البتہ صنعت کے اعتبار سے (یعنی پکانے اور تیار کرنے میں کچھ نقص اور عیب ہوتو) اس کو بیان کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں عیب نہیں ہوسکتی۔ اور مخلوق کی صنعت پکانے کی ترکیب وغیرہ میں عیب ہوسکتا ہے لہٰذا اس کو بیان کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طعام میں کسی بھی قسم کا عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ نہ باعتبار خلقت کے اور نہ باعتبار صنعت کے۔ کیونکہ صنعت وترکیب میں عیب نکالنے سے طعام تیار کرنے والے کی دل شکنی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی جائز نہیں لہٰذا یہ ممانعت عام ہے۔

نیز عیب نکالنے سے ایک قسم کی بے قدری اور ناشکری ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ کیونکہ یہ طعام جو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے دیا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے۔ کہ ان کو یہ بھی کھانے کے لئے نہیں مل رہا۔

علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بہت اچھا ادب ہے' کیونکہ بسا اوقات ایک آدمی کسی چیز کو کھانے کے لئے پسند نہیں کرتا' لیکن دوسرا آدمی اس کو پسند کرتا ہے' اور وہ اسے بہت شوق سے کھاتا ہے اور ہر وہ چیز جس کے کھانے کی شریعت مقدسہ نے اجازت دی ہے' اس میں عیب نہیں ہوتا۔ لہذا عیب لگانے سے بہرحال اجتناب کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر پسند ہو تو کھاؤ' پسند نہ ہو تو چھوڑ دو۔ عیب نہ لگاؤ' کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ کسی اور کی پسندیدہ چیز ہو۔

اے سیر! ترانان جویں خوش نماید　　معشوق من است آنکہ بنزدیک تو زشت است

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف　　وز دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

ترجمہ: اے وہ شخص کہ تجھے بوجہ سیر ہو جانے کے جَو کی روٹی پسند نہیں۔ میرا محبوب و معشوق تو وہی چیز ہے جسے تو برا اور ناپسند کرتا ہے۔ بہشت کی حوروں کیلئے مقام اعراف بھی بمنزلہ دوزخ ہے۔ اور دوزخیوں سے پوچھ کہ انکے لئے اعراف بھی جنت ہے۔

☆

۸۳ : بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ

مومن کی تعظیم کا بیان

○ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ وَالْجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ أَوْفَى بْنِ دَلْهَمٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :يَا مَعْشَرُ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ.

قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ فَقَالَ: مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ. هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ وَقَدْ رَوَى إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ السَّمَرْقَنْدِيُّ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ نَحْوَهُ وَاقِدٍ رُوِى عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا.

ترجمہ: ۔حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا: اے ان لوگوں کی جماعت! جو زبان سے تو اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دل تک نہیں پہنچا۔ تم مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور نہ ان کو شرمندہ کرو اور نہ ان کے چھپے ہوئے عیوب کے پیچھے پڑو۔ کیونکہ جو بھی اپنے (بھائی) مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کے درپے ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے چھپے عیوب کو ظاہر کرنے لگتا ہے اور جس کے چھپے ہوئے عیوب کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دیتا ہے۔ اگر چہ وہ اپنے گھر کے اندرون میں (لوگوں سے چھپا ہوا) ہو۔ (یا سواری کے اوپر ہودج میں محمل نشین ہو)......راوی کہتا ہے کہ ایک دن حضرت ابن عمرؓ نے ''بیت اللہ'' یا ''کعبہ'' کی طرف دیکھا تو فرمایا: تو کس قدر عظیم ہے اور تیری عظمت کتنی بڑی ہے۔ مگر مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت کے لحاظ سے تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔...... یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے حسین بن واقد کی حدیث کے بغیر نہیں پہچانتے۔ اور اسحاق بن ابراہیم سمرقندی نے بھی حسین بن واقد سے اس قسم کی روایت کی ہے۔ اور ابو برزہ اسلمیؓ سے بھی اس قسم کی روایت منقول ہے جو کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

توضیح وتشریح:

اس باب میں مسلمانوں کی تعظیم کرنے اور ان کی ایذاء رسانی سے بچنے اور ان کی عزت وآبرو کا لحاظ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان امور کی مزید تاکید کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خصوصی اہتمام کے ساتھ ممبر پر تشریف فرما ہو کر بلند آواز کے ساتھ فرمایا: ''يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ'' یعنی اے ان لوگوں کی جماعت، جنہوں نے زبان سے اسلام لایا ہے اور ایمان ان کے دل کو نہیں

پہنچا۔ یہاں زبان سے اسلام لانا یعنی اسلام کا اقرار کرنا' یہ مؤمن اور منافق سب کو شامل ہے اور لم یفض الایمان إلی قلبه میں ایمان سے مراد اصل ایمان اور کمال ایمان دونوں ہے۔

یعنی جو ابھی تک کامل مؤمن نہیں بنا' اس لحاظ سے یہاں منافق اور فاسق دونوں کو یہ خطاب شامل ہے' یعنی اس خطاب سے مقصود محض منافقین نہیں ہے بلکہ مؤمن فاسق بھی مخاطب ہے' اور دلیل اسکی یہ ہے کہ بعد کے جملہ میں "وَمَنْ يَّتَّبِعُ عَوْرَةَ اَخِيْهِ" مذکور ہے' اور خالص منافق کو مؤمن کا بھائی نہیں کہا جا سکتا۔

لاتؤذوا المسلمین ولاتعیروھم:

یعنی تم کامل مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور ان کو طعنہ بھی نہ دیا کرو یعنی کسی عیب اور گناہ کو یاد دلا کر ان کو شرمندہ نہ کرو۔ تعیر کا یہی معنی ہے۔ ماضی میں کیئے ہوئے گناہ پر زجر و توبیخ کرنا اور طعنہ دینا جائز نہیں ہے۔ چاہے اس آدمی کا اس گناہ سے توبہ کرنا معلوم ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی آدمی فی الحال کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھے تو اس کو زجر و توبیخ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اس گناہ سے باز آ جائے کیونکہ حسب استعداد نہی عن المنکر فرض اور لازم ہے۔

جو مسلمانوں کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور شرمندہ کرتا ہے :

ولاتتبعوا عوراتھم: یعنی ان مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو' یعنی مسلمانوں کے جو گناہ اور عیوب ظاہر نہ ہوں تو اس کی جستجو اور تلاش کرنا اور اس کے ظاہر کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔ اسے تجسس کہا جاتا ہے۔ جس سے قرآن کریم نے "وَلَا تَجَسَّسُوْا" کہہ کر منع فرمایا ہے۔ جو آدمی مسلمانوں کے پوشیدہ عیوب کے درپے ہو جاتا ہے تو اللہ اس آدمی کے پوشیدہ عیوب کے درپے ہو کر اسکے چھپے ہوئے عیوب اور گناہوں کو ظاہر فرمادے گا اور جب اللہ تعالیٰ اس کا پردہ لیتا ہے تو پھر کون ہے جو اس پر پردہ ڈال سکے۔ وہ آدمی اگر اپنی رہائش گاہ کے خفیہ حصے میں ہے اور اپنے گھر میں اپنے آپکو محفوظ تصور کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب لوگوں پر ظاہر فرما کر شرمندہ ورسوا کردے گا۔ اور ایک حدیث میں پہلے گزر چکا ہے : "مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" یعنی جو آدمی کسی مسلمان کا پردہ رکھے اور اس کے عیب کو چھپادے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا۔

مؤمن کعبہ سے بھی زیادہ محترم ہے :

ما أعظمک وأعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمة عنداللّٰہ منک:

یہ جملہ حضرت ابن عمرؓ نے کعبہ شریف کو دیکھ کر اسے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: یعنی تو کس قدر عظمت والا گھر ہے اور تیرا اعزاز واحترام کتنا بڑا ہے۔لیکن ایک مؤمن بندہ عزت واحترام کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی بڑا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا احترام کعبہ شریفہ سے بھی زیادہ ہے .... ۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور پشتو زبان کے سب سے زیادہ مشہور صوفی شاعر عبدالرحمٰن بابا فرماتے ہیں:

ده خلیلؑ تر کعبې دا کعبه ده لویه　　چه څوک جوړ کاندویران حرم ده زړه

یعنی حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ سے یہ کعبہ بڑا ہے کہ کوئی کسی مومن کے دل کے ویران حرم کو آباد کرے۔پس اگر کوئی آدمی العیاذ باللہ کعبہ پر تھوکتا ہے یا اس کے پردوں کو چیر پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور کعبہ کی بے حرمتی کرتا ہے تو یہ آدمی کتنا بڑا مجرم معلوم ہوگا۔اس پر لوگوں کے غم وغصہ کی انتہا نہ رہے گی۔مسلمان کی بے حرمتی اس سے بھی بڑا جرم ہے۔لیکن افسوس کہ مسلم معاشرہ میں آج کل مسلمان کی بے حرمتی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے اور بڑی لاپرواہی کے ساتھ مسلمان اپنے بھائی (مسلمان) کی خونریزی اور آبروریزی کے مرتکب ہورہے ہیں۔اس کو معمولی نہ سمجھئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

امام نماز سے فارغ ہونے کے بعد روبقبلہ رہے یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے:

ہمارے فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ امام فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بقدر ''اللھم انت السلام الخ'' پڑھنے سے زیادہ اپنی جگہ پر قبلہ رو ہو کر نہ بیٹھے' ایسا کرنا مکروہ ہے' بلکہ اگر اس فرض کے بعد سنت نماز ہو تو فوراً اٹھے اور جگہ تبدیل کر کے سنت پڑھے۔اور اگر سنت نہ ہو تو پھر یا اٹھ کر جدھر چاہے چلا جائے اور یا لوگوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھے۔یہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر مقتدی دس آدمی یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر امام لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے کیونکہ دس آدمیوں کا احترام کعبہ سے زیادہ ہے' اور اگر دس آدمیوں سے

مقتدی کم ہوں تو پھر امام روبقبلہ بیٹھے کیونکہ اتنے کم آدمیوں سے کعبہ کا احترام زیادہ ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کرام نے اس قول کی تردید کی ہے اور اس کی اس علت کو غلط اور بے اصل قرار دیا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی جو کبیری کے نام سے مشہور ہے) کہ یہ درست نہیں کہ دس آدمیوں سے کم ہو تو پھر قبلہ کا احترام زیادہ ہے پس امام روبقبلہ بیٹھے بلکہ حق یہ ہے کہ ایک مؤمن کا احترام بھی قبلہ کے احترام سے زیادہ ہے، لہٰذا بہرصورت امام فراغت کے بعد: **اللهم انت السلام ...... الخ** پڑھنے کے اندازے سے زیادہ نہ بیٹھے بلکہ یا تو اٹھ کر چلا جائے اور یا اگر نماز ایسی ہو کہ اس کے بعد سنت نہ ہوں تو لوگوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھے اور اذکار و اوراد درود شریف وغیرہ پڑھے۔

☆

۸۴ : باب مَا جَاءَ فِی التَّجَارِبِ

تجربات کا بیان

○ **حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ دَرَّاجٍ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.**

ترجمہ : حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’حلیم اور بردبار نہیں ہوتا مگر لغزش والا اور حکیم و عقلمند نہیں ہوتا مگر تجربہ والا۔ ...... یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اس طریق کے علاوہ نہیں پہچانتے۔

توضیح وتشریح :

تجارب تجربہ کی جمع ہے۔ تجربات جتنے زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی عقل میں پختگی آتی ہے۔ ’’انسان

حکیم دانا اور عقلمند بن جاتا ہے اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ''سَلِ الْمُجَرَّبَ وَلَا تَسْئَلِ الْحَكِيمَ'' یعنی تجربہ کار سے پوچھو حکیم اور عقلمند سے نہ پوچھو۔ یعنی جو آدمی تجربہ کار ہوں یہی دراصل حکیم اور دانا بھی ہے۔ اس سے پوچھو اور جو آدمی دانا عقلمند تو ہو لیکن تجربات پر سے گزر کر نہ آیا ہو تو اس کی حکمت و دانائی میں پختگی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے پوچھنا نہیں چاہیے۔

لاحليم إلا ذو عثرة کا مطلب:

یعنی بردباد اور حلیم وہ آدمی ہوتا ہے جس نے ٹھوکریں کھائی ہوں اور اس پر شدائد و مصائب آئے ہوں ان کو برداشت کرنے کے بعد ہی انسان بردبار اور حلیم الطبع بن جاتا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ حلیم اور صبر و تحمل کرنے والا وہ ہوتا ہے جس سے کوئی لغزش ہوتی ہو لغزش اور غلطی صادر ہونے والا شخص عفو کا طلب گار ہوتا ہے۔ جب اس کو معاف کر دیا جائے تو یہ آدمی عفو اور درگزر کا درجہ اور اہمیت پہچانے گا۔ پھر اگر دوسروں سے لغزش ہو جائے گی تو یہ بھی ان کو عفو کرے گا اور اس طرح وہ حلیم بن جائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ کوتاہیوں سے صرفِ نظر ایسا شخص کر سکتا ہے جو خود کوتاہیوں کا مرتکب رہا ہو خواہ اسکو معاف کر دیا گیا ہو یا سزا دی گئی ہو۔ ایسے شخص میں حلم پیدا ہوگا اور دوسروں کے حق میں وہ حلیم ثابت ہوگا۔

بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو **لا حليم الا وقد يعثر**۔ یعنی کوئی بھی حلیم نہیں ہوتا مگر کبھی کبھی ضرور اس سے لغزش ہوگی۔ یعنی بہت بڑا حلیم و بردباد آدمی بھی کبھی کبھی غصہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے صبر و حلم کا جام لبریز ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِيْمِ'' بردبار اور صبر والے آدمی کے غصہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ کیونکہ حلیم الطبع انسان جب غصہ میں آجاتا ہے تو اسکا غصہ بہت شدید ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے۔ حاصل اس قول کے مطابق یہ ہوگا کہ بہت بڑے بڑے بُردبار آدمی بھی کبھی کبھی حالات سے مغلوب ہو کر غصہ ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''لِكُلِّ عَالِمٍ زَلَّةٌ. وَلِكُلِّ سَيْفٍ نَبْوَةٌ'' وَلِكُلِّ جَوَادٍ كَبْوَةٍ. ہر عالم سے لغزش ہوتی ہے۔ اور ہر تلوار کیلئے اچٹ جانا ہے اور ہر تیز رفتار گھوڑے کیلئے ایک مرتبہ

منہ کے بل گرنا ہے' یعنی ہر باکمال مخلوق میں عیب بھی ہوتا ہے اور اس سے اس کمال کی ضد یعنی نقص، قصور اور فتور بھی ظاہر ہوتا ہے' پس ہر عالم چاہے جتنا بڑا عالم' بڑے محقق ہوں اس کیلئے خطا اور لغزش ہوتی ہے۔ کتنی ہی عمدہ اور اچھی تلوار ہو' کبھی کبھی اچٹ جاتی ہے۔ نیز بالآخر کند پڑ جاتی ہے۔ اور ہر عمدہ اور تیز رفتار گھوڑا کبھی ٹھوکر کھاتا ہے اور منہ کے بل گر جاتا ہے۔ یہ تو ایک اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جو کہ تمام صفات کمال کے لئے جامع ہے اور تمام عیوب اور نقائص سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کامل ہیں ان میں نہ کبھی نقص، قصور اور فتور آیا ہے اور نہ کبھی آئیگا۔

ولاحکیم الا ذوتجربة: یعنی دانا اور حکیم وہ ہوتا ہے جو صاحب تجربہ ہو۔ یعنی جسے دینی اور دنیوی امور کا تجربہ ہو' بہت سے مختلف حالات اور واقعات اس کے سامنے گزر گئے ہوں' اور ان حالات و واقعات کے مصالح و مفاسد اس کے سامنے آچکے ہوں' پس ایسا آدمی جو بھی کام انجام دیتا ہے اس کام کے نتیجے میں آنے والے مصالح و مفاسد پر نگاہ رکھ کر انجام دیتا ہے' لہٰذا اس کے انجام دیئے ہوئے امور میں خیر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے' اور ان کے نتیجے میں شر اور نقصان بہت کم سامنے آتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس سے طبی حکیم مراد ہے' یعنی کامل طبیب اور ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جو کہ فن طب کا علم بھی حاصل کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو تجربہ بھی ہو جائے' مختلف قسم کے مریض اس کے سامنے سے گزر جائے' ان کے امراض اور ان کے لئے تجویز کردہ ادویات اور اس کے نتیجے میں آنے والے کے حالات نے اس کو اپنے فن میں پختہ بنایا ہو' امراض اور ادویہ میں تجربہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو لوگوں کے مزاج کا بھی تجربہ ہو چکا ہو تو یہ کامل حکیم ہوتا ہے' اور جو صرف فن کی کتابیں پڑھ لیں اور ڈگریاں حاصل کریں لیکن عملی تجربہ نہ ہو تو اس میں یہ کمزوری ابھی باقی ہے اور وہ اپنے فن میں پختہ نہیں ہے۔

ھذا حدیث حسن غریب : اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابن حبانؒ نے اپنے صحیح "صحیح ابن حبان" اور حاکم نے اپنے مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ اور علامہ مناویؒ نے شرح الجامع الصغیر میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

☆

۸۵ : باب مَا جَاءَ فِی الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ یُعْطَهُ

جو چیز نہ ملی ہو اس سے اپنے کو شکم سیر ظاہر کرنے والے کا بیان

○ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَعِیلُ بْنُ عَیَّاشٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِیَّةَ عَنْ أَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْیَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَلْیُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنَی فَقَدْ شَکَرَ وَمَنْ کَتَمَ فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّی بِمَا لَمْ یُعْطَهُ کَانَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُورٍ وَفِی الْبَابِ مِنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِی بَکْرٍ وَعَائِشَةَ هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ وَمَعْنَی قَوْلِهِ :وَمَنْ کَتَمَ فَقَدْ کَفَرَ یَقُولُ قَدْ کَفَرَ تِلْکَ النِّعْمَةَ.

ترجمہ: حضرت جابرؓ جناب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی عطیہ دیا گیا۔ پھر وہ (بدلہ دینے کیلئے) کوئی چیز پائے تو اس کا بدلہ دیدے۔ اور اگر (بدلہ دینے کیواسطے) اس کے پاس کچھ موجود نہ ہو تو (عطیہ دینے والے) کی تعریف کرے۔ کیونکہ جس نے عطا کرنے والے کی تعریف کی تو اس نے شکریہ ادا کیا۔ اور جس نے عطیہ کو چھپایا تو اس نے کفران نعمت کیا (یعنی اس نعمت کی بےقدری کی) اور جس نے کسی ایسی چیز سے اپنے آپ کو آراستہ ظاہر کیا جو اس کو نہ دی گئی ہو۔ تو وہ جھوٹ اور فریب کا لباس پہننے والے کی طرح ہے۔۔۔۔۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت ہوئی ہے۔۔۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور آپ ﷺ کے اس ارشاد (من کتم فقد کفر) کا معنی یہ ہے کہ اس نے اس نعمت کی ناشکری کی۔

توضیح وتشریح:

متشبع، اس آدمی کو کہا جاتا ہے کہ شکم سیر نہ ہو اور اپنے آپ کو شکم سیر آدمی کی طرح ظاہر کرے۔ بھوک سے مر رہا ہو اور اپنے آپ کو ریاء وتکبر کیلئے پیٹ بھرا ہوا ظاہر کرے۔ پھر یہ لفظ ہر اس آدمی کیلئے استعمال ہونے لگا جس کو کوئی خاص فضیلت (مثلاً علم، تقویٰ وغیرہ) عطاء نہ کی گئی ہو مگر وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے اور ریا کے

طور پر وہ فضیلت اپنے آپ میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ایسا کرنا بڑا جرم ہے،اور حرام ہے۔

عطاء کرنے والے کو بدلہ دینا بہترین خصلت ہے:۔ قال من اعطی عطاءً فو جدفلیجز به و من لم یجد فلیثن:۔ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو کچھ عطیہ دیا گیا اور اس کے پاس بدلہ دینے کیلئے کچھ ہو تو اسکو بدلہ دیدے۔اور اگر کچھ نہ ہو تو پھر اس آدمی کی تعریف اور ذکر خیر کرے۔یا مطلب یہ ہے پھر اس کیلئے دعا کرے اور پچھلے ابواب میں گذر چکا ہے کہ جناب رسول ﷺ ہدیہ کو قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔اور ھدیہ اور عطیہ کرنے والے کو بدلہ دینے کی ترغیب دیتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس بدلہ دینے کیلئے کچھ نہ ہو تو بدلہ دینے کیلئے اس کو نیک دعا کرے۔ جزاک اللہ کہے۔کیونکہ جس نے جزاک اللہ کہا یعنی ''اللہ تعالیٰ تجھے اس احسان کا بدلہ دے''۔تو یہ ایسا ہوا کہ گویا اس نے اس کو پورا بدلہ دیدیا۔اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے پاس بدلہ دینے کیلئے کچھ نہ ہو تو وہ اس (عطیہ دینے والے) کا ذکر حسن کرے اور اس کی تعریف کرے اور ''فلیثن'' اس جملے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کیلئے دعا کرے اور جس شخص نے اس کی تعریف کی اور اس کیلئے دعا کی تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔اور جس نے اس آدمی کے عطیہ اور اس کے احسان کو چھپالیا (اور اس کا ذکر حسن نہیں کیا) تو اس نے نا شکری کی۔آنے والے باب میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

جھوٹ کا لباس پہننے والا کون؟

''ومن تحلی بما لم یعطه کان کلابس ثوبی زور'' یعنی جناب رسول ﷺ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی ایسی چیز سے اپنے آپ کو آراستہ ظاہر کیا جو اسکو نہ دی گئی ہو تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے دونوں لباس (ازار ورداء) جھوٹ کے پہنے ہوں۔یہ جملہ جناب رسول ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا جبکہ ایک عورت نے جناب رسول ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ! میری سوتن ہے،تو کیا مجھ پر اس میں گناہ ہوگا کہ میں اپنے آپ کو ایسی چیز سے شکم سیر ظاہر کروں جو مجھے میرے شوہر نے نہ دی ہو اور یہ ظاہر کروں کہ میرا شوہر میری سوتن سے مجھے زیادہ پسند کرتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من تحلی الخ اور علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ عرب میں ایک آدمی تھا جو کہ دونوں کپڑے

(ازارورداء) (قمیص وشلوار) ایسے لوگوں کی طرح پہنتا تھا جولوگ صدق وصفا میں معروف ومشہور ہوتے تھے۔تا کہ لوگ اس کوانہی کی طرح پارسا اور معزز سمجھے، کیونکہ صدق وصفا وصلاح میں مشہور لوگ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ پس جب لوگ اسے اس شکل وصورت میں دیکھ لیتے تو وہ اس پر نیک لوگوں کا گمان کرتے اور وہ معاملات وغیرہ میں اس کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے اور اسکی جھوٹی شہادت کو سچی سمجھتے تھے کیونکہ اس نے سچے لوگوں کا حلیہ بنایا تھا۔اوراس کے دونوں کپڑے (ازارورداء) اس جھوٹ بولنے کا سبب بن رہے تھے اوراس نے جھوٹ بولنے کیلئے یہ کپڑے پہنے تھے اس وجہ سے اس کو جھوٹ کا لباس کہا گیا۔اور مراداس سے عام ہے، ہر وہ آدمی جو کہ تصنع اور تکلف سے اپنے آپ کوارباب فضل وشرف کی طرح ظاہر کرے حالانکہ وہ اندر سے خالی ہواوراس میں وہ فضیلت وشرافت نہ ہوجیسا کہ کوئی آدمی علم وتقوی سے خالی ہولیکن اپنے آپ کو بڑا شیخ و بڑا عالم ظاہر کرنے کیلئے لمبا کرتہ، بڑا جبہ پہنے، بڑی پگڑی باندھے اور لمبی تسبیح ہاتھ میں پکڑے اور پمفلٹ واشتہارات میں اپنے نام کے ساتھ شیخ الحدیث وشیخ التفسیر نابغہء دہر وغیرہ القابات شائع کرے تو ایسا آدمی گویا جھوٹ کے لباس میں ملبوس ہے۔اگر انسان کی یہ حالت ہوجائے اور وہ متنبہ نہ ہوا، تو اس کی ہلاکت کیلئے یہی کافی ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منھا) شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ...... ؎

دلقت بہ چہ کار آید وتسبیح مرقع　　خودراز عملہائے نکوھیدہ بری دار

حاجت بہ کلاہے برکی داشتنت نیست　　درویش صفت باش وکلاہے تتری دار

☆ حضرت ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو زاہدین (تارک الدنیا، پارسا) لوگوں کا لباس پہنتا ہو، تا کہ لوگ اسے بزرگ اور پارسا سمجھے حالانکہ اس کے اندر زہد و پارسائی نہ ہو۔اور بعض فرماتے ہیں کہ مراد وہ شخص ہے جو کہ حقیقت میں غریب ونادار ہولیکن جب گھر سے نکلتا ہے تو تکبر اور ریاء کیلئے لباس فاخرہ پہن کر نکلتا ہے۔تا کہ لوگ دھوکہ میں آجائیں اور وہ اسے صاحب وقار سمجھے ...... ؎

بردرچوں پردۂ ریاءداری　　توکہ درخانہ بوریا داری

تصنع کا لباس سراپا جھوٹ :

حاصل سب کا ایک ہی ہے کہ تصنع وتکلف کیساتھ دھوکہ اور ریاء کیلئے اپنے میں وہ کمال ظاہر کرنا جو

اس میں نہ ہو یہ بہت بڑا جرم ہے جو کہ ریاء، تکبر، عجب وخود پسندی، دھوکہ وفریب اور جھوٹ وغیرہ مختلف قسم کے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اور دونوں لباس جھوٹ کا پہننے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ صرف زبان کا نہیں، بلکہ یہ آدمی گویا سراپا جھوٹ کے ساتھ متصف ہے۔

☆

باب ٨٦ : مَا جَاءَ فِي الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوفِ

عطاء کے بدلے میں ذکر حسن کا بیان

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ وَالْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ بِمَكَّةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ عَنْ سُعَيْرِ بْنِ الْخِمْسِ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مثله.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ کوئی بھلائی کی گئی (یعنی کچھ عطیہ دیا گیا) اور اس نے اس عطاء کرنے والے سے کہا: " جزاک اللّٰہ خیرًا " تو اس نے اس کا شکریہ ادا کرنے میں پوری کوشش کی۔۔۔۔۔یہ حدیث جید غریب ہے۔ ہم اسے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے اس کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں جانتے۔۔۔۔اور حضرت ابوھریرہؓ سے بھی جناب رسول ﷺ سے اس قسم کی حدیث روایت کرنا منقول ہے۔

توضیح وتشریح : گذشتہ باب میں بھی یہ مضمون ذکر ہوا تھا کہ جس نے احسان وعطاء کرنے والے کو بدلہ میں کچھ دینے کیلئے نہ پایا تو وہ اس کا ذکر خیر کرے اور اس کیلئے دعا کرے یہاں اس دعا کرنے کیلئے اور ذکر

حسن کیلئے کچھ خاص الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جس نے عطاء کرنے والے کو "جزاک اللّٰہ خیراً" کہا تو اس نے اعلیٰ درجہ کا شکریہ ادا کر دیا۔ جزاک اللّٰہُ خیراً" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بہتر بدلہ دے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دنیا و آخرت کا خیر دے۔ اور یہ جملہ کہنا اس لئے اعلی درجہ کا شکر اور اعلی درجہ کا ذکر حسن ہے کہ اس بندے نے دراصل یہ اعتراف کیا کہ میں آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے یا اس پر آپ کی تعریف اور ذکر حسن کرنے سے عاجز و قاصر ہوں، اس وجہ سے میں اللہ تعالیٰ کے جناب میں درخواست کرتا ہوں کہ تجھے اس کا پورا بدلہ اور بہترین بدلہ دیدے۔

اپنے محسن کا ذکر خیر کرنا بھی اخلاق حسنہ میں سے ہے:۔

"من صنع الیه معروفا فقال لفاعله جزاک الله خیرًا" ان الفاظ میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بدلہ دینے کیلئے کچھ موجود نہ ہو تو پھر ایسا کہنا چاہیے۔ بلکہ ان الفاظ سے عموم معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہ ہو تب تو" جزاک اللّٰہ خیرًا" یا دوسرے الفاظ سے ذکر خیر کرنا نسبۃً ضروری ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے نیز بعض شیوخ نے کہا ہے کہ" اِذَا قَصُرَتْ یَدَاکَ بِا لْمُکَا فَاۃِ فَلْیُطِلْ لِسَانَکَ بِالشُّکْرِوَ الدُّعَاءِ" یعنی جب تیرے ہاتھ بدلہ دینے سے عاجز و قاصر رہے تو چاہیئے کہ تیری زبان شکریہ ادا کرنے اور دعا کرنے میں خوب کوشش کرے۔

☆ اور اگر عطا و احسان کا بدلہ دے سکتا ہو تب بھی زبان سے شکریہ ادا کرنا اور دعاء کرنا بہتر ہے۔ بلکہ کمالِ شکر یہ ہے کہ ہاتھ سے بھی بدلہ دیدے، زبان سے بھی ذکر حسن کرے اور دل سے بھی احسان مندر ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ....

افادتکم النعماء منی ثلاثۃً　　یدی و لسانی و الضمیر ا لمحجبا

یعنی مجھ پر آپ کے انعامات و احسانات نے میری طرف سے تم کو تین چیزیں دیدئے: میرا ہاتھ، میری زبان اور سینے میں چھپا ہوا دل۔

وھذا آخر ابواب البر و الصلة فقد تمت الابواب بعون الملک الوھاب.

و اللّٰہ تعالیٰ ا علم بالصو اب و الیه المرجع و المآب.

☆